Naimi Khutbat
نعیمی خطبات
مولانا قاری محمد الدین نعیمی
مکتبہ قادریہ

ایمان افروز تقریریں

نعیمی خطبات

(اوّل، دوم، یکجا)

المعروف الخطیب

از

حضرت علامہ مولانا قاری محمد الدین صاحب نعیمی

لطیفیہ بک ڈپو

دوکان نمبر ۱، محمد علی روڈ، مومن پورہ، ناگپور

M. 9404584631, 9371095545

نام کتاب ——————— المعروف خطباتِ نعیمیہ

مصنّف ——————— قاری محمد الدین نعیمی

سن اشاعت ———————

طباعت ——————— ناہید آفسیٹ پرنٹرس دہلی

تعداد ——————— ایک ھــزار

انتساب!

بصد عجز و نیاز، منبع صدق و صفا، معدن جود و عطا
افضل الخلق بعد الانبیاء، خلیفہ محبوب ربِّ اکبر
سیدنا و مولٰنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ
کے نام

نذر!

بحضور پیر طریقت رہبر شریعت مرشدِ حقانی
عکسِ لاثانی حضرت پیر سید علی حسین شاہ صاحب
مدظلہ العالی، زیبِ آستانہ عالیہ علی پور سیداں شریف
(سیالکوٹ)

گر قبول افتد زہے عز و شرف

گدائے کوچۂ لاثانی،
قاری محمد الدین نعیمی

مقدمہ

از ۔ عالی جناب حضرت علامہ الحاج صائم چشتی صاحب فیصل آباد،

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم وعلیٰ آلہٖ وصحبہٖ اجمعین،

تحریر ہو یا تقریر، قارئین وسامعین کے اذہان وقلوب کو اسی قدر متاثر کر سکے گی، جس قدر اس میں محرر یا مقرر کے اپنے قلبی جذبات کی آمیزش ہوگی،

کسی بھی مضمون کا براہِ راست قاری اور سامع کے دل پر اثر انداز ہونا تحریر وتقریر کے والہانہ انداز اور جذبانیت سے وابستہ ہے اور اس والہانہ انداز اور شدتِ جذبات کا حصول اس وقت تک قطعی طور پر غیر ممکن ہے جب تک مضمون میں پیش کئے جانے والے کرداروں کی عظمت اور سربلندی کے نقوش پوری تابانی سے دل ودماغ پر منقش نہ ہو جائیں یہ مثبت پہلو میں پیش کئے جانے والے کرداروں کی بات ہے، اس کا منفی پہلو بھی ہوتا ہے اس کے اظہار کے لئے بھی شدتِ جذبات کی ضرورت ہے مگر پہلی صورت کے برعکس اس کے لئے شدتِ محبت کی بجائے شدتِ عداوت کی ضرورت ہے،

بہرکیف، مضمون کی قوت اور دلکشی مثبت اور منفی دونوں صورتوں میں شدتِ جذبات سے ہی وابستہ ہے، جب رسول خیر الانام علیہ الصلوٰۃ والسلام کی والہانہ محبت محرر اور مقرر کے رگ و ریشہ میں رچ بس جاتی ہے تو اس کے الفاظ خواہ کتنے ہی سادہ کیوں نہ ہوں قاری اور سامع کی روح کی گہرائیوں تک اترتے چلے جاتے ہیں،

زیرِ نظر کتاب "الخطیب" میرے عزیز قاری محمد الدین نعیمی کا پہلا قلمی شاہکار ہے اور اس میں عشقِ رسول میں ڈوبی ہوئی وہی سادہ مگر اثر انگیز تقریریں ہیں جو عزیزم قاری صاحب کے

لحن داؤدی کی صورت میں ہزاروں سامعین کے قلوب و اذہان کو کیف و سُرور اور سوز و گداز کی لازوال دولت سے مالا مال کرتی رہی ہیں۔ میری دُعا ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ مصنف کی سعی و کاوش اور مسلسل جدوجہد کو قبول و منظور فرمائے اور انکی اس کتاب کو قارئین کیلئے نافع اور ان کیلئے توشۂ آخرت بنائے۔

آمین بحرمت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

صائم چشتی

لَمْ یَاْتِ نَظِیْرُکَ فِیْ نَظَرٍ مثل تو نہ شد پیدا جانا

جگ راج کو تاج تورے سر سو ہے تجھ کو شہِ دوسرا جانا

(اعلیٰ حضرت بریلوی قدس سرہٗ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پہلی کرن

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

فریضۂ تبلیغِ حق ادا کرنے کی پاداش میں کیا کیا مصائب اٹھانے پڑتے ہیں، تاریخِ عالم کی لوحِ جبیں پر ان کے نقوش آج بھی مرتسم ہیں۔ حق پرستوں پر آلام و مصائب کی یورش کے تصور سے بھی انسان لرز لرز جاتا ہے۔ جناب سیدنا نوح علیہ السلام ہوں یا سیدنا ابراہیم علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام ہوں یا حضرت عیسیٰ علیہ السلام تبلیغِ حق کے سلسلے میں سبھی کو ہی نمرودوں، شدادوں اور فرعونوں کے تشدد کا نشانہ بننا پڑا۔

انبیاء کرام کے جلیل القدر گروہ میں سے ستر انبیاء کرام کو تبلیغِ دین کے صلہ میں جامِ شہادت بھی نوش کرنا پڑا۔ حضرتِ عیسیٰ علیہ السلام کو فلکِ چہارم پر گئے چھ صد صدیاں گزر گئیں تو اچانک کوہِ صفا کی چوٹی حق و صداقت کی پُر شکوہ آواز سے گونج اٹھی۔ لات و عزیٰ اور منات و ہبل جیسے خود ساختہ خداؤں پر لرزہ طاری ہو گیا، مگر ان پتھروں کے پجاریوں کے سینوں میں آتشِ عناد کے لاوے ابلنے لگے۔ وقت کے ساتھ ساتھ نمرودوں اور شدادوں نے ابولہب اور ابوجہل کا روپ دھار لیا۔

دعوت و تبلیغ کا فریضہ ادا کرتے وقت امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو جس قدر جور و جفا اور ظلم و ستم کا نشانہ بننا پڑا، اگر ان کا ایک ہلکا سا خاکہ بھی قرطاس پر کھینچنے کی کوشش کی جائے تو قلم کا کلیجہ پھٹ جاتے اور کاغذ کا سینہ ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے۔

دنیا نے یہ کربناک منظر بھی دیکھا جو نعلین مبارک محبوبِ اکرم کے مبارک قدموں کے صدقے سے عرشِ اعظم کا سینہ روندتی ہوئی آگے گزر گئی تھی، وہی نعلین محبوبِ اکرم کی مقدس ایڑیوں سے بہنے والے خون سے گلنار ہو گئی تھی خدا کے مقدس محبوب پر مصائب کے پہاڑ اس لیے توڑے جاتے تھے کہ آپ ان لوگوں کے سامنے حق کی تبلیغ نہ کریں۔ سفیان قریش نے ایک بار رحمتِ عالم کے سرِ اقدس پر مٹی پھینکنا شروع

کردی مبلغِ حق اور علمبردار صداقت کے مشکبار اور عنبرین گیسو مٹی میں لتھڑے ہوئے تھے اور آپ کی صاحبزادی سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا ان کو دھوتی جاتی تھیں اور روتی جاتی تھیں۔ جنگِ اُحد ذاتی مخاصمت کا نتیجہ نہ تھی، کفارِ مکہ وعظ و تبلیغ کے ذرائع مسدود کرنا چاہتے تھے۔ جنابِ حمزہ کے جسم نازنین کے کٹے ہوئے اعضا کا ہار اب بھی تاریخ اسلام کو خون کے آنسو رُلاتا ہوا نظر آتا ہے۔ یہ تبلیغ حق و صداقت کا ہی صلہ تھا کہ محبوب کے مقدس رخساروں میں خود کی کڑیاں اس طرح دھنسی ہوئی تھیں کہ درِ دندانِ مبارک تک مضروب ہو گئے۔ تاجدارِ انبیاء کے چہرۂ انور سے خون کی دھاریں اس طرح بہہ رہی تھیں جیسے سرخ آبشاریں پھوٹ پڑی ہوں۔ کربلائے معلیٰ کا میدانِ کارزار بھی تو اسی آوازِ حق و صداقت کے بلند کرنے کی پاداش میں لالہ زار بن گیا تھا تبلیغ حق آسان کام نہیں۔ جنابِ زید بن امام زین العابدین کو ہشام بن عبدالملک نے تبلیغ حق کی بناء پر جو سزا دی، اس کے تصور ہی سے جسم کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ آپ کو مصلوب کرنے کے بعد نعش مبارک کو ویسا ہی لٹکا رہنے دیا، حتیٰ کہ آپ کے جسمِ اطہر کے تمام کپڑے تار تار ہو کر جسم سے الگ ہو گئے نواسۂ رسول کا جسم تو محفوظ رہنا ہی تھا، کپڑے گلنے کے بعد چیتھڑے بن گئے تو مکڑی نے جالا تن کر آپ کے جسم کو پوشیدہ کر دیا۔ دیکھنا تو یہ ہے کہ تبلیغ حق کی سزا کتنی سنگین ہے۔ عباسی خلیفہ متوکل نے تبلیغ حق کے جرم میں اپنے بچوں کے اتالیق کی زبان کو زنبوروں سے کھینچ کر نکال باہر کیا اور پھر اسی پر اکتفا نہیں کیا' ان کے زندہ جسم کو گھوڑوں کے پاؤں سے باندھ کر گھوڑوں کو دوڑا دیا گیا۔ بہرکیف تبلیغ حق اس قدر سنگین کام ہے جسے بیان نہیں کیا جا سکتا، مگر اس کے باوجود یہ سلسلہ تا ابدالآباد جاری و ساری رہے گا۔ اپنے خون سے حق و صداقت کی شمعیں فروزاں کرنے والے جو نقوش لوحِ پر ثبت کر چکے ہیں، انہیں محو نہیں کیا جا سکتا بلکہ ان کی حق و صداقت کی تبلیغ کی صداؤں کی بازگشت اب بھی با ایں الفاظ سنائی دے رہی ہے

قتل گاہوں سے چن کر ہمارے علَم اور نکلیں گے عشاق کے قافلے

احقاقِ حق اور ابطالِ باطل کے لیے مبلغینِ اسلام نے جن ذرائع سے کام لیا، وہ یہ ہیں: ۱۔ شمشیر۔ ۲۔ تقریر۔ ۳۔ تحریر

اس میں شک نہیں کہ اسلام کی یہ ہمہ گیری شمشیر سے زیادہ اخلاق حسنہ کی مرہون منت ہے مگر اس حقیقت کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کہ جب باطل قوتیں اخلاقی اقدار کو پسند نہ کرتے ہوئے آمادہ پیکار ہو گئیں، تو غیرت اسلامی نے بزور شمشیر ان کی سرکشی کو پوری قوت سے دبا دیا اور آنے والی نسلوں کے لیے لوح تاریخ پر اس قسم کے نقوش مرتسم کر دیے کہ اسلام کی حفاظت کے لیے اگر سرکش اور جابر قوتوں سے ٹکرانا پڑے تو محمد بن قاسم، طارق بن زیاد، سلطان صلاح الدین ایوبی اور محمود غزنوی کا کردار ادا کرو۔ ہماری تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ مسلمان کسی حقیر چیونٹی کا نام نہیں جسے طاغوتی طاقتیں پاؤں تلے مسل ڈالیں، بلکہ مسلمان تو ایک آہنی چٹان ہے جس سے ٹکرانے والی ہر قوت پاش پاش ہو جاتی ہے۔

تبلیغ میں دوسرا کردار تقریر کا ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دعوت و تبلیغ حق کی ابتدا تقریر ہی سے فرمائی۔ تقریر کی قوت اجسام پر ہی نہیں، بلکہ ارواح و قلوب تک کو مسخر کر کے رکھ دیتی ہے۔ فرمان مصطفےٰ کے مطابق صحابہ کرام نے شمشیر کے ساتھ ساتھ تقریر کا بھی سلسلہ شروع رکھا اور غیر مذاہب والوں کو حقانیت اسلام سے روشناس کرانے کے لیے تقریر ہی کا سہارا لیا۔

مقرر اور خطیب جس قدر با عمل اور صاحب کردار ہوگا، اسی قدر اس کی تقریر کے اثرات مرتب ہوں گے۔ بلاشبہ تقریر کی قوت شمشیر کی قوت سے سبقت لے جاتی ہے اور پھر صاحب کردار کی تقریر تو دلوں کی دنیا ہی بدل کر رکھ دیتی ہے۔ سلطان شہاب الدین غوری کی شمشیر عتاب کی مانند بار بار جھپٹنے کے باوجود جس میدان کو فتح نہ کر سکی سلطان الہند خواجہ معین الدین چشتی کی تقریر پر تاثیر نے اس میدان میں نہ صرف کامیابی و کامرانی کے جھنڈے گاڑ دیے، بلکہ نہایت ہی مختصر وقت میں نوے لاکھ ہندوؤں کو دولت اسلام سے سرفراز فرمایا۔

دنیا سوچتی ہے کہ آخر وہ کونسی قوت تھی کہ جس تقریر نے لاکھوں آدمیوں کی کایا پلٹ کر رکھ دی تو اس کے لیے میں بتا چکا ہوں کہ مقرر اور خطیب کا صاحب کردار ہونا ہی سامعین کے قلوب کو جھنجوڑ سکتا ہے۔ خواجہ غریب نواز صاحب کردار و عمل تھے، اس لیے ان کی تقریر کے اثرات اتنی ہی قوت سے ظاہر ہوئے۔ حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ تقریر فرماتے تو ہر محفل سے کئی کئی جنازے اٹھا کرتے تھے۔ بہرحال تقریر کا ذریعہ تبلیغ حق کے لیے ایک موثر ترین ذریعہ ہے۔

تیسرا نمبر تحریر کا ہے، اگرچہ ہم نے تحریر کا ذکر تیسرے نمبر پر کیا ہے مگر یہ ایک مسلّمہ حقیقت ہے کہ شمشیر و تقریر سے برآمد ہونے والے مثبت نتائج کو لازوال اور لافانی کرنے میں سب سے زیادہ کردار تحریر کا ہے، کیونکہ شمشیر و تقریر کے اثرات محض انہی لوگوں تک محدود ہیں جن کو ان سے واسطہ پڑا، مگر تحریر کے ذریعے سے کی جانے والی تبلیغ ابدالآباد تک قائم و دائم رہتی ہے۔ مفسرین و محدثین اور ائمہ دین نے اس ذریعۂ تبلیغ کے لیے اپنی زندگیاں وقف کر رکھی تھیں، یہی وجہ ہے کہ آج ہم شمشیر و تقریر کے ان مناظر کا مشاہدہ کر سکتے ہیں جن کا ذکر اوپر کیا گیا ہے۔

بلاشک و ریب اسلام کی اشاعت میں زیادہ تر حصّہ تحریر کا ہے اور اس تحریر کے ذریعے سے ہی دامنِ اسلام ہر قسم کے دینی و دنیاوی مسائل کی راہنمائی کے لیے مالا مال ہے اور انسانی زندگی کا کوئی گوشہ ایسا نہیں جس میں اسے راہنمائی نہ حاصل ہوتی ہو۔

حضرات محترم! مجھے اعتراف ہے کہ ہمارے متقدمین و متاخرین نے کوئی ایسا گوشہ نہیں چھوڑا جس پر کما حقہ روشنی نہ ڈالی گئی ہو۔ تحریر کے اس میدان میں مجھ جیسے کمترین کا کچھ لکھنا آفتاب کو چراغ دکھانے کے مترادف ہے، مگر غرض صرف یہ تھی کہ میرا نام بھی یوسف کے خریداروں میں آجائے۔ بہرحال مجھے اپنی کم مائیگی اور بے بضاعتی کا شدید احساس ہے مگر ساتھ ہی ساتھ بجا طور پر فخر بھی ہے کہ میری اس تصنیف کو میری گزارش واقعی پر میرے نہایت قابلِ احترام اور ملک کے نامور ادیب، شاعر، مورخ اور محقق جناب صائم چشتی صاحب مدظلہ نے اپنی خصوصی توجہ سے کامل طور پر مزین کرنے میں استعانت فرمائی ہے۔ میری دعا ہے اللہ تبارک و تعالیٰ میری اس سعی جمیل کو مقبول و منظور فرمائے۔ آمین بحرمت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ اجمعین۔

طالبِ دعا

قاری محمد الدین نعیمی

۹ ذوالحجہ ۱۴۰۲ھ ہجری

فہرست

محرم الحرام

صفر المظفر

جمادی الاوّل

جمادی الثانی

رجب المرجب

۱۲- سیاحِ لامکاں

شہداءِ کربلا

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِی ارْتَضٰی حَبِیْبَہٗ فِی الْاَرْضِ وَالسَّمَآءِ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِنَا وَسَیِّدِ الْاَنْبِیَآءِ مُحَمَّدِ الْمُصْطَفٰی وَالْمُجْتَبٰی وَالْمُرْتَضٰی۔ وَعَلٰی اٰلِہِ التُّقٰی وَصَحْبِہٖ نُجُوْمِ الْھُدٰی وَعُلَمَاءِ اُمَّتِہٖ وَاَوْلِیَاءِ مِلَّتِہِ الْبَرَرَۃِ التُّقٰی اَمَّا بَعْدُ ؛

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ، بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
قُلْ لَّآ اَسْئَلُکُمْ عَلَیْہِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّۃَ فِی الْقُرْبٰی ؕ
صَدَقَ اللّٰہُ مَوْلٰنَا الْعَظِیْمِ ؕ وَصَدَقَ رَسُوْلُہُ النَّبِیُّ الْکَرِیْمُ الْاَمِیْنُ

کونین میں بلند ہے رُتبہ حسینؓ کا
فرشِ زمیں سے عرش تک شُہرہ حسینؓ کا
بے مثل ہے جہان میں کنبہ حسینؓ کا
سلطانِ دو جہان ہے نانا حسینؓ کا

معزز سامعین کرام! میں نے جو آیۂ کریمہ آپ کے سامنے تلاوت کرنے کا شرف حاصل کیا ہے، اس میں اللہ تعالیٰ جل مجدہٗ الکریم نے حبِ اہلِ بیت کا ذکر فرمایا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

قُلْ لَّآ اَسْئَلُکُمْ عَلَیْہِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّۃَ فِی الْقُرْبٰی ۔ (پ ۲۵ ع ۴)	(اے محبوب! صلی اللہ علیہ وسلم، تم فرماؤ میں اس پر تم سے کچھ اجرت طلب نہیں کرتا مگر قرابت کی محبت)

یعنی اے میرے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم اعلان فرما دیجئے ! اے میرے امتیو! اے میرا کلمہ پڑھنے والو! تمہیں میرے صدقے سے جان ملی، اولاد ملی، مال ملا، رمضان ملا، قرآن ملا، ایمان ملا، عرفان ملا، نہیں نہیں، بلکہ رحمان ملا، تمہیں میرے ہی صدقے سے سب کچھ ملا لَآ اَسْئَلُکُمْ عَلَیْہِ اَجْرًا میں تم سے اس کا بدلہ اس کی قیمت اس کی اُجرت اس کا معاوضہ طلب نہیں کرتا، اس لیے کہ میں تو تمہیں عطا کرنے کے لیے آیا ہوں، تم سے مانگنے کے لیے نہیں آیا۔ مجھے تو اللہ تبارک و تعالیٰ نے ساری کائنات کے خزانوں کا مالک و مختار بنا دیا۔ اس مقام پر سرکارِ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ فرماتے ہیں ؎

خالقِ کل نے آپ کو مالکِ کل بنا دیا

دونوں جہاں ہیں آپ کے قبضہ و اختیار میں

اللہ تبارک و تعالیٰ جل مجدہٗ الکریم کا ارشادِ گرامی ہے ۔

اِنَّآ اَعْطَیْنٰکَ الْکَوْثَرَ (اے محبوب! بے شک ہم نے تم کو خیر کثیر عطا فرما دیا)

(پ ۳۰ ع)

وَوَجَدَکَ عَآئِلًا فَاَغْنٰی اور اے محبوب! تمہیں حاجت مند پایا اور غنی کر دیا)

(پ ۳۰ ع)

بزرگو، دوستو! اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوبِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو خیرِ کثیر عطا فرما کر غنی کر دیا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ساری کائنات کے داتا ہیں اور ساری مخلوقِ خدا آپ کے در کی بھکاری ہے۔ حضرت حسن رضا خاں بریلوی فرماتے ہیں ؎

منگتا تو ہے منگتا کوئی شاہوں میں دکھا دو

جس کو میری سرکار سے ٹکڑا نہ ملا ہو

آتا ہے فقیروں پہ انہیں پیار کچھ ایسا

خود بھیک دیں اور خود کہیں منگتے کا بھلا ہو

یہ مسلّمہ حقیقت ہے، یہ وہ شہنشاہی دربار ہے جہاں ہر سائل کی جھولی بھرتی ہے اور ہر مانگنے والے کو مانگنے سے سوا ملتا ہے۔ یہ وہ آستانہ عالیہ ہے یہاں جو بھی بھکاری بن کر آیا، وہ دین و دنیا کا تاجدار بن گیا، ذرہ تھا تو آفتاب بن گیا۔ ادنیٰ تھا تو اعلیٰ بن گیا، پتھر تھا تو لعل بن گیا، کانٹا تھا تو پھول بن گیا، بُرا تھا تو اچھا بن گیا، شقی تھا تو سعید بن گیا، ناپاک تھا تو پاک بن گیا، رہزن تھا تو رہبر بن گیا، جہنمی تھا تو جنتی بن گیا، ذرہ تھا تو زر بن گیا، قطرہ تھا تو دریا بن گیا، صدف تھا تو گوہر بن گیا، کالا تھا تو رشکِ قمر بن گیا، غلام تھا تو آقا بن گیا، مقتدی تھا تو امام بن گیا، یہ وہ دربارِ عالیہ ہے جہاں ابوبکر آیا تو صدیق بن گیا۔ عمر آیا تو فاروق بن گیا، عثمان آیا تو ذوالنورین بن گیا، علی آیا تو شیرِ خدا حیدرِ کرار بن گیا۔ حبشی آیا تو قریشیوں کا سردار بن گیا، فقیر آیا تو غنی بن گیا، اعرابی آیا تو صحابی بن گیا۔ ؎

میرے کریم سے گر قطرہ کسی نے مانگا؛

دریا بہا دیے ہیں دُر بے بہا دیے ہیں

تو ہاں میں عرض کر رہا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب پاک فخرِ موجودات صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا: اے محبوب! اپنے امتیوں سے فرما دیجیے میں نے جو کچھ بھی تمہیں عطا فرمایا لَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا میں تم سے اس پر کوئی اجر طلب نہیں کرتا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى مگر اپنی قرابت کی محبت و مودّت۔ اے میرے غلامو تم میری آل پاک سے محبت کرنا۔ تم حضرت علی المرتضیٰ شیرِ خدا، مشکل کشا حیدرِ کرار رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پیار کرنا، تم میری پیاری لختِ جگر نورِ نظر سیّدۃ النساء فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی توقیر کرنا۔ تم میرے حسنین کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے محبت و عقیدت رکھنا اور انہیں سے محبت رکھنے کا اجر تمہیں بارگاہِ خداوندی سے یہ ملے گا:

وَمَنْ مَاتَ عَلٰى حُبِّ اٰلِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَاتَ

(جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی آل پاک کی محبت رکھتا ہوا فوت ہوا۔ وہ مومن مرا۔

مُؤْمِنًا وَمَنْ مَاتَ عَلٰى حُبِّ اٰلِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَاتَ شَهِيْدًا۔ (روح البیان ج ۸ صفحہ)

اور جو آلِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں مرا وہ شہادت کی موت مرا۔

یہ ہے انعام ان لوگوں کے لیے جو آل رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت رکھتے ہیں۔ اب سُنیے ان لوگوں کی سزا جو آلِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بغض و عناد رکھتے ہیں ــــ

عارف رومی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں ؎

حُبِّ پاکاں کلیدِ جنّت است
دشمنِ ایشاں سزائے لعنت است

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے :

وَمَنْ مَاتَ عَلٰى بُغْضِ اٰلِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَاتَ كَافِرًا۔

(اور جو آلِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بغض رکھتا ہو، وہ کافر مرا۔)

وحرمت الجنة على من ظلم اهل بيتي۔

(اور جس نے میری اہل بیت پر ظلم کیا اس پر جنت حرام ہے۔)

باغِ جنّت کے ہیں بہرِ مدح خوانِ اہلِ بیت
تم کو مژدہ نار کا اے دشمنانِ اہلِ بیت
اہلِ بیتِ پاک سے گستاخیاں بیباکیاں
لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ دشمنانِ اہلِ بیت
بے اجازت جن کے گھر جبریل بھی آتے نہیں
قدر والے جانتے ہیں قدر و شانِ اہلِ بیت
بے ادب گستاخ فرقہ کو سنا دے اے حسن
یوں کہا کرتے ہیں سُنّی داستانِ اہلِ بیت

اب ان گستاخانِ اہلِ بیت کو سوچنا چاہیئے کہ ان کا ٹھکانا کدھر ہے؟ یزید پلید کو امیرالمومنینؓ اور امام عالی مقام امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو معاذ اللہ باغی کہنے والو اپنے انجام کی فکر کرو، اب بھی وقت ہے، توبہ کا دروازہ کھلا ہوا ہے، بارگاہِ ایزدی سے معافی مانگ کر اہلِ بیت کی چوکھٹ کے گداگر بن جاؤ، یہی وہ گھر ہے جہاں سے پروانۂ نجات ملے گا! یہی وہ نفوسِ قدسیہ ہیں جن کی محبت واجب قرار دی گئی، یہی وہ لوگ ہیں جن کی پاکیزگی وطہارت قرآن مجید نے بیان کی ہے، یہی وہ عالی مرتبت گھرانہ ہے جو سفینۂ نجات ہے۔ ان کا ساتھ چھوڑ دو گے، تو غرق ہو جاؤ گے۔ حسنین کریمین کے نانا جان کا کلمہ پڑھنے والو! اپنے نبی کا حق پہچانو، ان کی اہلِ بیت سے عقیدت و محبت رکھو۔ ان کا احترام کرنے کا سلیقہ سیکھو۔ اللہ تعالیٰ تم سے ان کی محبت و مودّت طلب کرتا ہے۔

محبتِ اہلِ بیت

امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے جس نے میرے نواسوں سے محبت کی، اس نے ہم سے محبت کی اور جس نے ان سے دشمنی رکھی، اس نے ہم سے دشمنی رکھی اور جس نے ان سے لڑائی کی اس نے ہم سے لڑائی کی: جس نے ان سے صلح رکھی، اس نے ہم سے صلح رکھی، جس نے ان کو غضب ناک کیا اور اس نے ہم کو غضب ناک کیا اور جس نے ہم کو غضب ناک کیا، اس نے خدا تعالیٰ کو غضب ناک کیا! اور جس نے خدا تعالیٰ کو غضب ناک کیا، اس کا ٹھکانا دوزخ ہے۔ (البدایہ والنہایہ ج ۸، ص ۲۰۵)

حضراتِ محترم! فرمانِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے اندازہ فرمائیے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کس قدر ان شہزادوں سے محبت ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں،

حُسَيْنٌ مِنِّيْ وَأَنَا مِنْ حُسَيْنٍ اَحَبَّ اللّٰهُ مَنْ اَحَبَّ حُسَيْنًا (ترمذی ج ۲ ۔ ص ۲۱۸)	حسین مجھ سے ہیں اور میں حسین سے ہوں اور اللہ اس سے محبت کرتا ہے جو حسین سے محبت کرتا ہے)
اَلْحَسَنُ وَالْحُسَيْنُ هُمَا رَيْحَانَتَيَّ مِنَ الدُّنْيَا (ترمذی ج ۲ ۔ ص ۲۱۸)	(حسن اور حسین دونوں میرے دنیا کے پھول ہیں)

اِنَّ الْحَسَنَ وَالْحُسَيْنَ سَيِّدَا شَبَابِ اَهْلِ الْجَنَّةِ (ترمذی ج ۲ ص ۲۱۶) (حسن اور حسین دونوں جنتی جوانوں کے سردار ہیں)

آغوشِ مصطفےٰ: حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا اور آپ اس حالت میں تشریف لائے کہ آپ کمبل اوڑھے ہوئے تھے اور اس میں کوئی چیز ابھری ہوئی تھی جس سے یہ معلوم ہو رہا تھا کہ اس میں ضرور کوئی چیز ہے جسے میں جانتا نہ تھا۔ جب میں اپنی ضروریات سے فارغ ہوا، تو میں نے حضور سرورِ کائنات فخرِ موجودات صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فِدَاكَ اُمِّيْ وَاَبِيْ آپ کی آغوشِ مبارک میں کیا چیز ہے؟ تو آپ نے کمبل مبارک کا گوشہ اٹھایا، تو میں نے دیکھا کہ آپ کی آغوشِ مبارک میں حسنین کریمین جلوہ فگن ہیں۔ پھر آپ نے یہ دعا فرمائی:

اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اُحِبُّهُمَا فَاَحِبَّهُمَا وَاَحِبَّ مَنْ يُحِبُّهُمَا۔ (ترمذی، مشکوٰۃ ص ۵۷۰) (اے اللہ! میں ان سے محبت رکھتا ہوں تو بھی ان سے محبت فرما اور ان سے بھی محبت فرما جو ان سے محبت کرتا ہے۔)

محبت دورانِ خطبہ: حضرت بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ ارشاد فرما رہے تھے کہ اچانک ہی حسنین کریمین مسجد میں آ گئے۔ بچپن کا زمانہ تھا اور ابھی پوری طرح چلنا نہیں آتا تھا، دونوں شہزادوں نے سرخ رنگ کا دھاری دار قمیص زیبِ تن کیا تھا (مسجد کا فرش ناہموار ہونے کی وجہ سے تھوڑا چلتے) اور گر جاتے ہیں۔ جب آپ نے یہ منظر ملاحظہ فرمایا تو منبر سے نیچے اترے اور ان دونوں کو اٹھایا اور اپنے سامنے بٹھا لیا، پھر فرمایا: اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا، تمہارے مال اور اولاد تمہارے لیے آزمائش ہیں۔ میں ان دونوں بچوں کو چلتے گرتے دیکھا تو مجھ سے برداشت نہ ہو سکا میں نے اپنا خطبہ چھوڑ دیا اور ان دونوں کو اٹھا لیا۔ (مشکوٰۃ ص ۵۷۰)

سجدۂ طویل فرمالیا ایک دفعہ امام الانبیاء حبیب کبریا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نماز پڑھا رہے تھے۔ حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بچپن زمانہ تھا آپ حجرۂ فاطمہ سے نکلے اور مسجد میں آ گئے۔ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ فرما رہے تھے، اور امام عالی مقام امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ کی پشت انور پر بیٹھ گئے۔ شہنشاہِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدہ طویل فرمالیا۔ پھر امام عالی مقام خود بخود پشتِ انور سے نیچے اترے اور آپ نے سجدے سے سر مبارک اٹھالیا۔ پھر جب نماز سے فارغ ہوئے تو صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے عرض کیا، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہمارے ماں باپ قربان ہوجائیں۔ کیا اب سجدوں کو طویل کرنے کا حکم گیا ہے یا آپ پر اس وقت وحی نازل ہو رہی تھی، جو آپ نے اس قدر طویل سجدہ فرمایا۔ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ایسی کوئی وجہ نہیں تھی، بلکہ وجہ یہ تھی کہ میرا بیٹا اوپر بیٹھ گیا اور میرے دل نے یہ پسند نہ کیا کہ میں جلدی اٹھوں اور یہ گر جاتے۔ (المستدرک ج ۳ ص ۱۶۶)

قربان جاؤں عظمتِ حسین پر کہ جس کی خاطر شہنشاہِ دو عالم نے خطبہ بند کیا، سجدہ دراز کر دیا کہ کہیں میرا حسین میری پشتِ انور سے گر نہ جائے۔ کروڑوں سلام ہو اس حیدرِ کرار کے دل بند پر فاطمہ کے نورِ نظر پر کہ جس نے نانا کے سجدے کا حق ادا کر دیا جس نے میدان کرب و بلا ہی میں وہ سجدہ کیا۔ عرش والوں نے حسین کو سجدہ کرتے دیکھا فرش والوں نے حسین کو سجدہ کرتے دیکھا، چشم فلک نے دیکھا تلواروں کے سائے میں سجدے کرتے دیکھا، تیروں کی بارش میں سجدہ کرتے دیکھا، حسین کے نانا نے جب سجدہ کیا تو سجدہ دراز کرنے کے بعد سرِ انور اٹھا لیا مگر حسین نے جب سجدے میں سر رکھا تو پھر نہ اٹھایا، سر کو جھکتے ہوئے سب نے دیکھا لیکن اٹھتے کسی نے نہیں دیکھا۔

کسی شاعر نے کیا خوب لکھا ہے ؎

اس نواسے پہ محمد مصطفیٰ کو ناز ہے
اس کی ہمت پہ علی شیر خدا کو ناز ہے

سجدے اوروں نے کیے اس کا نیا انداز ہے
اس نے وہ سجدہ کیا جس پہ خدا کو ناز ہے

حسین کے نانا نے حسین کے لیے سجدہ لمبا کر دیا، مگر قربان جاؤں حسین نے نانا کے دین کے لیے، حق و صداقت کی سربلندی کے لیے، حدود اللہ کے تحفظ کے لیے، اٹھارہ سال کے نوجوان بیٹے کی لاش اٹھائی، چھ ماہ کے بچے کی تربیت بنائی جس نے عظمتِ اسلام کی خاطر زر دیا، گھر دیا، سر دیا، جس نے عباس بھائی کو گلے لگا کر شہادت کی اجازت دی، جس نے بھائی حسن کی یادگار قاسم کو اپنے ہاتھ سے دولہا بنایا اور خدا تعالیٰ کی راہ میں قربان کر دیا۔ جس کی بہن نے عون و محمد جیسے بیٹے کو خاک و خون میں تڑپتے دیکھا تو سجدۂ شکر ادا کیا جس کی کمائی اسلام کے کام آئی ؎

جس نے حق کربلا میں ادا کر دیا — اپنے نانے کا وعدہ وفا کر دیا
گھر کا گھر سب سپردِ خدا کر دیا — اس حسین ابن حیدر پہ لاکھوں سلام

فرزند قربان کر دیا

شہنشاہِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے اور آپ کی آغوشِ مبارکہ میں دونوں شہزادے جلوہ فگن ہیں۔ ایک آپ کا بیٹا ابراہیم اور ایک آپ کا نواسہ امام حسین تھے۔ آپ دونوں شہزادوں سے پیار فرما رہے تھے، کبھی اپنے بیٹے سے محبت کرتے ہیں اور کبھی اپنے نواسہ حسین کو سینے سے لگاتے۔ یہ دونوں ہی گلشنِ نبوت کی بہار تھے، دونوں ہی چمنستانِ رسالت کے مہکتے ہوئے پھول تھے، آغوشِ رسول میں خوشی و مسرت کا دوہرا جہان آباد تھا۔ اس عالمِ وجد و کیف میں جبریل علیہ السلام حاضر ہوتے ہیں اور عرض کی حضور اللہ تعالیٰ آپ کے دونوں شہزادوں میں سے ایک کو واپس لینا چاہتا ہے۔ آپ نے فرمایا جبریل اللہ تعالیٰ دونوں میں سے کس کو لے گا؟ جبریل نے عرض کی، یہ معاملہ اللہ تعالیٰ نے آپ پر چھوڑ دیا ہے جسے چاہیں رکھ لیں ؎

فکر پیا دل پاک نبی دے کس نوں سینے لانواں
اک میرا اک دختر جایا، کس نوں دور ہٹانواں

امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے خیال فرمایا کہ اگر حسین کو واپس کرتا ہوں، اس کے جانے سے میری بیٹی کی گود خالی ہو جائے گی۔ حسن مجتبیٰ کا بازو کٹ جائے گا اور اگر ابراہیم کو واپس کردوں تو پھر اس کے جانے کا غم صرف مجھے ہی ہوگا۔ پھر بارگاہِ خداوندی میں عرض کی یا اللہ! میں اپنے بیٹے کے غم کو تو برداشت کر سکتا ہوں، مگر اپنی نورِ نظر لختِ جگر کی گود خالی ہوتی نہیں دیکھ سکتا۔ اے اللہ تعالیٰ! میرا ابراہیم لے لے اور پھر تین روز بعد فرزندِ رسول سیدنا ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا وصال باکمال ہوگیا۔ (شواہد النبوۃ صفحہ ۲۰۵)

جنت سے جوڑے آنا

ماہ رمضان المبارک کی آخری تاریخ تھی۔ حسنین کریمین کا بچپن کا زمانہ تھا۔ سیدۃ النساء العالمین رضی اللہ تعالیٰ عنہا امورِ خانہ داری سے فارغ ہو کر نماز کے لیے مصلیٰ بچھاتی ہیں۔ ادھر دونوں شہزادے والدہ محترمہ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر عرض کرتے ہیں: اے امی جان! صبح عید کا دن ہے۔ مدینے کے لوگوں کے بچے نئے نئے لباس پہنیں گے۔ کیا امام الانبیاء کے نواسے نئے کپڑے نہ پہنیں گے۔ بچوں کے سوال سے ماں کی ممتا تڑپ گئی۔ بچوں کو تسلی دی گئی کہ میرے بیٹو! کوئی فکر کی بات نہیں، تمہیں بھی ان شاء اللہ نئے جوڑے مل جائیں گے۔ سیدۃ النساء العالمین نے نماز سے فارغ ہو کر بارگاہِ رب العزت میں دستِ سوال دراز کیا اور عرض کیا یا مولا! تیرے نبی کے نواسوں نے مجھ سے نئے کپڑے مانگے ہیں۔ اے مولا! میں نے ان سے وعدہ کر لیا ہے۔ اے میرے مولا! میرے اٹھے ہوئے ہاتھوں کی لاج رکھ۔ پھر نمازِ فجر کے بعد دُعا مانگ کر جب فارغ ہوئیں تو کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا، پوچھا کون ہے؟ آنے والے نے جواب دیا، اہلِ بیت کا درزی شہزادوں کے لیے نئے نئے کپڑے لے کر آیا ہے۔ سیدہ نے وہ کپڑے لے لیے اور دونوں شہزادوں کو پہنا دیے۔ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، تو فرمایا بیٹی! کیا تمہیں معلوم ہے کہ یہ کپڑے کون لے کر آیا تھا؟ عرض کیا، ابا جان! آپ ہی بتادیں، تو آپ نے فرمایا، وہ جبریل امین تھے جو خدا تعالیٰ کی طرف سے جنت سے کپڑے لے کر حاضر ہوئے تھے۔ (روضۃ الشہداء صفحہ ۸)

حسنین کریمین کا تختیاں لکھنا

كَتَبَ الْحَسَنُ وَالْحُسَيْنُ فِيْ لَوْحَيْنِ

حضرت حسن اور حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے تختیاں لکھیں، پھر آپس میں ایک دوسرے سے کہا کہ میرا خط اچھا ہے۔ پھر فیصلہ کرانے کے لیے رحمۃ اللعالمین خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہِ مقدسہ میں حاضر ہو گئے اور عرض کیا نانا جان! آپ فیصلہ فرمائیں کہ ہم دونوں میں سے خط کس کا اچھا ہے؟ آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا جاؤ اپنے ابا جان علی کے پاس چلے جاؤ اور ان سے فیصلہ کراؤ۔ پھر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس حاضر ہوئے اور عرض کیا ابا جان! آپ فیصلہ فرمائیں کہ خط کس کا اچھا ہے؟ انہوں نے کہا کہ اپنی امی جان کے پاس جاؤ اور ان سے فیصلہ کراؤ۔ دونوں شہزادے سیدۃ النساء العالمین کی خدمتِ عالیہ میں عرض کرنے لگے۔ امی جان! ہماری تختیاں دیکھ کر فیصلہ فرما دیجئے کہ خط کس کا اچھا ہے؟ سیدہ نے سوچا کہ اب کس کو کہوں کہ تیرا خط اچھا ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ شہزادو! میرے پاس سات موتی ہیں، میں ان کو تمہاری تختیوں پہ پھینکتی ہوں جس کی تختی پر چار موتی گر گئے اس کا خط زیادہ اچھا ہوگا؟ جب انہوں نے تختیاں پھیلائیں تو سیدہ نے موتی اچھال کر پھینکے تو تین حضرت امام حسن اور تین حضرت امام حسین کی تختی پر گرے اور ساتواں موتی اللہ تعالیٰ کی قدرت سے فضا ہی میں معلق ہو گیا۔ خدا تعالیٰ کی طرف سے جبریل علیہ السلام کو حکم ہوا کہ ساتویں موتی کے دو ٹکڑے کر کے ایک ٹکڑا حضرت امام حسن کی تختی پر اور ایک ٹکڑا حضرت امام حسین کی تختی پر رکھ دو۔

(نزہۃ المجالس، ج ۲ صـ ۲۳۲ بحوالہ امام نسفی)

ہرنی کا بچہ پیش کرنا

ایک مرتبہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک صحابی ہرنی کا ایک بچہ پکڑ کر لایا اور آپ کی بارگاہ میں بطورِ نذرانہ پیش کر دیا۔ آپ نے اسے قبول فرمایا اور وہ ہرنی کا بچہ حضرت امام حسن کو عطا فرما دیا۔ آپ کھیلتے کھیلتے گھر پہنچے تو حضرت امام حسین نے عرض کی بھائی جان! ہرنی کا بچہ مجھے دے دو۔ انہوں نے کہا جاؤ تم بھی نانا جان سے لے آؤ۔ امام حسین نانا جان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا

ناناجان مجھے بھی ہرنی کا بچہ عطا فرمادے۔ ہرنی کا بچہ طلب کرتے ہوئے قریب تھا کہ آپ رو پڑتے، مگر دیکھتے کیا ہیں کہ جنگل کی طرف سے ایک ہرنی دوڑتی ہوئی چلی آرہی ہے اور پھر سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں حاضر ہوکر عرض گزار ہوئی کہ یارسول اللہ! پہلا بچہ جو آپ کے پاس پہنچا، وہ بھی میرا تھا۔ اب یہ دوسرا بچہ میں خود لے کر حاضر ہوئی ہوں اسے بھی قبول فرمالیجئے۔ محبوب! میں اپنے بچوں کی جدائی تو برداشت کرسکتی ہوں، لیکن تمہارے حسین کا رونا میں برداشت نہیں کرسکتی۔

خبرِ شہادت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی چچی اُمّ فضل جو کہ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زوجہ محترمہ ہیں، فرماتی ہیں کہ میں نے ایک دن امام عالی مقام حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو آغوشِ مصطفےٰ میں دیا۔ اچانک کیا دیکھتی ہوں کہ شہنشاہِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھیں اشکبار ہیں۔ میں نے رونے کی وجہ دریافت کی تو فرمایا:

اَتَانِیْ جِبْرَائِیْلُ عَلَیْہِ السَّلَامُ	(میرے پاس جبرائیل علیہ السلام حاضر ہوئے،
فَاَخْبَرَنِیْ اَنَّ اُمَّتِیْ سَتَقْتُلُ	انہوں نے مجھے خبر دی کہ میری امت میرے
ابْنِیْ هٰذَا۔ (المستدرک ص۱۷۶)	اس فرزند کو قتل کردے گی)

قربان جاؤں عظمتِ امام عالی مقام پر کہ آپ کی خبرِ شہادت پر کہ سید المرسلین کی آنکھوں سے آنسو رواں ہوگئے۔ حضرات محترم! جتنا بڑا مرتبہ ہوگا، اتنا ہی بلند اور عظیم امتحان ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشادِ گرامی ہے:

اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ یُّتْرَکُوْآ	(کیا لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ انہیں اتنی بات
اَنْ یَّقُوْلُوْآ اٰمَنَّا وَهُمْ لَا	پر چھوڑ دیا جائے گا کہ وہ کہیں ہم ایمان لے آئے
یُفْتَنُوْنَ ٥ (پ ۲۰ ع ۱۳)	اور انہیں آزمایا نہیں جائے گا)
وَلَنَبْلُوَنَّکُمْ بِشَیْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ	اور ہم تمہیں ضرور آزمائیں گے کچھ ڈر اور بھوک سے
وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ	اور کچھ مالوں اور جانوں اور پھلوں کی کمی سے اور
وَالثَّمَرَاتِ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِیْنَ (پ۲ ع۳)	خوشخبری سنا دو ان صبر والوں کو)

چنانچہ اس قانونِ قدرت کے مطابق جب امام عالی مقام حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے امتحان کا وقت آیا، آپ پر مصیبتوں کے پہاڑ ٹوٹے، مگر قربان جاؤں اس صبر و رضا کے شہنشاہ پر کہ جس نے ہر وہ مصیبت جو راہِ خدا میں آئی مسکرا کر برداشت کی، نوکِ خار کو گل و گلزار جانا، اور راہِ حق میں مرنے کو حیاتِ ابدی سمجھا ؎

دشتِ بلا کو عرش کا زینہ بنا دیا
جنگل کو مصطفےٰ کا مدینہ بنا دیا
ہر ذرّے کو نجف کا نگینہ بنا دیا
تو نے حسین! مرنے کو جینا بنا دیا

ایک اور شاعر نے اس کی یوں ترجمانی کی ہے ؎

جو دہکتی ہوئی آگ کے شعلوں پہ سویا وہ حسین
جس نے اپنے خون سے دنیا کو دھویا وہ حسین
جو جواں بیٹے کی میّت پہ نہ رویا وہ حسین
جس نے سب کچھ کھو کے پھر بھی کچھ نہ کھویا وہ حسین
جس نے اپنے بچوں کی دے دی سخاوت وہ حسین
ہنس کے جس نے پی لیا جامِ شہادت وہ حسین

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا وصال ہوا، تو یزید پلید نے شخصی حکومت قائم کرلی۔ تخت پر بیٹھتے ہی اس نے مدینہ کے گورنر کو ایک حکم نامہ جاری کیا کہ اے ولید! امام حسین کو میری تخت نشینی کی اطلاع دے کر انہیں کہہ دو کہ وہ میری بیعت کرلیں اور میری حکومت کو تسلیم کرلیں مدینہ کے گورنر نے یہ پیغام امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک پہنچایا، تو آپ کی رگوں میں خونِ حیدری نے جوش کیا اور فرمایا، اے گورنر! یہ وہ ہاتھ ہیں جو یداللہ والے گورے گورے ہاتھوں کا بوسہ لیتے رہے ہیں، اب یہ ہاتھ کسی فاسق فاجر کے ہاتھوں میں نہیں آسکتے۔ آپ نے یزید پلید کی بیعت کرنے

سے انکار کر دیا۔ اس لیے کہ یزید پلید شرابی تھا، زانی تھا، تارکِ نماز تھا، عیاش تھا، بد دیانت تھا اور بیت المال کا خائن تھا۔ یہ بدبخت حدود اللہ کو توڑنے والا تھا اور قرآن و سنت کا مخالف تھا۔ گویا اس کے قلبِ سیاہ میں روحِ ابلیس حلول کر چکی تھی۔ امام عالی مقام نے فرمایا میرا سر تو کٹ سکتا ہے، مگر کسی فاسق و فاجر کے سامنے جھک نہیں سکتا۔

مدینۃ الرسول سے جُدائی

یزید کی طرف سے بیعت کا مطالبہ زوروں پر تھا اور نواسۂ رسول کی جانب سے انکار تھا۔ بالآخر آپ نے فیصلہ فرمایا کہ میں مدینہ پاک سے باہر چلا جاؤں، آپ نے اپنے اہلِ مدینہ اور اہلِ خانہ سے فرمایا کہ یزید جبر و تشدد پر تل چکا ہے، وہ ہر قیمت میں اپنی غیر اسلامی حکومت کی جڑیں مضبوط کرنا چاہتا ہے خواہ اسے خون کی ندیاں بہانا پڑیں۔ اب میرے لیے انتہائی مشکل ہے کہ میرے ہوتے ہوئے شہرِ رسول کی مقدس گلیاں خون سے رنگین ہوں۔ ان حالات میں میرے لیے صرف ایک ہی راستہ ہے کہ میں مدینہ منورہ کی جدائی برداشت کر لوں اور اس مقدس شہر کی بے حرمتی ہونے سے بچا لوں۔ آپ نے اپنے گھر والوں کو تیاری کا حکم فرمایا۔ صبح آلِ رسول کا قافلہ مدینہ منورہ سے چلنا تھا۔ رات کے وقت امام عالی مقام نے سیّدہ زینب سے فرمایا۔ میں یہ چاہتا ہوں کہ آج رات جی بھر کے نانا جان ———— کے روضۂ اقدس کی زیارت کر لیں۔ امی جان کی قبرِ انور پر فاتحہ خوانی کر لیں۔ نہ معلوم پھر ہمیں یہاں پہنچنا نصیب ہو یا نہ ہو، چنانچہ دونوں بہن بھائی اور دیگر خاندانِ ہاشمی کے چند افراد حجرہ فاطمہ سے روضۂ رسول پر حاضر ہو گئے۔ ہدیۂ درود و سلام پیش کرنے کے بعد عرض کیا، نانا جان ہم آپ کے روضۂ مقدس سے جُدا ہو رہے ہیں۔ نانا جان! میں وہی حسین ہوں جس کی خاطر لمبا سجدہ فرما دیا تھا جس کے لیے خطبہ منقطع فرما دیا تھا۔ نانا جان! میں ہی وہ حسین ہوں جس کو اپنی گود میں بٹھایا کرتے تھے۔ نانا جان میں وہی حسین ہوں جس کے رونے سے آپ پریشان ہو جایا کرتے تھے۔ نانا جان! آپ کے مزارِ مقدس سے جُدا ہونے کو جی تو نہیں چاہتا تھا لیکن ؎

مجھے جانا پڑے گا عظمتِ اسلام کی خاطر
خدا کے دین کی خاطر نبی کے نام کی خاطر

پھر آنکھوں سے آنسو جاری تھے اور عرض کی نانا جان! میرا آخری سلام قبول فرمالیجیے ؎

سنو نانا جی میری زاری ۔۔۔ آیا رُخصت تے میں جاندی واری
میرا نانا جی آخری پھیرا ۔۔۔ وے شہر مدینہ لے تیرا
جتھے اماں دی قبر پیاری ۔۔۔ آیا رُخصت تے میں جاندی واری

روضۂ رسول پر درود و سلام پڑھنے کے بعد وہاں سے حضرت سیدۃ النساء فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے قبر انور پر حاضر ہوئے، سلام کا نذرانہ پیش کرنے کے بعد فاتحہ پڑھی پھر جناب امام عالی مقام نے عرض کی اماں جان! آج تمہاری قبرِ انور پر آخری سلام عرض کرنے کے لیے حاضر ہوا ہوں۔ اماں جان! تم نے قرآن پڑھ کر سُلایا، درود پڑھ کر جگایا۔ اماں جان! آج تیرے نازوں پیاروں کا پالا ہوا مدینہ سے دُور جارہا ہے۔ تیری تربتِ انور سے جُدا ہو رہا ہے، آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ عرض کی میری پیاری امی جان! مجھے جانے کا غم نہیں، تیرا حسین موت سے نہیں ڈرتا۔ امی جان! میں اس لیے رو رہا ہوں کہ نانا جان کا مدینہ چھوٹ رہا ہے۔ ماں کی قبر کی زیارت سے محروم ہو رہا ہوں۔ بھائی حسن کے قدموں سے دور جارہا ہوں۔ پیاری امی! آپ نے کبھی کسی سائل کا سوال رَد نہیں فرمایا۔ آج تیرا حسین تجھ سے فریاد کرتا ہے، میرا آخری سلام قبول فرمالو۔ مجھے تسلّی دے دو، میرے لیے دعا فرمادو کہ میں امتحان میں کامیاب ہو جاؤں، میری کٹی ہوئی بانہوں پر میرا معصوم علی اصغر جب دم توڑ رہا ہو تو مجھے صبر و استقامت نصیب ہو تیرے جوان علی اکبر کا لاشہ دیکھ کر گھبرا نہ جاؤں، اور نانا جان کے دین کی خاطر ہر صعوبت اور مصیبت کو خندہ پیشانی سے برداشت کر سکوں ؎

عاشقاں را از بلا صد راحت است
کہ محبت ہم نشینِ راحت است

مدینہ منورہ سے روانگی والدۂ مکرمہ کے مزارِ اقدس پر حاضری دینے کے بعد تاجدارِ مملکتِ صبر و رضا شہزادہ گلگوں قبا سید الشہداء امام مظلوم سیدنا امام حسین "بیت الشرف" میں تشریف لے آئے۔ خاندانِ نبوت کو تیاری کا حکم فرما کر آپ مصروفِ عبادت ہو گئے۔ معبودِ برحق سے ملاقات میں عالمِ استغراق کی سی کیفیت طاری تھی۔ اسی عالمِ کیف و مستی میں تہجد کا وقت قریب آ گیا۔ آپ اس عبادت سے بھی بڑھ کر انتہائی فریضہ سرانجام دینے کے لیے اٹھے۔ جائے نماز کے قریب ہی نو، دس سال کی بیمار بچی لیٹی ہوئی تھی جس کی جگر گداز اور دل فگار کراہیں دل کو تڑپا دینے کے لیے کافی تھیں۔ آپ نے اٹھ کر بچی کے سر پر ہاتھ پھیرا تو یوں محسوس ہوا جیسے انگاروں پر ہاتھ رکھ دیا گیا ہو، آپ نے جلدی سے ہاتھ اٹھا کر نبض دیکھی تو آپ تڑپ کر رہ گئے۔ بخار اس قدر تیز تھا کہ اس کی حدت سے آپ کا دل پگھل پگھل کر آنسوؤں کی صورت اختیار کر گیا۔

آپ نے جلدی سے دستارِ مبارک کے پلو میں رخساروں پر ڈھلکے ہوئے آنسوؤں کو جذب کیا اور اپنے فرائض کی ادائیگی کا تصور کر کے چند قدم آگے بڑھ گئے۔

ناموسِ رسول سب کی سب جاگ رہی تھیں۔ شہزادگانِ والا تبار عالی وقار بھی اٹھ کر وضو فرما کر نمازِ تہجد ادا فرمانے لگے۔ سب لوگ نوافل ادا کر چکے تو آپ نے فرمایا کہ اب بلا تاخیر سفر کا آغاز کر دیا جائے اور مدینۃ الرسول کو خونِ سادات سے رنگین ہونے سے بچانے کے لیے جس قدر جلد ممکن ہو اپنی تمام تر راحتوں اور خوشیوں کی قربانی دے دی جائے۔

المختصر یہ کہ پاسبانِ حرم رختِ سفر باندھ کر عازمِ مکہ معظمہ ہونے لگا، تو شدتِ بخار کی وجہ سے نیم بیہوش بچی کو چہرے پر پانی کے چھینٹے مار کر ہوش میں لایا گیا۔

افرادِ خانہ کو گھر کا سامان سمیٹتے دیکھا تو بیمار صغریٰ پر تپ لرزہ کی کیفیت پیدا ہو گئی۔

دل اس شدت سے دھڑکنے لگا جیسے بے تیل کے دیئے کو آخری بار شعلہ کی طرح لپک لپک کر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے معدوم ہو جاتی ہے۔

بیمار صغریٰ کی اس بدلتی ہوئی کیفیت والدین کی نگاہوں سے اوجھل نہ رہ سکی۔ امام مظلوم نے تسلّی کے لیے سر پر دستِ شفقت پھیرتے ہوئے فرمایا: میری غمزدہ لختِ جگر ہم تیرے اضطراب و اضطرار کی حالت سے بے خبر نہیں، بخار کی اس شدت میں بھی تیرے چہرے کی زردی اور آنکھوں کی ویرانی جو سوال مجھ سے کر رہی ہے، میں اس کی پوری کسک اپنے دل میں محسوس کر رہا ہوں۔

پیاری بیٹی! تمہاری اداس اور بے چین نگاہیں مجھ سے پوچھ رہی ہیں کہ ہم کیوں اور کہاں جانے کے لیے تیاریاں کر رہے ہیں۔ میری نورِ چشم! تیری حسرت بھری نگاہوں میں یہ سوال بھی گردش کناں ہے کہ ہم اپنی تیاریوں میں تجھے کیوں شامل نہیں کر رہے؟ میری پیاری بیٹی! میں بہت بڑے امتحان کے لیے ایک ایسے مقام پر جا رہا ہوں جس جگہ کو میرے نانا حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے مصیبتوں کا گھر اور بلاؤں کا مسکن فرمایا ہے۔

جانِ پدر! میں تمہیں اس سے زیادہ کچھ نہیں بتا سکتا۔ میری بیٹی صبر کرنا تو صابر کی بیٹی ہے، صابرہ بن کر رہنا، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔"

اس گفتگو کے بعد حضرت امام عالی مقام نے غمزدہ بچی کی طرف آخری حسرتناک نگاہ ڈالی اور گھر سے باہر نکل آئے۔ باہر آکر ام المومنین حضرت امّ سلمہ رضی اللہ عنہا کو بچی کا خیال رکھنے کی نصیحت فرمائی۔ اسی اثناء میں جناب صغریٰ دوبارہ بیہوش ہو گئیں اور اسی عالم میں اہل بیت کرام باری باری بیمار کے سر پر دستِ شفقت پھیر کر واپس آتے گئے اور پھر یہ قافلۂ نور طلوعِ سحر سے پہلے ہی مکہ معظمہ زاداللہ شرفہا کی طرف روانہ ہو گیا۔

اس کی منظر کشی شاعر یوں کرتا ہے ؎

گلی گلی مدینے دی چیخ اٹھی، جدوں کربلا دا شہسوار ٹریا
ایہہ تے جگر احسین دا ای جاندا اے کیوں چھڈ کے بچی بیمار ٹریا
ٹریا کوئی نہیں گھراں توں انج جیویں زہرا فاطمہ دا ماہ انوار ٹریا
سوہنا ہویا حسین ذیشان صائم جندرے اماں دے جھے نفس ماڑیا

امام حسین مکہ معظمہ میں

نواسۂ رسول کا قافلہ سفر کی صعوبتیں برداشت کرتا ہوا بالآخر مکہ معظمہ میں پہنچ گیا۔ اہالیان مکہ معظمہ کو آپ کی تشریف آوری کا پتہ چلا تو ہر شخص کے چہرے پر مسرت کی لہر دوڑ گئی۔ جیسے جیسے لوگوں کو آپ کی آمد کی اطلاع ہوتی گئی گروہ در گروہ آپ کی زیارت کے لیے آنا شروع ہو گئے۔

ان دنوں مکہ معظمہ کے گورنر سعید بن عاص تھے، اگرچہ آپ یزید ہی کی طرف حاکم تھے اور خاندان بنو امیہ کے ہی فرد تھے، مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خاندان والوں کا بے حد احترام کرتے تھے، اس لیے سوائے سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مصروفیات پر نگاہ رکھنے کے کسی بھی امر میں مزاحمت نہ کرتے اور نہ ہی انہوں نے آپ کو بیعتِ یزید پر آمادہ کرنے کی کوشش کی۔

کوفے والوں کے خطوط

امام عالی مقام سیدنا امام حسین علیہ السلام کو مکہ معظمہ تشریف لاتے ہوئے ابھی تھوڑا ہی عرصہ گزرا تھا کہ تمام مملکتِ اسلامیہ میں یہ خبر مشہور ہو گئی کہ نواسۂ رسول مدینہ منورہ کی سکونت چھوڑ کر مکہ معظمہ میں رہائش پذیر ہو گئے ہیں۔ اس امر کی اطلاع کوفہ والوں کو بھی ہو گئی، چنانچہ رؤسائے کوفہ نے ایک مجلس مشاورت قائم کرنے کے بعد فیصلہ کیا، جس طرح بھی ہو سکے سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کوفہ میں بلوا کر یزید کی بدکرداریوں اور بداعمالیوں کا محاسبہ کیا جائے۔

چنانچہ انہوں نے اس مشورہ کو عملی جامہ پہناتے ہوئے حضرت امام عالی مقام کی بارگاہ میں تمام کوفے والوں کی طرف سے متفقہ طور پر ایک عریضہ تحریر کیا، جس میں بتایا گیا کہ ہم لوگ پہلے ہی یزید کی بدکرداریوں کے خلاف اس کی بیعت کا قلادہ گردنوں سے اتار چکے ہیں اور اس سے اظہارِ بیزاری و بریت کر چکے ہیں اور یہاں آپ کی تشریف آوری سے قبل ہی آپ کو اپنا امام اور والی تصور کرتے ہیں۔

یہ خط ابھی زیرِ غور ہی تھا کہ اہلِ کوفہ کے خطوط کا تانتا بندھ گیا جن کا مضمون کچھ اس طرح کا ہوتا' یا امام! ہم یزید سے اظہارِ بریت کر چکے ہیں، اس لیے آپ جب تک ہمیں داخلِ بیعت نہ فرمائیں گے، ہماری حالت شترِ بے مہار کی سی رہے گی۔

یزید کی برائیاں آپ سے بھی پوشیدہ نہیں ہوں گی، وہ ہرگز ہرگز مسلمانوں کا خلیفہ کہلانے کا مستحق نہیں، وہ کھلم کھلا حدودِ شرعیہ کو توڑ رہا ہے، محرمات کو حلال سمجھتا ہے، تارکِ نماز اور دائم الخمر ہے، اس کی ان حرکات کا محاسبہ آپ نہیں کریں گے تو اور کون کرے گا، ہم سب آپ کے غلام ہیں اور یزید کو کسی صورت میں بھی پسند نہیں کرتے۔ عوام کے دلوں میں یزید سے نفرت کا لاوا ایک چکا ہے اور صرف آپ ہی کا انتظار ہے۔

اختلافِ روایات کے ساتھ کوفہ والوں کے اس قسم کے ڈیڑھ دو صد خطوط جمع ہو گئے، تو امام عالی مقام نے اپنے احباب سے مشورہ کیا، تو طے پایا کہ سب سے پہلے کوئی دوسرا شخص جا کر وہاں کے حالات کا جائزہ لے کر خط لکھے، بعد ازاں جو بھی مناسب ہوا اس پر عملی اقدام اٹھایا جائے گا۔ چنانچہ فیصلہ کیا گیا کہ حضرت مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ کوفہ تشریف لے جائیں اور وہاں کے حالات سے مکمل طور پر آگاہ کریں۔

امام مسلم کی کوفہ روانگی

جناب مسلم بن عقیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قرعۂ فال اپنے نام نکلتا دیکھا تو نہایت مسرت کا اظہار کرتے ہوئے اسی وقت رختِ سفر باندھ لیا۔ اپنی صاحبزادی حضرت سکینہ بنتِ مسلم

کر امام عالی مقام علیہ السلام کے سپرد کیا اور اپنے دونوں بچوں ابراہیم اور محمد کو ساتھ لے کر کوفہ کی طرف روانہ ہو گئے۔

سفر اگرچہ نہایت دشوار گزار تھا، مگر تعمیل حکمِ امام میں حضرت مسلم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس قدر سرشار تھے کہ تمام تر صعوبتوں کو ہنسی خوشی برداشت کرتے ہوئے مع صاحبزادگان کے کوفہ میں پہنچ گئے۔

کوفہ والوں نے آپ کا والہانہ استقبال کیا اور آپ کو رئیسِ کوفہ مختارِ ثقفی کے مکان پر ٹھہرایا گیا۔ کوفہ میں آپ کی آمد کی خبر جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی اور کوفہ کے تمام مرد و زن والہانہ طور پر آپ کی زیارت کو آنا شروع ہو گئے۔ لوگوں کے استفسار پر آپ نے فرمایا کہ شہزادۂ رسول سیدنا امام حسین علیہ السلام بھی جلد ہی تشریف لانے والے ہیں۔ مجھے انہوں نے اپنا نائب بنا کر بھیجا ہے تاکہ یہاں کے تمام حالات و کوائف سے آگاہی حاصل کرنے کے بعد اپنی طرف سے عریضہ لکھوں جس کی روشنی میں آپ فیصلہ فرمائیں گے کہ یہاں آئیں یا نہ آئیں۔

رؤسائے کوفہ نے اسی وقت شہر بھر میں عام اعلان کرایا کہ جگر گوشۂ بتول شہزادۂ رسول امام عالی مقام علیہ السلام کے فرستادہ حضرت امام مسلم رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ کے نائب کی حیثیت سے یہاں تشریف لائے ہیں اس لیے تمام لوگ آپ کے دستِ حق پرست پر حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے بیعت کریں۔ چنانچہ چند لمحات بعد ہی لوگ ایک زبردست ہجوم کی صورت میں مختار ثقفی کے گھر آنا شروع ہو گئے اور پہلے ہی روز لوگوں نے جناب امام حسین علیہ السلام کے لیے حضرت امام مسلم رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بارہ ہزار اور پھر دوسرے دن اس کی تعداد چالیس ہزار تک پہنچ گئی۔ ابھی یہ سلسلہ جاری تھا کہ حضرت امام مسلم رضی اللہ عنہ نے اہلِ کوفہ کی اس الفت و محبت کا مشاہدہ کرتے ہی سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خط لکھا کہ "اہلِ کوفہ تمام ہی

آپ کے محب اور غلام ہیں اور اکثریت نے آپ کے نام پر بیعت کر لی ہے، اس لیے آپ یہاں جلد ہی تشریف لاکر اپنے جمال جہاں آرا سے ان لوگوں کو مستفیض فرمائیں۔ یہ خط امام عالی مقام علیہ السلام کو بھیج دیا گیا۔

حضرات محترم! کوفہ میں رہنے والوں میں سے کچھ لوگ یزید کے لیے جاسوسی کے فرائض بھی انجام دیتے تھے۔ ان یزید کے نمک خواروں نے کوفہ کے گورنر نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا کیا آپ نہیں دیکھ رہے یہاں یزید کی بادشاہت کے خلاف لوگ امام مسلم رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں پر بیعت کر رہے ہیں اور امام عالی مقام امام حسین علیہ السلام کا انتظار ہو رہا ہے۔ اے گورنر کوفہ! اگر آپ کی خاموشی اور لاتعلقی کا یہی حال رہا تو عنقریب نہ ہی یہاں یزید کی بادشاہت قائم رہے گی اور نہ آپ کی گورنری۔

نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا تمہارے خیال میں مجھے کیا کرنا چاہیے؟ ان یزیدیوں نے کہا کہ جو لوگ امام مسلم رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں پر بیعت کر رہے ہیں، آپ انہیں پوری طاقت سے منع کریں۔ نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ نے کہا جو گورنری اہل بیت کے ساتھ بغض و عناد رکھنے میں ملے، مجھے اس کی ہرگز ہرگز حاجت نہیں۔ یزیدیوں نے صورت حال سے یزید کو آگاہ کرنے کے لیے فوراً ایک وفد دمشق روانہ کر دیا۔ یزید پلید نے اپنے ایک یہودی وزیر سرجون سے مشورہ کر کے یہ طے کیا کہ کوفہ میں نعمان بن بشیر کو معزول کر کے ابن زیاد کو گورنر مقرر کیا جائے، چنانچہ ابن زیاد کو ایک خط لکھا گیا کہ بصرہ میں اپنا قائم مقام مقرر کر کے فوراً کوفہ جاؤ اور وہاں سے جس طرح بھی ہو سکے بغاوت کو کچل کر رکھ دو۔

ابن زیاد کی کوفہ آمد

ابن زیاد بدنہاد یزید پلید کا حکم نامہ پاتے ہی کوفہ کی طرف روانہ ہو گیا۔ یہ شخص بڑا مکار اور عیار تھا،

اس نے حجازی لباس پہنا اور رات کے وقت کوفہ میں اس راستہ سے داخل ہوا، جہاں لوگ بیٹھ کر امام عالی مقام امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا انتظار کیا کرتے تھے۔ یہ مکار جب اس راستے سے حجازی لباس پہنے اور چہرے پر نقاب ڈالے ہوئے گزرا، تو لوگ خوشی سے جھوم اُٹھے کہ امام حسین تشریف لے آئے ہیں۔ یہ خبیث سیدھا دارالامارت (گورنر ہاؤس) پہنچا اور نعمان بن بشیر کو یزید کا حکم نامہ دکھا کر معزول کر دیا اور خود کوفے کی گورنری کا عہدہ سنبھال لیا۔

صبح ہوئی تو اہلِ کوفہ کو بُلا کر ابن زیاد نے تقریر کی۔ "اے کوفہ والو! آج سے میں تمہارا گورنر ہوں اور میرا یہ اعلان سن لو کہ اگر تم نے امام مسلم کے ساتھ بیعت رکھی یا امام حسین کی محبت و عقیدت کا دعویٰ کیا تو تمہارے گھروں کو لوٹ لیا جائے گا اور تمہاری جائیدادوں کو ضبط کر لیا جائے گا اور تمہارے سر کاٹ دیئے جائیں گے۔"

ابنِ زیاد کی اس وحشت ناک تقریر نے کوفیوں کے دلوں کو بدل دیا۔ تمام کوفیوں نے بیعت توڑنا شروع کر دی۔ پھر ابن زیاد نے حضرت امام مسلم رضی اللہ عنہ کا سراغ لگوایا تو پتہ چلا کہ آپ حضرت ہانی کے گھر سکونت پذیر ہیں۔ اس بدنہاد نے حضرت ہانی کو اپنے دربار میں طلب کیا اور کہنے لگا، اے ہانی! ہمیں معلوم ہوا ہے کہ امام مسلم تمہارے گھر میں ٹھہرے ہوئے ہیں۔ جلدی سے انہیں ہمارے حوالے کر دو۔ حضرت ہانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا میں اپنے مہمان کو تیرے حوالے کرنے کے لیے کبھی تیار نہیں ہو سکتا۔ آخر کار ابن زیاد نے حضرت ہانی کو محبتِ اہل بیت کی وجہ سے اذیتیں دے دے کر شہید کرا دیا۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ۔

حضرت امام مسلم کو اپنے میزبان کی شہادت کا علم ہوا تو گھر سے باہر تشریف لائے اور کوفے والوں کو جمع فرما کر ان کو غیرت دلائی کہ تمہیں کیا ہو گیا۔ تم ایک دم بے بس ہو کر رہ گئے۔ آپ کی اس تقریر کے بعد پھر کوئی آپ کے ساتھ ہو گئے،

لیکن ابن زیاد نے پھر امام مُسلم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ساتھ دینے والوں کو ڈرایا اور دھمکایا جس کی وجہ سے شام تک تمام کوئی آپ کا ساتھ چھوڑ گئے اور آپ کے ساتھ آپ کے دو شہزادوں کے سوا کوئی باقی نہ رہا۔ پھر آپ نے دونوں شہزادوں کو کوفہ کے قاضی القضاۃ شریح کے حوالے کیا اور فرمایا، میری جان کی خیر ہے مگر میرے ان پھولوں کو کسی نہ کسی طرح سے مدینہ شریف پہنچا دینا۔

پھر آپ وہاں سے چل دیے۔ چلتے چلتے رات ہوگئی۔ ہر کوئی لَدیُوفِی اپنا اپنا دروازہ بند کر کے محوِ خواب ہو چکا تھا۔ اسی اثناء میں آپ نے ایک دروازہ کھلا دیکھا اور اس دروازے میں ایک ضعیفہ اس طرح بیٹھی ہوئی تھی کہ جیسے اس کو کسی کا انتظار ہو۔ امام مسلم رضی اللہ عنہ اس کے دروازے کے قریب جا کر رک گئے اور اس بوڑھی عورت سے پانی طلب فرمایا۔ اس بوڑھی ضعیفہ نے جس کا نام طوعہ تھا پوچھا آپ کون ہیں ؟ آپ نے فرمایا، اماں جان! میں مسلم بن عقیل ہوں۔ طوعہ نے دست بستہ عرض کی حضور آیئے، تشریف لایئے اور میرے گھر میں آرام فرمایئے۔ چنانچہ آپ اس کے گھر ٹھہر گئے۔ رات گذرتی جا رہی تھی اور آپ یادِ خدا میں مصروف ہو گئے۔

کچھ دیر اس جنتی ماں کا جہنمی بیٹا بھی گھر آ پہنچا۔ ماں نے اپنے مہمان کا ذکر اپنے بیٹے سے کیا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کا ہم پر احسان ہوا کہ حضرت امام مسلم رضی اللہ عنہ ہمارے گھر میں جلوہ افروز ہوئے۔ ماں سے یہ سننا ہی تھا کہ وہ شقی دل ہی دل ہی دل میں خوش ہوا کہ کیوں نہ ابن زیاد کو امام مسلم کی اطلاع دے کر انعام حاصل کیا جائے۔

چنانچہ صبح ہی صبح یہ شقی القلب اٹھا اور ابن زیاد کو امام مسلم کی خبر دے آیا۔

ابن زیاد نے پانچ سو سپاہی کو امام مسلم کی گرفتاری کے لیے بھیجا اور انہوں نے علی الصبح ہی طوعہ کے مکان کو گھیرے میں لے لیا۔ محمدی شیر کو صورتِ حال کا علم ہوا تو آپ مکان سے باہر تشریف لاتے اور یزیدی سپاہ سے مخاطب ہو کر فرمایا،

تمہیں تو وہ لوگ تھے جنہوں نے ہمیں سینکڑوں خطوط لکھے اور کئی قاصد بھیجے اور پھر ہم تمہارے پاس آئے، تم نے ہماری بیعت کی اور آج تم ہمارے ہی خون کے پیاسے ہوگئے ہو۔ آپ کی اس تقریر پُرتاثیر کے جواب میں ان ظالموں نے آپ پر تیروں کی بارش شروع کردی اور آپ کا جسمِ اطہر چھلنی کر دیا۔ کسی نے تلوار کا وار کیا، کسی نے نیزے کی انی لگائی، مگر قربان جاؤں آپ کے حوصلہ اور صبر و استقامت پر اور فدا ہو جاؤں آپ کی ہمت و شجاعت پر، آپ نے باوجود تنہا ہونے کے ان باطل پرستوں کا جوانمردی سے مقابلہ کیا، بالآخر آپ لڑتے لڑتے فرش زمین پر گر گئے۔ انہوں نے اٹھایا اور زخمی شیر کو ابن زیاد بدنہاد کے دربار میں پیش کر دیا۔

ابن زیاد نے امام مسلم کو دیکھا تو کہا اب بھی وقت ہے یزید کی بیعت کر لیں تاکہ آپ کی زندگی بچ جائے مگر محمدی شیر نے بڑی جرأت و ہمت کے ساتھ انکار کر دیا۔ آپ کے مسلسل انکار سے مشتعل ہو کر ظالم نے جلّادوں کو حکم دیا کہ انہیں دارالامارات کی چھت پر لے جا کر شہید کر دیا جائے اور آپ کی نعش کو اوپر سے زمین پر پھینک دیا جائے۔ چنانچہ جلّاد آپ کو دارالامارات کی چھت پر لے گئے۔ جلادوں نے آپ کو شہید کرنے کا ارادہ کیا تو آپ نے فرمایا کہ مجھے شہید کرنے سے پہلے میری چند وصیتیں سن لو۔ پہلی یہ کہ میں نے یہاں فلاں شخص کا قرض دینا ہے میری زرہ بیچ کر میرا قرض ادا کر دینا۔ دوسری وصیت یہ کہ میں نے اپنے بھائی امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خط لکھا ہے کہ کوفہ تشریف لے آئیں، انہیں اطلاع کر دینا کہ یہاں تشریف نہ لائیں۔ تیسری وصیت یہ ہے کہ میرے شہید ہو جانے پر میرے بچے یتیم ہو جائیں گے، ان پر رحم کرنا، انہیں بہ حفاظت مدینۃ الرسول پہنچا دینا۔ جب آپ وصیتیں کر چکے، تو ایک شقی القلب نے تلوار کا وار کیا اور آپ کا سر تن سے جدا کر دیا۔

انا للہ و انا الیہ راجعون۝

بچوّں کی شہادت شہادتِ حضرت امام مسلم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعد منادی کرادی گئی جو شخص امام مسلم کے بچوّں کو گرفتار کرکے لائے گا، اس کو شاہی خزانے سے مالا مال کردیا جائے گا۔ کئی کوئی انعام کے لالچ میں ان بچوّں کی تلاش میں نکل پڑے۔ قاضی شریح جس کے پاس چمنستانِ رسالت کے دونوں پھول تھے۔ جب قاضی کو امام مسلم کی شہادت کی خبر ہوئی تو اس کی آنکھوں میں بے اختیار آنسو جاری ہوگئے، دونوں بچوّں کو کلاوے میں لے لیا۔ شہزادگان نے قاضی کو روتے دیکھا تو پوچھا بابا! تم ہماری طرف دیکھ کر کیوں رو رہے ہو، کہیں ہم یتیم تو نہیں ہوگئے، کیا ہمارے سر سے سایۂ پدری اُٹھ چکا ہے؟ کیا ہم لاوارث ہوگئے ہیں؟ ہمارے ابا جان تو خیریت سے ہیں، ہماری آنکھیں انہیں دیکھنے کو ترس رہی ہیں۔

بچوّں کی اس معصومانہ گفتگو نے قاضی کے دل کو ہلا دیا، تابِ ضبط نہ رہی، خون کے آنسو بہا کر عرض کرنے لگا، جانِ پدر! تمہارے سر کا سایہ اٹھ چکا ہے، تم یتیم ہو چکے ہو، ظالموں نے تمہارے ابو جان کو شہید کر دیا ہے۔ یہ سنتے ہی دونوں ایک دوسرے سے بغل گیر ہو کر اپنی بیکسی اور بے بسی پر اس قدر روئے کہ ملائکہ میں کھلبلی مچ گئی۔ حورانِ بہشتی کے دل لرز گئے۔ قاضی نے دونوں بچوّں کو سینے سے لگایا اور کہا یہ رونے کا وقت نہیں، اس لیے کہ ابن زیاد نے تمہاری تلاش میں اپنے آدمی چھوڑ رکھے ہیں، مبادا وہ تمہاری آہ و فغاں سن کر تمہیں پکڑ کرلے جائیں، بچے خاموش ہوگئے۔ اسی شام بیرون دروازہ عراقین سے ایک کارواں مدینہ منورہ جانے والا تھا۔ قاضی نے اپنے بیٹے اسد کو بلایا اور کہا کہ آج شام ان دونوں شہزادوں کو بیرون دروازہ عراقین لے جانا اور ان دونوں کو کسی نیک طینت محبِ اہل بیت کے سپرد کر آنا تاکہ یہ دونوں مدینۃ الرسول پہنچ جائیں۔

اسد شام کو دونوں شہزادوں کو ساتھ لے کر دروازہ عراقین پر آیا، مگر شومئی قسمت کہ وہ قافلہ ان کے پہنچنے سے پہلے ہی کوچ کر چکا تھا، گردِ قافلہ ان کے پہنچنے سے پہلے دور سے نظر آ رہی تھی۔ اسد نے کہا جلدی کرو، وہ قافلہ جا رہا ہے۔ تھوڑی دور ساتھ چلا، پھر انہیں گردِ قافلہ دکھا کر کہنے لگا دوڑ کر اس قافلہ سے مل جاؤ۔ یہ دونوں نازپروردہ مسلم اُدھر دوڑے اور اسد واپس لوٹا۔ دونوں بھائی تھوڑی ہی بھاگے تھے کہ گردِ قافلہ نظر سے اوجھل ہو گئی۔ یہ ساری رات قافلہ کی تلاش میں چلتے رہے، پاؤں میں چھالے پڑ چکے تھے۔ بھوک اور پیاس سے نڈھال ہو چکے تھے، مگر اس تصور سے چلتے رہے کہ مدینہ شریف قریب آ رہا ہے۔ ساری رات چلتے چلتے صبح کا اجالا پھیل گیا، سامنے ایک شہر نظر آیا۔ ابھی وہ پہچان ہی رہے تھے کہ ایک کوفی نے انہیں دیکھ لیا اور اور انہیں پکڑ کر ابن زیاد کے دربار میں پیش کر دیا۔ اس ظالم نے انہیں جیل میں بھیج دیا۔ جیل کا داروغہ مشکور نامی، جو خداترس اور محبِ اہلِ بیت بھی تھا۔ اس نے دونوں شہزادوں کو آزاد کر دیا۔ اس محبت و عقیدت کی سزا میں اگلے روز اسے بھی شہید کر دیا گیا۔ دوسری شب بھی بچے دوڑتے رہے۔ حتیٰ کہ صبح ہو گئی۔ صبح کے وقت ایک درخت کی کھوہ میں چھپ کر بیٹھ گئے۔ قریب ہی ایک پانی کا چشمہ تھا۔ کوفے کی ایک عورت اس چشمے پر پانی لینے آئی، تو پانی میں دو بچوں کا عکس نظر آیا۔ اس نے درخت کی کھوہ پر نظر ڈالی، تو وہاں دو معصوم بچوں کو دیکھا، تو پوچھا، اے بچو! تم کون ہو؟ بچوں نے جواب دیا ؎

کی دسیے یتیماں دے حالنے پے گئے پیراں چہ چھالے
ننگے پیریں اسیں ہاں دونویں بھائی، اسیں دونویں مدینے دے ہاں راہی
اساں دو ہاں مدینے شہر جانا، جتھے وسدا اساڈا پاک نانا
جیدا کلمہ پڑھے ساری خدائی، اسیں دونویں مدینے دے ہاں راہی

اس عورت نے کہا کہ اے پیارے بچو! جس گھر کی میں خادمہ ہوں، وہ عورت بھی محبِ اہل بیت ہے، آؤ میرے ساتھ چلو، میں تمہیں اس کے پاس لے چلتی ہوں۔ یہ عورت ان شہزادوں کو حارث کے گھر لے گئی۔ حارث کی بیوی نے جب ان بچوں کو دیکھا، تو بہت پیار کیا، کھانا کھلایا، نہلایا دھلایا اور زلفیں سنواریں۔ رات کو مکان کے ایک کمرے میں بستر بچھا کر لٹا دیا۔ مسلسل سفر کی وجہ بچے تھکے ہوئے تھے جونہی لیٹے تو نیند آ گئی۔ ادھر رات کے وقت حارث گھر پہنچا جوان بچوں کی تلاش میں سارا دن مارا مارا پھرتا رہا تھا۔ اس نے اپنی بیوی سے کھانا طلب کیا کھانا کھایا اور سو گیا۔ رات گزر رہی تھی کہ بڑا بھائی روتا ہوا اٹھا اور چھوٹے بھائی کو جگایا اور کہا ؎

لے او ویر حوالے رب دے آ مل لے اک واری
دوہاں دی ہن جنت دتے لگی ہون تیاری

چھوٹے نے روتے ہوئے بڑے بھائی سے کہا کہ یہ آپ مجھے کیا کہہ رہے ہیں، کیا آپ بھی مجھے اکیلا چھوڑ کر کہیں جا رہے ہیں، مجھے مدینہ شریف کون پہنچائے گا۔ میں روؤں گا تو مجھے چپ کون کرائے گا۔ اے بھائی! کیا آپ مجھ سے ناراض ہو گئے ہیں، کیا مجھ سے کوئی غلطی سرزد ہو گئی ہے۔ بڑے بھائی نے کہا اے پیارے بھائی! بات یہ نہیں جو تم سمجھ رہے ہو، بلکہ میں نے ابھی ابھی ایک خواب دیکھا ہے کہ ابا جان اور نانا جان امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جلوہ افروز ہیں۔ آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، اے مسلم! تم تو ہمارے پاس آ گئے ہو، اپنے بچوں کو کس کے سپرد کر آئے ہو۔ ابا جان نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ بھی ابھی حاضر ہو رہے ہیں۔ ادھر یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ ادھر حارث نے بچوں کے رونے کی آوازیں سنیں، تو اٹھ کر بیٹھ گیا اور اپنی بیوی سے پوچھنے لگا کہ یہ رونے

کی آواز سُنی، تو اٹھ کر بیٹھ گیا اور اپنی بیوی سے کہنے لگا کہ یہ رونے کی آواز کہاں سے آرہی ہے۔ بیوی سہم گئی اور کچھ جواب نہ دیا۔ بے دین حارث خود اٹھا اور چراغ روشن کر کے ڈھونڈتا ہوا مکان کے اس کمرے کے دروازے پر پہنچا۔ جہاں یہ دولوں بچے ابا ابا کہہ کر رو رہے تھے۔ حارث نے پوچھا، تم کون ہو ؟ انہوں نے اس جگہ کو اپنے محبوں کا گھر سمجھ رکھا تھا، اس لیے صاف صاف کہہ دیا کہ ہم فرزندانِ مسلم ہیں سے رُو رُو کے کہنے لگے سید بھی ہیں معصوم بھی ہیں

بے پدر بھی ہیں مسافر بھی ہیں مظلوم بھی ہیں

حارث بے دین یہ سن کر غصہ سے بھر گیا، غضبناک ہو کر کہنے لگا آج دن بھر میں تمہاری تلاش میں رہا۔ یہاں تک کہ میرے گھوڑے نے بھی جان دے دی اور تم مزے سے میرے ہی گھر میں آرام کر رہے ہو۔ پھر غضب ناک آواز سے بچوں کو اپنی طرف بلایا؟

قتل کے خوف سے اٹھے نہ علی کے پیارے
اس توقف پہ ستمگر نے طمانچے مارے
دست بے داد سے ایک بھائی کا بازو کھینچا
دوسرے بھائی کا ایک ہاتھ سے گیسو کھینچا
کھینچا اس طرح کہ پُرنے ہوئے کرتے سارے
مُنہ کے بَل گر پڑے وہ بُرجِ شرف کے تارے
یا حسین ابنِ علی اک نے بصد یاس کہا
دوسرے بھائی نے یا حضرتِ عباس کہا

بے دین، بے رحم حارث نے معصوم اور پھول سے بچوں کے منہ پر طمانچے مارنے شروع کیے اور انہیں گھسیٹتا ہوا مکان سے باہر لایا۔ عورت نے جب خاوند کی یہ بے رحمی دیکھی تو تڑپ کر رہ گئی اور شوہر کے قدموں پر سر رکھ دیا اور روتی ہوئی کہنے لگی

ارے ظالم یہ چمنستانِ اہل بیت کے پھول ہیں، ان پر رحم کر۔

مومنہ دوڑی یہ کہتی ہوئی باآہ و بکا
نہ رہے زور تیرا شل ہو ابھی دستِ جفا
ارے سید ہیں یہ سید ہیں طمانچہ نہ لگا
ارے قرآن کے ورقوں کو زمین پر نہ گرا
بس ارے بس کہ زمیں اب تو ہلی جاتی ہے
لے مجھے فاطمہ غمگین نظر آتی ہے

حارث کی بیوی بچوں کو بچانے کے لیے جو کچھ بھی کر سکتی تھی کر گزری۔ اس نے ہر طریقے سے اس خونی درندے سے بچوں کو بچانا چاہا، لیکن وہ کامیاب نہ ہو سکی بدبخت دونوں بچوں کو فرات کے کنارے لے گیا۔ پھر خبیث نے تلوار کھینچی اور گلشن محمدی کے دونوں پھولوں کی طرف بڑھا۔ جب شہزادوں نے تلوار کو دیکھا تو ابو مسلم یاد آ گئے، ماں کا پیار یاد آ گیا۔ ہائے ابا جان! ہمیں ظالم شہید کرنے کو تیار ہو چکا ہے۔ پھر حارث سے کہنے لگے ہماری یتیمی اور غریبی پر رحم کر ہماری بیکسی و درماندگی پر ترس کھا۔ ارے بدنصیب! ہماری عاجزی و بے بسی پر نظر کر۔ وہ کہنے لگا میرے دل میں رحم ہے ہی نہیں اور پھر وہ چھوٹے صاحبزادے کا سر کاٹنے کے لیے آگے بڑھا ؎

کی بڑے بھائی نے قاتل کی یہ منت اس آن
سر میرا پہلے قلم کر لو تو ہوگا بڑا احسان
شوق سے مجھے ہر صدمہ و ایذا دکھلا
پر نہ ننھے بھائی کا مجھے ننھا سا لاشہ دکھلا

آخر کار اس لعین بے دین نے تلوار کا وار کر کے بڑے بھائی کا سر تن سے جدا کر دیا

چھوٹے بھائی نے تڑپتا ہوا لاشہ دیکھا، تو کلادے میں لے لیا اور رو کر ابا مسلم کو پکارا، ہائے میں اکیلا رہ گیا بھائی جان! مجھے مدینے کون پہنچائے گا۔ کٹے ہوئے گلے سے بزبانِ حال یہ آواز آئی ۔

لے او ویر حوالے رب دے میلے چار دناں دے
اس دن عید مبارک ہوسی جس دن فیر ملاں گے

اتنے میں ظالم نے دوسرا وار کیا اور چھوٹے صاحبزادے کا بھی سر تن سے جدا کر دیا۔
اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ۰

امام حسین کا قافلہ

حضرت امام مسلم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا خط امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جونہی پہنچا آپ کوفہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ آپ کا قافلہ کوفہ کی منزلیں طے کرتا ہوا چلا آرہا تھا، راستہ میں ایک جگہ ٹھہرا، تو کوفے کی جانب سے ایک قاصد آیا جس نے حضرت امام عالی مقام علیہ السلام سے ملاقات کی۔ آپ نے اس قاصد سے کوفہ کے حالات دریافت فرماتے تو اس قاصد کی آنکھیں اشکبار ہو گئیں اور عرض کرنے لگا یا امام کس زبان سے بتاؤں ان بے وفا اور بدبخت لوگوں نے آپ کے بھائی حضرتِ مسلم کو شہید کر دیا ہے۔ آپ نے امام مسلم کے شہزادوں کے متعلق پوچھا تو قاصد نے عرض کی حضور ان بے دینوں نے ان بچوں کو بھی شہید کر دیا ہے۔

اس خبر کے سنتے ہی آپ خیموں میں تشریف لے گئے، آپ کے سامنے امام مسلم کی صاحبزادی آگئی۔ اس کو دیکھ کر آپ کی آنکھوں سے آنسو ٹپک پڑے۔ حضرت مسلم کی بچی نے جب آپ کو روتے ہوئے دیکھا، تو کہنے لگی چچا جان! آپ میری طرف دیکھ کر ایسے رو رہے ہیں جیسے کوئی یتیموں کی طرف دیکھ کر روتا ہے، کہیں میں یتیم تو نہیں ہو گئی۔ امام عالی مقام نے فرمایا بیٹی! صبر کرنا۔ آج سے میں تمہارا چچا بھی ہوں اور

تمہارا باپ بھی میں ہی ہوں، اس لیے کہ کوفے والوں نے تمہارے والد گرامی کو شہید کر دیا ہے۔ بچی نے جب اپنے والد گرامی کی شہادت کی خبر سنی تو بے ہوش ہوگئی۔ جب ہوش آیا تو عرض کرنے لگی چچا جان! میرے بھائیوں کا کیا حال ہے؟ امام پاک نے فرمایا بیٹی! جب تمہیں اپنے بھائیوں کی یاد ستائے تو میرے علی اکبر اور علی اصغر کو دیکھ لینا ؎

کی دساں میں تینوں بچے کی کیتا تقدیراں
محشر تیک تینوں بن نہیں ملناں تیریاں ویراں

امام مسلم اور ان کے معصوم بچوں کی شہادت کی خبر سن کر اہل بیت میں کہرام بپا ہوگیا۔ امام عالی مقام نے صبر کی تلقین فرمائی اور کہا کہ ابھی تو ہمیں اس سے بھی بہت بڑا امتحان دینا ہے۔ خدا کی رضا کو قبول کر لینے کے سوا اور کوئی چارۂ کار نہیں، چنانچہ تھوڑے وقفے کے بعد حسینی قافلہ پھر اپنی منزل کی طرف رواں دواں ہوگیا۔ جب کوفہ دو منزل پر تھا، تو آپ کی ملاقات حر بن ریاحی سے ہوئی، اس کے ساتھ ایک ہزار کی تعداد میں سپاہ یزید تھی۔ دورانِ ملاقات اس نے امام عالی مقام کی خدمت میں عرض کی کہ حضور! مجھے ابن زیاد نے آپ کی گرفتاری کے لیے بھیجا ہے۔ امام عالی مقام نے فرمایا اے حر! کیا تمہیں معلوم ہے کہ ہم یہاں خود نہیں آئے۔ بلکہ اہلِ کوفہ کے بار بار اصرار پر آئے ہیں۔ انہوں نے ہمیں بلانے کے لیے پے در پے خطوط لکھے۔ پھر آپ نے وہ خطوط حر کے آگے ڈھیر کر دیئے جو کوفہ والوں نے آپ کو لکھے تھے۔ حر نے ان خطوں سے لاعلمی ظاہر کی۔ اسی اثناء میں نماز ظہر کا وقت ہوگیا۔ حق کے امام نے امامت فرمائی، حر نے بھی آپ کی اقتدا میں نماز پڑھی۔ آخر کار رات کی تاریکی چھا گئی۔ حر نے عرض کی یا امام آپ رات کے اندھیرے میں کسی جائے پناہ کی طرف تشریف لے جائیں اور میں اپنی سپاہ کو واپس لے جاتا ہوں۔

اس لیے مجھے معلوم نہ تھا کہ آپ سے دھوکہ ہوا ہے۔

چنانچہ امام عالی مقام نے قافلہ کو چلنے کا حکم دیا۔ قافلہ رات بھر چلتے چلتے ۲ محرم الحرام ۶۱ھ کو ایک ایسے میدان میں پہنچا جہاں پہنچ کر سواریاں خود بخود رُک گئیں۔ آپ نے اپنے ساتھیوں سے پوچھا یہ کونسا مقام ہے۔ انہوں نے بتایا اسے میدان ماریہ کہتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ اس کا کوئی اور بھی نام ہے؟ عرض کیا حضور! اس کو میدانِ کربلا بھی کہتے ہیں۔ آپ نے یہ سُن کر فرمایا اس میدان میں اپنے خیمے نصب کر لو، یہی وہ میدان ہے جہاں میرا علی اکبر قربان ہو گا، قاسم کی جوانی لُٹے گی، ننھے علی اصغر کے خشک حلق میں تیر پیوست ہو گا۔ سیدہ زینب کی گود خالی ہو جائے گی، یہی وہ میدان ہے جہاں سکینہ یتیم ہو جائے گی۔ امام زین العابدین بیمار کو بیڑیاں پہنائی جائیں گی، اولادِ رسول کے سروں کو نوک نیزہ پر چڑھایا جائے گا۔ لاشوں کو بے گور و کفن روندا جائے گا۔

امام عالی مقام کے جاں نثاروں نے میدانِ کربلا میں اپنے اپنے خیمے نصب کر لیے۔ ادھر ابن زیاد نے عمر و سعد کو رے کی حکومت کا لالچ دے کر بائیس ہزار کی سپاہ کے ساتھ امام پاک کی طرف بھیجا اور حکم دیا کہ اگر امام حسین یزید کی بیعت قبول کر لیں تو ٹھیک ہے، ورنہ ان کا سر کاٹ کر لے آؤ۔ عمر و سعد تمام لشکر کو لے کر مقابلے کے لیے میدان کربلا میں پہنچ گیا۔

مؤرخ حیران ہیں کہ تاریخ عالم میں کہیں یہ مثال نہیں ملتی کہ بائیس ۷۲ افراد کا مقابلہ کرنے کے لیے بائیس ہزار کا لشکرِ جرار آیا ہو، جبکہ قافلہ کے افراد میں جوان بوڑھے بچے اور عورتیں بھی ہیں اور یہ جنگ کے لیے تیار ہو کر بھی نہیں آئے تھے۔ آخر وہ ان نفوس قدسیہ کو اپنے دل و دماغ میں کیا تصور کرتے ہوں گے۔ ان کی ہمت، جرأت و شجاعت کا کیا نقشہ ان کے ذہن پر طاری ہو گا جو انہوں نے ان کے مقابلے

کے لیے اتنی بڑی فوج لا کھڑی کی، مگر پھر بھی ان کے حوصلے پست ہو رہے ہیں اور دل ہی دل میں سوچ رہے ہیں کہ وہ ان حق کے شیروں کی تاب کیسے لا سکیں گے۔

عمر و سعد جب پورا لشکر فرات کے کنارے اتار چکا، تو اس نے امام عالی مقام سے ملاقات کی اور کہا کہ آپ یزید کی بیعت کر لیں۔ آپ نے فرمایا اے عمرو اگر میں نے یزید کی بیعت کرنا ہوتی، تو مدینہ منورہ کی پُر کیف بہاروں کو نہ چھوڑتا، مکہ مکرمہ کو نہ چھوڑتا، ریگستانوں کے سفر کی صعوبتوں کو نہ جھیلتا، میں کسی بھی صورت میں ایک فاسق و فاجر شخص کی بیعت نہیں کر سکتا۔ گفت و شنید کا یہ سلسلہ ۷ محرم الحرام تک جاری رہا۔ عمرو کی طرف سے بیعت کرنے کا اصرار تھا مگر امام عالی مقام کی جانب سے انکار تھا۔ ادھر شمر بن ذی الجوشن ابن زیاد کا تیسرا حکمنامہ لے کر وہاں پہنچ گیا کہ فرات پر پہرہ لگا دیا جائے۔ حسین کے خیموں میں پانی کی ایک بوند بھی نہ پہنچنے پائے۔ مگر ان ظالموں کو معلوم نہ تھا ؎

محمد مصطفےٰ کے باغ کے سب پھول ایسے ہیں
جو بن پانی کے تر رہتے ہیں مرجھایا نہیں کرتے

حوضِ کوثر کے والی کی آل پاک کا پانی بند ہو گیا، یہاں کوئی یہ نہ سمجھے کہ وہ محض مجبور تھے، خدا کی قسم ہرگز ہرگز نہیں، اگر وہ چاہتے تو کربلا کے تپتے ہوئے صحرا میں پانی کے چشمے اُبل پڑتے، مگر وہ رضا بہ رضائے خدا تعالیٰ تھے ؎

طاقت ہوندیاں زور نہ لایا بیٹھے من رضائیں
پانی با جھ پیاسے چلے دین دی نے سائیں

۹ محرم الحرام کو عمرو نے کہا کہ اے امام حسین یا تو یزید کی بیعت کر لو یا پھر ہم سے لڑنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔ امام عالی مقام نے فرمایا اگر تم ہم سے لڑنا ہی چاہتے ہو تو پھر کل دس تاریخ کو ہم سے لڑائی کر لینا۔ یہ کسی ڈر اور خوف کی وجہ سے نہیں،

بلکہ ہم یہ چاہتے ہیں کہ ایک رات اور بارگاہِ خداوندی میں سر بسجود ہو جائیں، تلاوتِ قرآن کریم کے مزے لوٹ لیں۔ عمر و سعد نے رضامندی ظاہر کر دی اور دل ہی دل میں کہنے لگا، ٹھیک ہے ایک دن اور گزر جائے گا اور ان کی پیاس اور شدت اختیار کر جائے گی اور ہمارا کام زیادہ آسان ہو جائے گا۔

چنانچہ نویں تاریخ کا دن گزر کر دسویں رات آگئی۔ آپ نے تمام عزیز و اقارب کو جمع کر کے فرمایا کہ میں اپنے تمام ساتھیوں کا شکر گزار ہوں کہ آپ لوگوں نے ہر مقام پر میرا ساتھ دیا، تمہاری جاں نثاری اور وفا شعاری پر تاریخ عالم فخر اور ناز کرتی رہے گی۔ آج یزیدی لشکر میرے خون کا پیاسا ہے۔ رُوسیاہوں کی سپاہِ عنا کا تمہارے ساتھ کوئی سروکار نہیں۔ اگر وہ بیعت مانگتے ہیں تو میری، اگر سر مانگتے تو میرا۔ اس لیے میں تم سب کو بخوشی اجازت دیتا ہوں کہ تم جہاں چاہو رات کی تاریکی میں چلے جاؤ۔ تمام رفقاء نے دست بستہ عرض کیا یا امام ہم آپ کا ساتھ چھوڑنے کے لیے کبھی تیار نہیں ہیں۔ ہمیں اپنے قدموں سے دُور نہ کیجئے، اگر آج ہم آپ کو اس میدان میں اکیلا چھوڑ آئے، تو دُنیا ہمیں کیا کہے گی۔

امام عالی مقام نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا، پھر بارگاہِ خداوندی میں دست بدعا ہو کر عرض کی، اے ربِ ذوالجلال! تیری ہر نعمت لازوال، تیرا کرم انتہائے کمال۔ مولا! تو نے ہمیشہ اپنے بندوں پر فضل و کرم کیا، نامرادوں کو گوہرِ مراد سے مالا مال کیا۔ تیری رحمت پہ نثار، تیری عطا پر قربان جاوٗں ہمیں بھی اس امتحان میں کامیاب و کامران فرما۔

پھر کچھ دیر بعد آپ پر خواب کا عالم طاری ہو گیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی۔ حضور کریم نے امام پاک کے سینہ بے کینہ پر دستِ رحمت پھیرا اور دُعا کی:

اَللّٰھُمَّ اَعْطِ الْحُسَیْنَ صَبْرًا وَّ اَجْرًا اے اللہ حسین کو صبر اور اس پر اجر عطا فرما۔

پھر آپ نے ساری رات تلاوت اور عبادت میں گزار دی۔

سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا اپنے برادرِ مکرم حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کا تصور کر کے بارگاہِ خداوندِ قدوس میں فریاد کرتی ہیں ؎

شالا رات محرم والی سٹے درمیاں دی تھیوے
نہ رات مکے نہ دن چڑھے میرا دیر جدا نہ تھیوے

مگر رات دھیرے دھیرے گزر رہی تھی، امام عالی مقام نے اپنے جوان رعنا بیٹے علی اکبر سے فرمایا، بیٹے جاؤ، میدانِ جنگ کا نقشہ دیکھ کر آؤ، چنانچہ شہزادہ علی اکبر رضی اللہ عنہ میدان میں پہنچے تو کیا دیکھتے ہیں سارا میدان خالی ہے اور فرات پر پہرہ لگا ہوا ہے اور ایک برقع پوش خاتون ریت کے ذرات میں سے کنکریاں چن رہی ہیں۔ علی اکبر یہ منظر دیکھ کر میدان سے واپس آئے اور میدانِ جنگ کا سارا نقشہ بیان کر دیا۔ سید الشہداء کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ بیٹے نے رونے کی وجہ دریافت کی، تو سید الشہداء نے فرمایا بیٹا! جس مقدس خاتون کو تو نے میدانِ کربلا کی کنکریاں اٹھاتے ہوئے دیکھا ہے، وہ میری امی جان تھیں ؎

بیٹی نبی دی، سیدہ فاطمہ نے کربلا میدان صف کیتا
میرے لال نوں چبھن ناں روڑ کنکر ویکھو آندراں حق ادا کیتا
ماواں کنڈے دی پیڑ نہ سہہ سکن جھل لیا جو تیر تعن کیتا
رحیم بخش حسین نے صبر کیتا رب صابراں دا پیشوا کیتا

دسویں شبِ محرم، اہل بیت کرام نے عبادت و ریاضت تسبیح و تہلیل ذکر و فکر اور تلاوتِ قرآن کریم میں گزاری، تہجد کا وقت ہوا، تو امام عالی مقام نے نوافل ادا فرمائے، پھر طلوعِ فجر کے وقت حضرت علی اکبر نے اذان پڑھی اور نواسۂ رسول امام عالی مقام نے امامت فرمائی اور تمام حق پرستوں نے آپ کی اقتداء میں نماز پڑھی۔ سامنے یزیدی فوج کی تلواریں چمک رہی ہیں اور ادھر نمازِ عشق ادا ہو رہی ہے۔

جب حق پرستوں نے نمازِ فجر ادا کرلی، لشکرِ یزید کی طرف سے نقارۂ جنگ بجا دیا گیا، امام عالی مقام اتمامِ حجت کے طور پر میدانِ جنگ میں تشریف لے گئے اور فرمایا، اے بدبختو! تم کس کے جگر پارے کے خون کے پیاسے ہو رہے ہو، تم کس کے ساتھ جنگ کرنا چاہتے ہو۔ میں اس رسول کا نواسہ ہوں، جس کا تم کلمہ پڑھتے ہو۔ مجھ کو رسولِ مقبول نے اپنا بیٹا کہا ہے۔ جس کے امتی ہونے کا تم دعویٰ کرتے ہو، میں اس ماں کا بیٹا ہوں، جس کو رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے جگر کا ٹکڑا کہا ہے اور سیدہ نساء العالمین فرمایا ہے اور شیرِ خدا علی المرتضےٰ کا فرزند دلبند ہوں۔ جس کو دنیا روحانی پیشوا مانتی ہے۔ میں وہی حسین ہوں جس کو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی خوشبو فرمایا تھا۔ ہاں میں وہی حسین ہوں جس کو تم نے سینکڑوں خطوط لکھے، اب ہم تمہاری درخواست پر یہاں آگئے ہیں، تو کیا یہی حقِ میزبانی ہے جو تم ادا کر رہے ہو۔ اب بھی وقت ہے اپنی آنکھوں سے جہالت کے پردے اٹھا کر دیکھو، تعصب کی پٹی اتار کر دیکھو، دنیا کے مال کی ہوس کو چھوڑ کر دیکھو اور اپنے کیے پر نادم ہو جاؤ، ابھی توبہ کا دروازہ کھلا ہے، ورنہ بروزِ قیامت میرے اور میرے اہل خانہ کے خون کا تمہارے پاس کوئی جواب نہ ہوگا، تم دنیا و آخرت میں ذلیل و خوار ہو جاؤ گے۔

جب سرِ محشر وہ پوچھیں گے ہمارے سامنے
کیا جوابِ جرم دو گے تم خدا کے سامنے

حُر کی آمد

امام عالی مقام نے خطبہ ختم فرمایا تو حُر کی آنکھوں سے غفلت و جہالت کے پردے اٹھ گئے، دل کی دُنیا بدل گئی اور جسم پر لرزہ طاری ہو گیا۔ کسی شخص نے جب حر کو اس حال میں دیکھا تو کہا اے حُر! میں نے آج سے پہلے تجھے میدانِ جنگ میں ایسے متفکر نہیں دیکھا جیسے آج میں تمہیں دیکھ رہا ہوں۔ حُر نے کہا کہ میرے ایک طرف جہنم کے بھڑکتے ہوئے شعلے ہیں اور

دوسری طرف جنت کی سدا بہار موجیں ہیں۔ میں سوچ رہا ہوں کہ اب کدھر جاؤں!
پھر حضرت حرؒ نے اپنے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور نواسۂ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
کے قدموں میں حاضر ہوگئے ؎

نکل کر لشکرِ اعدا سے مارا حرؒ نے یہ نعرہ
کہ دیکھو یوں نکلتے ہیں جہنم سے خدا والے

پھر اشکبار آنکھوں سے حرؒ نے عرض کی یا امام! کیا میری خطا معاف ہو سکتی ہے!
آپ نے فرمایا: تمہارا کیا نام ہے؟ عرض کی: حر! آپ نے فرمایا تیری ماں نے تیرا نام
حُر رکھا ہے اور حُر کے معنی ہیں آزاد۔ سُن! تو نے اس مصیبت کے وقت نواسۂ
رسول کی قدم بوسی کی ہے۔ آج تو نارِ جہنم سے بھی آزاد ہوگیا۔

حر ابھی امام عالی مقام کی قدم بوسی کر ہی رہے تھے کہ یزیدی لشکر کے سردار عمرو
بن سعد نے تیر چلا کر اعلانِ جنگ کر دیا اور اپنے لشکریوں کو کہا کہ تم لوگ گواہ رہنا کہ
ابن رسول کے ساتھیوں پر پہلا تیر میں نے چلایا ہے۔ اس کے ساتھ ہی یزیدی لشکر
سے ایک سرپھرا جس کا نام سالم تھا؛ میدان میں چلانے لگا کہ کون ہے جو میرے مقابلے
پر آکر اپنی جان دینا چاہتا ہے۔ حضرت حرؒ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کی للکار سُنی،
جگر گوشۂ بتولؑ نواسۂ رسول سے اجازت طلب کی اور میدانِ کارزار میں پہنچ گئے ـــ
مخالف فریق نے تلوار کا وار کیا، تو آپ نے اسے ڈھال پر روک کر پوری قوت سے تلوار
اس کے سینے میں اتار دی۔ اس کے بعد یزیدی لشکر سے کئی لوگ آتے اور حضرت حر
ان کا مردانہ وار مقابلہ کرتے رہے اور ان میں کئی لعینوں کو واصلِ جہنم کرتے رہے۔
آخر کار جب یزیدی لشکر کا گھیرا آپ کے گرد تنگ ہوگیا، تو آپ کئی مرداروں کو فی النار
کرنے کے بعد منصب شہادت پر سرفراز ہوگئے ؎

خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

شہادت حضرت وہب کلبی

حضرت حر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جامِ شہادت نوش فرمالینے کے بعد

حضرت وہب بن عبداللہ کلبی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے امام عالی مقام کی خدمتِ اقدس میں میدانِ کارزار کی طرف جانے کی اجازت طلب کی۔ اس نوجوان کی شادی ہوئے ابھی پندرہ دن ہی گزرے تھے کہ اس کی بوڑھی والدہ نے اپنے جوان بیٹے سے کہا اے بیٹا! یہ ٹھیک ہے کہ تو میری زندگی کا سہارا ہے، تو ہی میرے گھر کا چشم و چراغ ہے، مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ تیری شادی کو صرف پندرہ دن ہوئے ہیں، مگر تیری بوڑھی ماں کی زندگی کی آخری خواہش یہ ہے کہ آج اس میدان میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے پر تم قربان ہوجاؤ اور تمہاری ماں کا نام بھی شہیدوں کی ماں میں آجائے۔

ماں کی اس شدید اور پُردرد آرزو نے بیٹے کے دل میں شوقِ شہادت کا طوفان برپا کردیا۔ پھر حضرت وہب اپنی بیوی کے پاس گئے، اس کے ساتھ آخری ملاقات کرتے ہوئے فرمایا، اے میری رفیقۂ حیات! مجھے معلوم ہے تو نے میری خاطر اپنے ماں باپ کے گھر کو چھوڑا ہے، بہن بھائیوں کی جدائی کو برداشت کیا ہے۔ میں تیرے سہاگ کی قیمت کو بھی جانتا ہوں، مگر آج ابنِ رسول جگر گوشۂ بتول پر مصیبت کا وقت آن پڑا ہے، میں چاہتا ہوں کہ پرچم اسلام کی سربلندی کے لیے اپنی جان قربان کردوں۔ اس نیک سیرت عورت نے محبتِ اہل بیت پر شوہر کی محبت کو نثار کرتے ہوئے فوراً اجازت دے دی۔ پھر حضرت وہب نے امام پاک سے اجازت لے کر میدانِ جنگ کی طرف چلے گئے اور دشمنوں کے ساتھ لڑتے ہوئے جامِ شہادت سے سرفراز ہوگئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

حضرت وہب کی شہادت کے بعد امام عالی مقام کے جاں نثار باری باری میدانِ جنگ میں بہادرانہ جوہر دکھاتے ہوئے جامِ شہادت نوش فرماتے رہے۔ آخر کار

آخر کار امام عالی مقام کے جاں نثاران اہل بیت میں سے چند نوجوان باقی رہ گئے۔

عون و محمد کی شہادت

سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضرت امام عالی مقام میں عرض کیا، بھائی جان! آپ پر سخت مصیبت کا وقت ہے۔ میں نے نانا جان کا ارشادِ گرامی سنا ہے کہ صدقہ بلاؤں کو رد کر دیتا ہے اور میں چاہتی ہوں کہ اس سخت ترین آزمائش کے وقت اپنے بچوں کا صدقہ کروں۔ امام عالی مقام نے جب بہن کا یہ جذبہ ایثار دیکھا، تو فرطِ محبت سے آنکھوں میں آنسو آگئے اور روتے ہوئے فرمایا، بہن! میں تجھے اپنے سامنے بے اولاد ہوتا نہیں دیکھ سکتا۔ آخر کار سیدہ زینب کے اصرار پر امام عالی مقام کی طرف اجازت مل گئی۔ ماں نے بچوں کو تیار کرنا شروع کیا۔ جب شہر بانو نے تیاری کا یہ منظر دیکھا تو پوچھا اے زینب! تم کیا کر رہی ہو، تو آپ نے جواب دیا اپنے بچوں کو دولہا بنا رہی ہوں پھر جب شہزادے تیار ہو گئے، تو فرمایا، اے میرے شہزادو! میدانِ جنگ کی طرف جانے سے پہلے ذرا ماں کے سینے کے ساتھ لگ جاؤ۔ چنانچہ ماں نے اپنے بچوں کو آغوش میں لے کر اپنے ارمانوں پر کس طرح قابو پایا، اسے بیان کرنے کی کسے طاقت ہو سکتی ہے پھر بچوں نے ماں کو آخری سلام کیا اور امام عالی مقام کی قدم بوسی کر کے میدانِ کارزار کی طرف روانہ ہو گئے ؎

ماواں کھندیاں جاندیاں بچیاں نوں پرت دسنا مکھڑا آکے تے
پھر میں عون و محمد دی ماں آکھاں اللہ نبی دا امام دسیا کے تے
زندہ جاؤ پر آؤ شہید ہو کے جامے خون وِچ رنگ رنگا کے تے
سیس لے کے جاؤ میدان اندر پر آؤناں سیس کٹا کے تے

چنانچہ دونوں بچے چھوٹی چھوٹی تلواریں لے کر میدانِ جنگ میں پہنچے، تو اس شان سے لڑے کہ جنگ کا نقشہ بدل کر رکھ دیا۔ عمرو بن سعد نے جب ان بچوں کا اندازِ جنگ دیکھا

تو پکار اٹھا، اگرچہ یہ چھوٹے چھوٹے نو عمر ہیں، مگر ان کی رگوں میں خونِ حیدری ہے، اٹھو، بڑھو اور گھیراؤ کرکے ان کو قتل کر دو۔ حیدرِ کرّار کے نواسے جناب سیّدہ زینب کے نورِ نظر بڑی بہادری سے لڑ رہے تھے۔ قریب تھا کہ عمرو بن سعد کی گردن کاٹ کر اس شقی کا کام تمام کر دیتے، تیروں کی بارش ہوئی، تلواروں کی دھاریں چلیں، نیزوں کے واروں نے ان حسینی شیروں کو ابدی نیند سلا دیا۔ عمرو بن سعد پکارا، حسین آؤ اپنے بھانجوں کی لاشوں کو لے جاؤ۔ سیّدہ زینب نے جب یہ پکار سنی، تو سجدہ شکر ادا کیا۔ اے اللہ! تیرا احسان ہے! تو نے میرے ہدیے کو قبول فرما لیا ہے۔ امام عالی مقام میدانِ جنگ کی طرف تشریف لے گئے اور شہزادگان کے لہو میں ڈوبے ہوتے لاشے اٹھائے اور خیموں میں لا کر بہن کی جھولی میں ڈال دیے، پھر کون آنکھ تھی جو اشکبار نہ ہوئی ہو۔ قرآن کریم کی تلاوت سن کر سونے والے شہزادے، ہمیشہ ہمیشہ کے لیے میٹھی نیند سو چکے تھے۔

اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ

حضرت عباس علمدار کی شہادت

صبح سے دوپہر تک تمام جاں نثار اعزا و اقربا اپنی جانوں کے نذرانے پیش کر چکے تھے۔ حضرت عباس علمدار رضی اللہ تعالیٰ عنہ حسینی پرچم اٹھائے خیموں کی نگہبانی فرما رہے تھے۔ خیموں سے بار بار آنے والی العطش العطش کی صدا نے آپ کو لرزا کے رکھ دیا۔ چھوٹے چھوٹے بچے پیاس کی شدت کی وجہ سے زمین پر ایڑیاں رگڑ رگڑ کر رو رہے تھے۔ سیّدہ سکینہ نے حضرت عباس کی خدمت میں عرض کی، چچا جان! کیا اب ہمیں پانی نہ ملے گا، کیا میرا ننھا بھائی اصغر پیاس کی وجہ سے ایسے ہی روتا رہے گا۔ چچا جان کہیں سے دو گھونٹ پانی لا دو۔ بچی کی اس درخواست پر حضرت عباس نے فرمایا، بیٹی! تمہارا چچا ابھی پانی لے کر آتا ہے، چنانچہ آپ نے مشکیزہ اٹھایا اور فرات کا رُخ کیا۔ امام عالی مقام نے فرمایا، اے عباس تم کدھر جا رہے ہو؟ عرض کیا یا امام میں

پانی لینے کے لیے جا رہا ہوں۔ امام عالی مقام نے فرمایا! اے عباس! تم میرے قافلے کے سپہ سالار ہو، تم میرے لشکر کے علمدار ہو، تم حسینی خیموں کے پہرے دار ہو، تمہارے بعد علم کون اُٹھائے گا۔ حضرت عباس نے عرض کیا حضور! یہ ٹھیک ہے میں علمدار ہوں مگر وہ فوج کہاں ہے؟ مجھے اجازت دیجئے حوضِ کوثر پر میرے سپاہی میرا انتظار کر رہے ہیں اجازت مل گئی تو حضرت عباس نہرِ فرات کی جانب روانہ ہوئے اور سپاہِ یزید کے پاس پہنچے اور اتمامِ حجت کے لیے فرمایا! اے بے دینو اور بے رحم انسانو! تم نے آلِ رسول پر پانی بند کر کے درندگی اور ظلم کی حد کر دی ہے۔ تم اس ستم و ظلم کے سبب دُنیا و آخرت میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ذلیل و خوار ہو جاؤ گے۔ ابھی توبہ کا دروازہ کھلا ہے، اپنے کیے پر نادم ہو کر نواسۂ رسول کے قدموں سے لپٹ جاؤ۔

ظالموں نے آپ کی تقریر کا جواب تیروں کی بارش سے دیا۔ حضرت عباس نے نعرۂ تکبیر بلند کیا اور تلوار آبدار لے کر ان پر ٹوٹ پڑے۔ آپ کا حملہ تھا یا قہرِ خدا تھا جو یزیدیوں پر نازل ہو گیا، گھوڑے بدکنے لگے، تلواریں گرنے لگیں، لعینوں کے سر مولی گاجر کی طرح کٹ کٹ کر گرنے لگے۔ آپ اُن کا قتلِ عام کرتے کرتے فرات پر پہنچ گئے نہرِ فرات سے پانی کا مشکیزہ بھر کر کندھے پر لٹکایا اور ایک چلو میں پانی لے کر پینے کا ارادہ فرمایا، تو سکینہ کی پیاس یاد آ گئی، علی اصغر کی خشک زباں اور آہ و فغاں یاد آ گئی۔ چھوٹے چھوٹے بچوں کے خالی کوزے یاد آ گئے، تو پانی فرات میں پھینک دیا۔ پھر آپ نے اپنے گھوڑے کو پانی پینے کا اشارہ کیا تو گھوڑے نے بھی پانی پینے سے انکار کر دیا۔ حضرت مولانا حسن رضا خاں بریلوی قدس سرہ اس منظر کا نقشہ کھینچتے ہوئے فرماتے ہیں ؎

اشارہ اسپِ تازی کو کیا تھا پانی پینے کا
پیاسا گرچہ تھا گھوڑا، مگر واقف قرینے کا

لگا جب منہ سے پانی اور ہونٹوں تک تری آئی
ہٹائی خود ہی سطحِ آب سے گردن بہ رعنائی
تھا مرکب رازداں، بے شبہ ہمدرد اس کو کہتے ہیں
جمالِ ہم نشین در من اثر کرد، اس کو کہتے ہیں

پیاسے مرکب پر پیاسا غازی سوار تھا اور پیاسوں کے خیمے میں جانے کے لیے تیار تھا۔ چھوٹے چھوٹے بچوں کو پانی کا انتظار تھا، گھوڑا بھی برق رفتار تھا۔ آپ نے جلدی پانی کا مشکیزہ بھرا اور خیموں کی طرف گھوڑا دوڑایا۔ یزیدی لشکر میں شور برپا ہوگیا کہ اگر حضرت عباس پانی کا مشکیزہ لے کر خیموں میں پہنچ گئے، تو سپاہ یزید میں سے کوئی بھی زندہ واپس نہ جائے گا۔ اس کا راستہ روکو، اس کا مشکیزہ چھلنی کردو۔ پھر ہر طرف سے حملہ ہوا مگر آپ مقابلہ کرتے ہوئے خیموں کی طرف بڑھ رہے تھے۔ پھر بچوں نے علمدار کو خیموں کی طرف واپس آتے دیکھا تو سکینہ نے خوش ہو کر کہا! دیکھو وہ میرے چچا جان پانی لے کر آرہے ہیں، سب کی نظریں علم پر لگی ہوئی تھیں۔ ابھی چند لمحے ہی گزرے تھے کہ کیا دیکھتے ہیں کہ دشمنوں کی سپاہ نے مل کر ان پر حملہ کردیا ہے، علم کبھی دائیں طرف جھکتا ہے، کبھی بائیں طرف۔ اب جو علم کو ڈگمگاتے دیکھا تو سیدہ زینب نے آواز دی اے پیارے حسین! یہ کیا ہوگیا۔ امام عالی مقام نے فرمایا دیکھ تو میں بھی رہا ہوں، مگر آج میری کمر ٹوٹ گئی ہے مجھ سے چلا نہیں جاتا۔ ادھر ایک شقی نے حضرت عباس پر دھوکے سے وار کیا اور آپ کا بایاں بازو کٹ گیا۔ آپ نے فوراً مشک دوسرے کندھے پر اٹھالی۔ پھر نوفل بن ارزق نے دائیں بازو پر برچھی سے وار کیا، وہ بھی کٹ کر گر پڑا۔ اللہ تعالیٰ کے شیر کی ہمت ملاحظہ فرمایئے آپ نے مشکیزے کے تسمے کو منہ میں دبالیا اور خیموں کی طرف بڑھنے کی کوشش کی، مگر بچوں کی پیاس بجھانے کی کوئی بھی تدبیر کارگر ثابت نہ ہوئی۔ ایک بدبخت نے ایسا تیر چلایا جو مشکیزے کو چھیدتا ہوا سینہ عباس علمدار سے

پار ہو گیا۔ مجاہد بے دست و بازو کو ظالموں نے چاروں طرف سے گھیرے میں لے لیا۔ عباس زخموں سے چُور چُور ہو کر زمین پر گر پڑے اور پکارے یَا اَخَاہُ اَدْرِکْنِیْ یا حسین مجھے سنبھالنا۔

امام عالی مقام رن میں تشریف لائے۔ بھائی عباس جو کہ چند سانسوں کا مہمان تھا، آنکھ کھولی اور عرض کیا بھائی جان! میری سکینہ سے کہہ دینا کہ وہ مجھے معاف کر دے کہ میں جو اس سے وعدہ کر کے آیا تھا پورا نہ کر سکا۔ پھر آپ کی روح قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

حضرت قاسم کی شہادت

حضرت قاسم رضی اللہ عنہ کمربستہ زار وقطار روتے ہوئے جناب امام ہمام کے حضور حاضر ہوتے اور عرض کرنے لگے اے چچا جان! مجھے میدانِ جہاد میں جانے کی اجازت دے دیں۔ آپ نے حضرت قاسم کو سینے سے لگا لیا اور فرمایا اے جانِ عم! اس صحرائے درد و الم میں ایک تو میرے بھائی کی یادگار ہے، میں کس طرح تجھے اجازت دوں؛ تیری جدائی کا صدمہ مجھ سے کیسے برداشت ہو گا۔ حضرت قاسم نے جب دیکھا کہ چچا جان کی طرف سے اجازت نہیں مل رہی۔ معاً انہیں ایک تعویذ آ گیا جو شہزادۂ زمن سیدنا امام حسن نے وقتِ رحلت ان کے بازو پر باندھنے کے لیے دیا تھا اور فرمایا تھا بیٹے جب تم پر کوئی سخت ترین مصیبت اور ابتلاء و آزمائش کا وقت آ جائے تو اسے کھول کر پڑھ لینا۔ آپ نے سوچا کہ اس سے بڑی مصیبت کا دور اور کونسا ہو سکتا ہے، چنانچہ آپ نے تعویذ کو کھولا اور پڑھا جس کا مضمون یہ تھا۔ بیٹے! جب تمہارے چچا حسین مصائب و آلام میں گھرے ہوئے ہوں، تو تم ان پر فدا اور نثار ہو جانا۔

امام قاسم نے یہ تعویذ امام عالی مقام کی خدمتِ اقدس میں پیش کر کے عرض کیا کہ چچا جان! اب تو مجھے اجازت مل جانی چاہیے۔ امام پاک کی آنکھیں اشکبار ہو گئیں اور

فرمایا، بیٹا! اجازت ہے، جاؤ اپنی والدہ سے بھی اجازت حاصل کرلو۔ امام قاسم ماں کی خدمت میں حاضر ہوئے، تو آپ کی والدہ نے نورِ نظر کو دیکھ کر فرمایا بیٹا تم ابھی زندہ ہو! میں تمہاری میت دیکھنا چاہتی ہوں، میرے لال! میں تمہارا لاشہ دیکھنا چاہتی ہوں۔ امام قاسم نے عرض کیا، اماں جان! میں جا رہا ہوں۔ میں تو آپ کے سلام کے لیے آیا تھا۔ قاسم نے بڑے ادب سے سلام کیا۔ ماں نے بڑے پیار سے رخصت کیا اور جب قاسم جانے لگے تو قاسم کی ماں نے آواز دی۔ بیٹا قاسم! ذرا ٹھہرنا۔ قاسم واپس آئے تو اسے بی بی زینب کے پاس لے گئیں اور عرض کیا اے زینب! میرا بچہ جنگ کرنے جا رہا ہے، اسے اپنے ہاتھ سے دولہا بنا دو۔ سیدہ زینب نے امام عالی مقام کو بلایا امام حسین بیت الشرف میں تشریف لائے، تو قاسم کی ماں نے عرض کیا یا امام میں نے اس کے باپ حسن کا عمامہ بڑی حفاظت سے رکھا ہے۔ آج میرے قاسم کے سر پر باندھ دو اور پھر سینے سے لگا کر گھوڑے پر سوار کیا، قاسم چلے، پھر آپ نے میدانِ جنگ میں مبارز طلب کیا، مگر کسی کو ہمت نہ تھی جو سامنے آتا آخر کار ابن سعد کہنے لگا اے بہادرو! یہ محمدی شیر ہے، اس کے مقابلے میں مل کر جاؤ، تنہا ہرگز نہ جانا، مگر کوئی آگے نہ بڑھا۔ آپ نے تین مرتبہ مبارز طلب فرمایا، چوتھی بار خود ہی میمنہ پر مثلِ اجل جا پہنچے، صفیں کی صفیں الٹ دیں، پھر میسرہ پر، پھر قلبِ لشکر پر، آخر ابن سعد نے ارزق پہلوان سے کہا کہ تو یزیدی لشکر کا سپہ سالار ہے، دس ہزار دینار تنخواہ لیتا ہے، دلاورانِ شام و عراق میں تیری دھوم ہے۔ اب تم اس سے مقابلہ کرو۔ ارزق نے کہا کہ اس بچے کے ساتھ لڑائی کرنا میری شہ زوری کی توہین ہے۔ ابن سعد برہم ہوا اور کہنے لگا کہ تو اسے بچہ سمجھتا ہے، ذرا اس کے ساتھ لڑ کر تو دیکھ، تیرے سارے کس بل نکال کر رکھ دے گا۔ یہ جگر بند مصطفیٰ، لختِ جگر حسن مجتبیٰ ہے، یہ وہ شاہ زور ہے جس کے سامنے میری سپاہ کی تلواریں کند ہو گئیں اور ان کی طاقت خاک میں مل گئی۔ خدا کی قسم! اگر یہ بھوکا پیاسا نہ ہوتا تو میری ساری

سپاہ کے لیے پیامِ اجل بن جاتا اور ارزق یہ بہانے نہ بہا، جلدی کر اس کے مقابلے کرنے کے لیے میدان میں نکل۔ ارزق کہنے لگا بخدا میں اس کے مقابلے میں نہیں جاؤں گا اگر تو اصرار کرتا ہے، تو میں اپنے لڑکے کو اس کے مقابلے میں بھیج دیتا ہوں، چنانچہ امام قاسم کے ساتھ مقابلہ کرنے کے لیے ارزق کے چاروں بیٹے یکے بعد دیگرے آئے اور امام قاسم نے انہیں واصلِ جہنم کر کے دم لیا۔ اب ارزق خود تیار ہوا اور مقابلہ کرنے کے لیے میدان میں آیا اور کہنے لگا اے بچے! تو نے میرے چاروں بچوں کو مار ڈالا سے اب آ ذرا میرے ساتھ بھی لڑکر دیکھ لے۔ لڑائی شروع ہوئی، ارزق نے اپنے تلوار کھینچی۔ امام قاسم نے بھی تلوار لہرائی۔ ارزق کہنے لگا یہ تلوار تو میری ہے، تو کہاں سے لی ہے۔ فرمایا تیرا بیٹا مجھے یہ یادگار دے گیا ہے۔ کہنے لگا افسوس! یہ تلوار میں ایک ہزار دینار میں خریدی تھی۔ آپ نے فرمایا فکر مت کر اس کے شربت کا تجھے ذائقہ چکھاؤں گا۔ چنانچہ ارزق کہنے لگا میں بڑا بہادر ہوں، شام و عراق والے میری تلوار کی کاٹ کو جانتے ہیں۔ میرے فن سپہ گری کا لوہا بڑے بڑے پہلوان مان چکے ہیں۔ آپ نے فرمایا تو انتہا درجہ کا ناتجربہ کار ہے کہ گھوڑے کی تنگ کا ہوش تک نہیں، تو مجھ سے کیا لڑ سکتا ہے، اس نے جھک کر گھوڑے کے تنگ کو دیکھا۔ آپ نے للکار کر ایک ہی وار کیا اور اس شقی کو بھی واصلِ جہنم کر دیا، پھر خود ہی لشکرِ یزید پر ٹوٹ پڑے، کئی کوفیوں کو فی النار کیا اور آخر چاروں طرف سے گھر گئے۔

امام عالی مقام ایک ریت کے ٹیلے پر کھڑے یہ منظر دیکھ رہے تھے۔ زینب دروازے میں کھڑی تھیں۔ قاسم کی نظر فوجوں پر، حسین کی نظر قاسم پر، زینب کی نظر حسین پر، قاسم کی ماں نظر زینب کے چہرے پر۔ قاسم کی ماں مصلے پہ بیٹھی تھیں، یہاں سے وہاں تک نظر کا ایک تار بندھ گیا اور ابھی چند لمحے گزرے ہوں گے جو قاسم گھوڑے سے گرے، حسین ٹیلے سے گرے، زینب دروازے میں گریں، قاسم کی ماں سجدے میں گریں۔۔۔

یااللہ! تیرا شکر ہے تو نے میری قربانی قبول کرلی۔ فوج میں نقارے بجنے لگے، خوشی سے اشقیاء نے طبل بجانے شروع کیے، ادھر سیدوں کے خیموں میں کہرام برپا ہوا۔ قاسم کی اماں جان نے کہا۔ بیبیو! روؤ نہیں! یہ جو طبل بج رہے ہیں میرے بیٹے کی موت کے نہیں، بلکہ ؎

باجے والوں کی صدا زیرِ قنات آتی ہے

کیا لاشہ ہے میرے بچے کی بارات آتی ہے (میرانیس)

قاسم کی ماں نے امام عالی مقام کی خدمت میں عرض کی یا امام میرے قاسم کی لاش لے آؤ۔ میں ایک مرتبہ اپنے جنتی دولہا کو دیکھنا چاہتی ہوں۔ امام میدان میں پہنچے قاسم کے لاشے پر گھوڑے دوڑ رہے تھے، جسمِ مطہر ٹکڑے ٹکڑے ہو چکا تھا۔ امام فرماتے ہیں قاسم بیٹا! مجھے معاف کردو، میں ذرا دیر میں پہنچا، تیری ماں سے تیری نعش لانے کا وعدہ کرکے آیا ہوں، اب لاشہ اٹھانے کے قابل نہیں رہا۔ یہ کہہ کر امام عالی مقام نے اپنی عبا بچھائی اور جسمِ مطہر کے ٹکڑے اٹھا اٹھا کر عبا میں رکھے اور گھٹڑی کی طرح باندھ کر خیموں میں لے آئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

علی اکبر کی شہادت

حضرت امام قاسم کے بعد آپ کے نورِ نظر حضرت علی اکبر رضی اللہ عنہ حاضرِ خدمت ہوئے۔ میدانِ جنگ میں جانے کی اجازت طلب کی۔ عجیب وقت ہے کہ اٹھارہ سال کی کمائی کا ثمر شفیق باپ کی خدمت میں عرض کرتا ہے کہ مجھے جان قربان کرنے کی اجازت دی جائے، بلکہ اس پر اصرار کر رہا ہے۔ یہ وہ شہزادہ علی اکبر ہے جس کی ہر خواہش پوری کی جاتی تھی جس کو مہربان باپ نے کبھی مغموم نہیں دیا، جس کے سوال کو کبھی رد نہیں کیا گیا تھا، مگر آج اس کو اجازت دیں، تو کس بات کی، اس کا سوال مانیں تو کس طرح، مگر اس شہادت کے آرزو مند کا اصرار اس قدر بڑھا اور اس کو شوقِ شہادت نے ایسا وارفتہ کردیا کہ امام عالی مقام

کو اجازت دینا ہی پڑی۔ پھر چشمِ فلک نے یہ نظارہ بھی دیکھا کہ بوڑھا باپ جو صبح سے لاشوں کو اٹھا اٹھا کر تھک چکا تھا، اس نے کس حوصلے کے ساتھ اپنے اٹھارہ سال کے نوجوان بیٹے کے سہرا اپنے ہاتھوں سے دستار باندھی، ہاتھ میں تلوار دی اور پھر اپنی بہن زینب سے کہا، بہن آ میرے دولہا کا آخری مرتبہ نظارہ کرلے۔ اے سکینہ! اپنے بھائی کی آخری بار زیارت کرلے۔ پھر وہ سماں بھی چشمِ فلک نے دیکھا، جب جوان علی اکبر اپنے بھائی زین العابدین بیمار کو آخری سلام کرنے کے لیے خیمے میں گئے ؎

دیتے تھے اہل بیت دہائی امام کی
تصویر جا رہی ہے خیر الانام کی

حسینی دولہا گھوڑے پر سوار ہوا اور یہ کہتے ہوئے میدان میں آتے ؎

علی اکبر ہے میرا نام دادا مرتضیٰ میرا
سخی لجپال کا بیٹا ہوں نانا مصطفیٰ میرا
شبیہ مصطفیٰ کہتے ہیں مجھ کو سب جہاں والے
زمیں والے فلک والے مکاں و لامکاں والے
علی اکبر ہوں اہل بیت کے گھر کا گداگر ہوں
میں کعبے کا پجاری ہوں مدینے کا مسافر ہوں

آپ نے میدانِ کرب و بلا میں اپنی تلوار کو لہرایا اور یہ رجز پڑھا ؛

انا علی ابن حسین ابن علی اھل البیت اولی النبی

جس وقت آپ نے یہ رجز پڑھا، تو میدانِ کربلا کا ذرّہ ذرّہ کانپ اٹھا، پھر فرمایا اے اولادِ رسول اللہ کے خون کے پیاسے یزیدیو! آؤ میدان میں آؤ۔ شیرِ حیدری کی للکار سنی تو لشکرِ اعداء میں سے کسی کو بھی مقابلہ میں آنے کی جرأت نہ ہوئی، بالآخر آپ خود ہی یزیدی فوج پر حملہ آور ہو گئے اور آپ کی تلوار ان پر قہرِ خدا بن کر برسی، پھر

حسینی شیر نے جس طرف رُخ کیا، صفوں کی صفیں اُلٹا دیں۔ جب لڑتے لڑتے شدتِ پیاس سے نڈھال ہو گئے اور واپس خیموں کی طرف آئے اور عرض کی یَا اَبَتَاہُ اَلعَطَش ابا جان! پیاس کے غلبہ کی وجہ سے سخت بیتاب ہوں۔ امام عالی مقام نے اپنے بیٹے کی پیاس دیکھی، مگر یہاں پانی کہاں تھا جو اس تشنۂ شہادت کو دیتے۔ دستِ شفقت سے چہرۂ انور کا گرد و غبار صاف کیا اور فرمایا بیٹا! اب تمہاری پیاس ختم ہونے کا وقت آگیا ہے۔ اب ساقیٔ کوثر کے ہاتھ سے جامِ کوثر پیا اور اس کے بعد تمہیں پیاس نہ ستائے گی۔ بیٹا! میں جب کبھی پیاسا ہوتا تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے منہ میں زبان مبارک دے دیا کرتے تھے۔ آج اس پیاس کی حالت میں تم میری زبان چوس لو تمہیں تسکین ہو جائے گی۔ آپ نے زبانِ اقدس کو چوسا اور قدرے تسکین ہو گئی اور علی اکبر جوان پھر میدان کارزار کی طرف روانہ ہوئے اور لشکرِ اعداء کو للکارا، عمرو بن سعد آپ کی تلوار کی کاٹ دیکھ چکا تھا تمام یزیدی فوج کو اس شیر کی طاقت و جرأت کا اندازہ ہو چکا تھا۔ اب کون تھا جو اس مردِ آہن کے مقابلے کے لیے باہر نکلتا۔ عمرو بن سعد نے کہا اے سپاہ کوفہ و شام تم میں سے کون ہے ؟ جو ان کا سر کاٹ لائے اور اسے انعام کے طور پر موصل کی حکومت دی جائے گی۔ اس اعلان نے طارق بن شیث کو پاگل کر دیا۔ یہ شقی آپ کے مقابلے کے لیے آیا، انعام کے لالچ نے اسے اندھا کر دیا تھا۔

ہاشمی شہزادے سے مقابلہ ہوا، سیفِ اکبری چمکی اور ایک ہی وار نے اُسے جہنم کی غیّ وادی میں پہنچا دیا۔ پھر اس شقی کے لڑکے جو فِی انتقام میں آپ کے مقابلے میں آئے۔ آپ نے انہیں بھی فی النار کر دیا۔ کوفی بھاگنے شروع ہوئے۔ آپ نے اور بھی کئی کوفیوں کو واصلِ جہنم کیا۔ بالآخر اشقیاء مل کر آپ پر حملہ آور ہوئے مگر قربان جائیں آپ کی ہمت و شجاعت پر کہ آپ نے پوری جوانمردی کے ساتھ ان کا مقابلہ کیا۔ آخر کار ایک شقی القلب نے دھوکے سے آپ پر نیزے کا وار کر دیا

جو آپ کے سینۂ مبارک سے پار ہو گیا۔ جناب علی اکبر گھوڑے کی زین سے گرے اور پکارا
یَا اَبَتَاہُ اَدْرِکْنِیْ ؎

نیزے سے کس کے لال کا زخمی جگر ہوا
کہتے ہیں کس کی لاش کو پامال اہل شر
کہتا ہے کوئی رن میں تڑپ کر پدر پدر
خیمے سے نکلے کہتے ہائے میرا پسر
پایا تھا مدتوں میں جسے خاک چھان کے
وہ لعل ہم نے کھو دیا جنگل میں آن کے

امام عالی مقام جوان بیٹے کے خاک و خون میں لتھڑے ہوئے جسم انور کے پاس
پہنچے اور اپنے شہزادے کا سر اقدس جھولی میں رکھا اور علی اکبر نے آنکھ کھولی ؎

اکبر نے آنکھیں کھول کر دیکھا رُخِ پدر
سوکھی زباں دکھائی کہ پیاسا ہوں اے پدر
زردی اجل کی چھا گئی چہرے پہ سر بسر
دو بار لی کراہ کے کروٹ اِدھر اُدھر
دُنیا سے انتقال ہوا نورِ عین کا
ہنگامہ ظہر تھا کہ لُٹا گھر حسینؑ کا

اٹھارہ سال کے نوجوان بیٹے نے خون میں نہا کر پیاس کے عالم میں باپ کی گود
میں دم توڑ دیا۔ آپ نے شہزادے کے جسم پاک کو اٹھایا اور خیموں میں لائے تو ایک
کہرام برپا ہو گیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ۰

جدوں لاش اکبر دی خیمے چہ آئی سکینہ نے رو رو کے پائی دوہائی
ہٹو اگوں مینوں وی ویکھن تے دیہو کیوں سہرے لا میرا ویر آگیا اے

تیغوں سے پاش پاش ہے سب جسمِ نازنین
رکھیو با احتیاط اسے دامن میں اے زمین
ہے یہ اٹھارہ سال کی ہے دولت حسین کی
اب ہے تیرے سپرد امانت حسین کی

شہادت علی اصغر

جب تمام جاں نثار ایک ایک کر کے نواسۂ رسول جگر گوشۂ بتول پر اپنی جانیں قربان کر چکے تو حضرت امام عالی مقام خیمے میں تشریف لائے تو کیا دیکھتے ہیں کہ آپ کے چھ ماہ کے فرزند ارجمند حضرت علی اصغر رضی اللہ تعالیٰ عنہ شدتِ پیاس سے بے تاب ہیں اور یہ چھوٹا سا بچہ جب اپنی خشک زبان اپنے خشک ہونٹوں پر پھیرتا ہے، بے چینی سے ہاتھ پاؤں مارتا ہے، تو ماں کی مامتا تڑپ کر رہ جاتی ہے۔ پھر کبھی ماں کے چہرے کی طرف دیکھتا ہے، کبھی اپنی سوکھی زبان دکھاتا ہے، اسے کیا معلوم تھا کہ ظالموں نے پانی بند کر دیا ہے، ماں کا دل بچے کی بے چینی دیکھ کر بے چین ہو جاتا ہے۔ امام پاک کی زوجہ محترمہ جناب سیدہ فاطمہ کی بہو اور علی اصغر کی والدہ ماجدہ نے امام عالی مقام کی خدمت عرض کیا اے میرے سرتاج میرا دودھ خشک ہو چکا ہے، پانی کا قطرہ تک نہیں، مجھ سے اس بچے کا رونا تڑپنا دیکھا نہیں جاتا۔ میرا کلیجہ پاش پاش ہو رہا ہے۔ خدارا اس کو لے جایئے اور ان سنگدلوں کو میرا بچہ دکھایئے، وہاں کئی لوگ صاحب اولاد ہوں گے، ہو سکتا ہے کہ میرے لال کی حالت دیکھ کر کوئی اس کے حلق میں دو قطرے پانی ڈال دے اور اس شیر خوار کی جان بچ جائے حضرت رباب کی درخواست پر امام عالی مقام علی اصغر کو سینے سے لگا کے سیاہ دل دشمنوں کے سامنے اور فرمایا ؎

ان پھول سے رخساروں کے کملانے کو تو دیکھو
گہوارے سے میداں میں چلے آنے کو تو دیکھو

ان سوکھے ہوئے ہونٹوں کے مرجھانے کو تو دیکھو
غش آنے کے اور سانس اُلٹ جانے کو تو دیکھو
ناحق ہے عداوت تمہیں ناندوں کے پیلے سے
پھر دو گے تو پانی بھی نہ اترے گا گلے سے

فرمایا اے جفا کارو! میں تمہارے نبی کا نواسہ ہوں اور یہ ننھا سا پھول میرا لختِ جگر ہے۔ اس کا منکا ڈھل چکا ہے، اس کی آنکھیں پتھرا چکی ہیں، یہ زندگی کے آخری سانسوں کا مہمان ہے۔ بچوں پہ تو کافروں کو بھی رحم آجاتا ہے اور تم مسلمان کہلاتے ہو اور تمہیں یہ بھی معلوم ہے کہ یہ بچہ کون ہے ؎

یہ کون بے زبان ہے تمہیں کچھ خیال ہے
درِ نجف ہے بانوئے بے کس کا لال ہے
لو مان لو تمہیں قسم ذوالجلال ہے
بطحا کے شہزادے کا تم سے سوال ہے
تم کو قسم ہے روحِ رسالت مآب کی
ٹپکا دو اس کے حلق میں دو بوند آب کی

افسوس! شقی القلب انسانوں کے دل اتنے پتھر ہو چکے تھے کہ انہوں نے اس ننھے شیر خوار اور چند سانسوں کے مہمان پر بھی رحم نہ کیا، بلکہ ؎

اگوں حرملہ نے ماریا تیر ایسا رحم آیا نہ ذرا بے پیر تائیں
روندا خیمیاں وِل حسین مڑیا نالے حلق تھیں کھچدا تیر تائیں

ازلی بدبخت حرملہ نے تیر مارا جو علی اصغر کے حلق سے گزر کر امام عالی مقام کے بازو پر جا لگا۔ امام عالی مقام نے وہ تیر علی اصغر کے حلق سے کھینچا اور معصوم نے ایک چھوٹا سا آخری سانس لیا اور ہمیشہ ہمیشہ کے لیے میٹھی نیند سو گیا۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَیْهِ رَاجِعُوْنَ۔

پھٹ گئے جگر پہاڑاں دے وی کنب گیا جگ سارا
جد اصغر دے نازک حلقوں چھٹا خون فوارا
صدقے صبر تیرے توں صائم سید شاہ اسوارا
جان دتی پر آن نہ دتی حیدر دے دلدارا

پھر ننھے شہید کو امام عالی مقام نے اٹھایا اور خیموں کی طرف تشریف لاتے، سکینہ خوش ہو گئیں کہ شاید پانی مل گیا ہے، اس لیے کہ جب جناب علی اصغر کو خیموں سے لے جایا گیا تھا تو وہ رو رہے تھے اور اب آپ خاموش تھے۔ مگر امام عالی مقام نے خیمے میں پہنچ کر اپنے لختِ جگر کے چہرے سے کپڑا ہٹاتے ہوئے فرمایا، میرے اصغر کو فرات کا پانی نہیں، حوضِ کوثر کا پانی ملا ہے۔ اس مظلوم و معصوم کی نعش مبارک کو دیکھ کر خیموں میں کہرام برپا ہو گیا ہے

قبر چھوٹی سی کڈھ کے آپ حضرت علی اصغر نوں ہتھیں دفنا دتا
لے ہن مالکا جیویں رضا تیری دامن جھاڑ حسین وکھا دتا

شہادت امام عالی مقام علیہ السلام

ساعتِ آہ و بیکلی بے قراری آ گئی — سیدِ مظلوم کی رن میں سواری آ گئی
ساتھ والے بھائی بیٹے ہو چکے ہیں جب شہید — اب امامِ بیکس و تنہا کی باری آ گئی

(مولانا حسن رضا خاں بریلوی)

کربلا میں آپ کے تمام عزیز و اقارب محب و جاں نثار جامِ شہادت نوش کر چکے ہیں۔ خاندانِ رسالت کے ایک پھول امام زین العابدین بسترِ علالت پر لیٹے ہوئے نظر آ رہے ہیں۔ امام عالی مقام نے خود میدانِ جنگ جانے کی تیاری فرمائی۔ مصری قبا زیبِ تن فرمائی اور عمامہ سر پر باندھا، پھر ذوالفقارِ حیدری کو دستِ اقدس میں لیا۔

پھر سیدہ زینب سے فرمایا: اے میری پیاری بہن! تو مدینہ منورہ کی پرکیف گلیوں سے لے کر مکہ معظمہ کے حسین بازاروں تک اور پھر مکہ معظمہ سے کربلا کے تپتے ہوئے ریگستانوں تک تو نے اپنے بھائی کا ساتھ دیا ہے، تیری اس وفاداری پر تمام جہان کی عورتیں فخر محسوس کرتی رہیں گی۔ پیاری بہن! اب میرے امتحان کا وقت ختم ہونے والا ہے اور تیرا امتحان شروع ہونے والا ہے۔ تو نے میرے جوان علی اکبر کو قربان ہوتے دیکھا علی اصغر کو تیر کھاتے دیکھا، قاسم کی جوانی لٹتی دیکھی۔ عباس کے بازو کٹتے دیکھے، اپنی گود خالی ہوتی دیکھی، اپنے جگر کے ٹکڑوں کو ٹکڑے ٹکڑے دیکھا۔ تو نے کرب وبلا کا خونی منظر دیکھا، مگر صابرہ شاکرہ رہی۔ اے بہن جب تو اپنے بھائی کا سر تن سے جدا ہوتے دیکھے تو صبر کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑنا۔ مجھے معلوم ہے کہ اس تپتے ہوئے ریگستان میں قافلے کے ساتھ پیدل چلنا پڑے گا۔ پھر تمہیں قید وبند کی صعوبتیں برداشت کرنا ہوں گی، پاؤں میں بیڑیاں اور ہاتھوں میں زنجیریں پہنائی جائیں گی، مگر اے بہن! تم صابروں کی اولاد ہو، صابروں کی ماں ہو اور صابر کی بہن ہو، لہٰذا صبر کرنا۔

میں اپنی بچی سکینہ کو تمہارے سپرد کرتا ہوں، اسے رونے اور احساسِ یتیمی نہ ہونے دینا، پھر جب میرے نانے کے مدینہ میں جاؤ، تو نانا جان کے دربارِ گوہربار میں میرا سلام عرض کرنا۔ پھر امام عالی مقام اپنے بیمار بیٹے امام زین العابدین کے پاس تشریف لے گئے۔ کیا دیکھتے ہیں حضرت زین العابدین بھی میدان کربلا میں سر کٹانے کے لیے بسترِ علالت سے اٹھنے کی کوشش کرتے ہیں، مگر بیماری کی وجہ سے اٹھنے کی طاقت نہیں رہی، جسمِ اطہر نڈھال ہو چکا ہے۔ آپ نے فرمایا: بیٹا سجاد! تم بیمار ہو، آرام کرو، تمہارا میدان میں جانے کا وقت نہیں۔ تم اگر میدان میں جاؤ گے تو ان پردہ نشینوں کا پہرہ کون دے گا۔ قافلہ مدینہ منورہ میں کون لے جائے گا۔ بیٹا! تم سے حسینی سیدوں کا سلسلۂ نسب چلے گا۔ راہِ خدا میں جو بھی مصیبت آجائے، برداشت

کرنا اور صبر و رضا کا دامن نہ چھوڑنا اور میرے نانا جان کی شریعت مطہرہ پر کاربند رہنا۔
جب مدینہ منورہ میں پہنچو، میرے نانا جان اور میری امی جان کی خدمت میں میرا سلام کہنا
اور میری نورِ نظر لختِ جگر پیاری بیٹی صغریٰ کو میری طرف سے دستِ شفقت اور پیار دینا۔
پھر امام عالی مقام نے اپنی دستارِ مبارک جناب سجّاد کے سرِ اقدس پر باندھی
اور پھر اس پیکرِ صبر و رضا، بیمارِ کربلا کو بسترِ علالت پر لٹا دیا۔ پھر میدانِ جنگ کی طرف
روانگی کا وقت آ گیا تو اس دردناک منظر نے پردہ نشینوں کے دل کو لرزا کے رکھ دیا
آپ کی پیاری بچی حضرت سکینہ آپ سے لپٹ گئی اور روتے روتے عرض کیا، بابا جان!
آپ وہاں جا رہے ہیں جہاں سے کوئی زندہ واپس نہیں آیا۔ میرے بابا! سکینہ یتیم
ہو جائے گی، بے سہارا ہو جائے گی۔ ہمیں مدینہ شریف کون پہنچائے گا۔ امام عالی مقام
نے بچی کو تسلی دی۔ پھر میدانِ جنگ کی طرف چلنے لگے، تو سوار ہوتے وقت الوداع
کہنے والا کوئی نہ تھا۔ کچھ بیکس و بے بس یتیموں اور پردہ نشین خواتین کی آہیں تھیں کچھ
بچوں کی یتیمی، بیوہ عورتوں کی بے بسی کا احساس آپ کا دامن تھامے ہوئے تھی۔ آنسوؤں
کا غیر منقطع سلسلہ آپ کے راہ میں چھڑکاؤ کر رہا تھا۔ چلتے وقت امام عالی مقام کی آنکھیں
اس خیال سے پرنم ہو گئیں ؎

جدوں معراج نبی نوں ہویا جبرائیل براق تھمایا
جدوں علی دل خیبر چلے نبی پاک آپ چڑھایا
کوئی نہیں رہ گیا واگاں پکڑن والا جدوں زر حسین دا آیا
خیمے چوں بی بی زینب نکلی منہ تے برقعہ پایا
تھم رُکاب گھوڑے دی آکھے لے چڑھ امڑی دیا جایا

امام عالی مقام نے اہلِ خیمہ کو الوداع کہا اور میدانِ کارزار کی طرف چل پڑے

مظلوم کربلا سید الشہداء نے میدان کرب کو چاروں طرف دیکھا، ہر طرف دشمن تلواریں لیے کھڑے تھے۔ آپ نے اتمام حجت کے لیے فرمایا:

"اے کوفہ والو! میں اسی رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا نواسہ ہوں جس کا تم کلمہ پڑھتے ہو اور امام الانبیاء شہنشاہِ ہر دو سرا صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ حسن اور حسین میرے دونوں نواسے اہلِ بہشت کے سردار ہیں۔ تم میں سے کون ہے جو اس فرمانِ مصطفٰے سے انکار کر سکے۔ بے غیرت انسانو! حیا کرو، روزِ قیامت میرے خونِ ناحق کا مالک الملک کے سامنے کیا جواب دو گے؟ اپنے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا گھر اجاڑنے والو اپنے عبرتناک انجام کو سوچ لو۔ تم لوگوں نے خود قاصد اور خطوط بھیجے اور ہم نے اعتماد کیا اور یہاں چلے آئے اور تم نے چمن زہرا کے لہلہاتے ہوئے پھولوں کو کاٹا، تم نے میرے جاں نثاروں اور بچوں کو پیاسا شہید کیا۔ اب بھی وقت ہے توبہ کرلو اور میرے خون سے اپنے ہاتھوں کو رنگین نہ کرو۔"

یزیدیوں نے جواب دیا آپ یزید کی بیعت قبول کرلیں، ورنہ جنگ کے لیے تیار ہو جائیں۔ راکبِ دوشِ مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا یہ سر کٹ تو سکتا ہے مگر کسی فاسق و فاجر کے سامنے جھک نہیں سکتا۔ یزید پلید کی بیعت واطاعت سے میرا انکار ہے، پھر لشکرِ اعداء سے ابن سنان نے تیر چلایا جو امام عالی مقام کے سر کے اوپر سے گزر گیا، چنانچہ حق کے علمبردار ہاشمی شہزادے، شیر خدا کے نورِ نظر نے ذوالفقار حیدری کو جنبش دی۔ ابن سنان بڑے تکبر و غرور کے ساتھ لڑنے کے لیے نکلا۔ ذوالفقار حیدری نے اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے۔ پھر اس کا بھائی بدلہ لینے کے لیے نکلا، آپ نے اسے بھی واصلِ جہنم کر دیا۔ یکے بعد دیگرے آٹھ کوفیوں کو واصل جہنم کیا۔ ہاشمی شہزادے کے اندازِ جنگ کو دیکھ کر عمرو بن سعد پکار اٹھا کہ اس کے مقابلے کو ایک ایک کرکے نہ جاؤ، بلکہ مل کر ہر طرف سے حملہ کرو۔ چنانچہ چاروں طرف سے حملہ ہوا، مگر

علی کے شیر کی تلوار صاعقہ کی طرح قہر خدا بن کر ٹوٹی، پورے لشکر میں ہل چل مچ گئی اور ہر کوئی کو جان کے لالے پڑ گئے۔ عمر و پکارا یزیدیو سپاہیو تمہاری سپہ گری کہاں غارت ہو گئی۔ ایک دم مل کر تیروں کی بارش کر دو، چنانچہ ہر طرف سے تیروں کی بارش ہو گئی ۔

چلتے تھے چار سمت سے بھالے حسین پر ۔۔۔ ٹوٹے ہوئے تھے برچھیوں والے حسین پر
یہ دکھ درد تھے نبی کے پالے حسین پر ۔۔۔ قاتل تھے خنجروں کو نکالے حسین پر
تیر ستم نکالنے والا کوئی نہ تھا ۔۔۔ گرتے تھے تو سنبھالنے والا کوئی نہ تھا

بالآخر ایک ملعون نے تیر چلایا جو پیشانیٔ امام پر لگا۔ یہ وہ پاک پیشانی تھی جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چوما کرتے تھے۔ آپ کو ایک چکر آ گیا۔ ایک شقی نے دھوکے سے برچھے کا وار کیا، نواسہ رسول، شیر خدا کا نور نظر، خاتون جنت لخت جگر زخموں سے چور ہو کر زمین پر گر گیا ۔

بے دل ہو ائیج ڈگا جیویں ڈگ پیا ورق قرآن ۔۔۔ بے ادبی دی حد ہو گئی اک کوک اٹھی اسمانوں
اج جنازہ مہر و وفا دا اٹھ چلیا ایس جہانوں ۔۔۔ اعظم صبر حسین دا دیکھیں نہیں کیتی ٹلے زبانوں

شمر لعین بے دین آگے بڑھا اور امام پاک کے سینۂ اطہر پر سوار ہو گیا۔ زخمی شیر نے للکار کر کہا کہ کون ہے؟ کہنے لگا شمر ہوں۔ فرمایا تیرا کیا ارادہ ہے؟ اس نے کہا آپ کو شہید کرنے کا۔ فرمایا وقت کونسا ہے؟ کہنے لگا جمعے کا۔ فرمایا پھر ذرا ٹھہر جا مجھے اپنے رب کی نماز پڑھ لینے دے خون سے وضو تو پہلے ہی ہو چکا تھا، نماز شروع فرمائی اور جب سجدہ کیا ظالم نے آپکا سر تن سے جدا کر دیا

شمر کا خنجر گلوئے خشک پہ چلتا رہا ۔۔۔ شمع حق روشن رہی حق کا دیا جلتا رہا

ظالموں نے آپ کو شہید کر دیا، اس پر بھی بس نہیں کی، بلکہ انہوں نے سر انور نیزے پر چڑھا دیا۔ صدقے جاؤں سیدہ کے لال پہ جس نے نوک نیزہ پر بھی قرآن کریم کی تلاوت کی ۔

شبیر دے لوں لوں وچ صائم قرآن اج رچیا ہو یاسی
سر نیزے چڑھیا ہو یاسی، قرآن دی کر تفسیر گیا

پھر ان سنگ دلوں نے خیموں کو لوٹنا شروع کر دیا ۔

خیمیاں اندر پردے داراں دھوپ بجھے سیس فرائے
بیدرداں نوں ترس نہ آیا اونہاں خیمے سارے جلائے

چیخ پکار پئی ہر پاسے سب خیمیوں باہر آئے
اعظم اج پردیسی ہو گئے آ دیکھو علی دے جائے

اسی بیکسی کے عالم میں رات ہو گئی، شہدائے کرام کی لاشیں بے گور و کفن پڑی تھیں جنہیں دفن کرنے والا کوئی نہیں تھا۔ ایک بیمار زین العابدین اور باقی پردہ دار عورتیں اور بچے تھے۔ یزیدی جشن منا رہے تھے۔ ادھر سیدہ زینب سلام اللہ علیہا نے شہدائے کرام کے مقدس لاشے یکجا کئے۔ جب اپنے بھائی کا بے گور و کفن لاشہ دیکھا تو آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے، لاشے سے لپٹ گئیں اور روتے روتے عرض کیا ؂

دس نزدیوں ویران میرے اج بھین تیری مجبور اے
کتھوں لیاواں میں کفن تیرا ایتھوں شہر مدینہ دور اے

المختصر رات گزری، نماز فجر کے وقت ابھی نماز سے فارغ ہی ہوئے

قافلہ

تھے کہ ظالموں نے اس لٹے ہوئے قافلے کو قیدی بنا لیا۔ امام زین العابدین بیمار کو ہتھکڑیاں اور بیڑیاں ڈال دیں، پردہ نشین بیبیوں اور یتیم بچوں کو قیدی بنا کر اونٹوں پر بٹھا لیا اور پھر قافلے کو کوفے کی جانب لے کے چلے۔ کوفے پہنچ کر بازاروں میں پھرایا گیا پھر یزید کے دربار میں پہنچایا گیا۔ ملعون یزید کے دربار میں اس لٹے ہوئے قافلے کے ساتھ جو بدسلوکیاں کی گئیں، وہ بیان سے باہر ہیں۔

تاریخوں میں آتا ہے کہ یزید پلید کے ظلم و ستم اور وحشت و بربریت کو دیکھ کر اہل شام بھی اس کی مخالفت کو اتر آئے۔ ان حالات کے پیش نظر اس بدبخت ازلی نے خاندانِ مصطفےٰ کو مدینہ منورہ روانہ کر دیا۔

لٹا ہوا قافلہ مدینۂ رسول کی طرف جا رہا تھا۔ مدینہ شریف کا سفر گھٹتے گھٹتے چند منزل ہی باقی رہ گیا تھا۔ ابھی پہاڑوں کے جگر کانپ رہے تھے، زمین تھرتھرا رہی تھی، آسمان کا کلیجہ دہل رہا تھا، کربلا کے فریادی مالکِ کونین کے دربار میں جا رہے تھے۔

قافلے میں حسین نہیں، اس کا بیمار عابد تھا، یتیم بچے تھے، شہدار کی بیوگان تھیں۔ بالآخر قافلہ چلتے چلتے جب دوپہر کے وقت مدینہ شریف کی حدود میں داخل ہوا، لب فریادیوں کا حال بدلنے لگا، سینے کا درد اور بڑھنے لگا، جیسے جیسے کوئے رسول نزدیک آرہا تھا، دل کی دھڑکنیں تیز ہو رہی تھیں۔ کچھ دیر کے بعد مدینہ شریف کی پہاڑیاں نظر آنا شروع ہو گئیں، پھر کھجوروں اور سبزہ زار وادیاں دکھائی دینے لگیں۔ جب مدینہ منورہ کی آبادی نظر آئی، تو صبر کے پیمانے لبریز ہو کر چھلکنے لگے۔ سیدہ زینب اور عابد بیمار ضبط جذبات کی تاب نہ لا سکے، ان کی پُر درد آہوں سے زمین تھرتھرانے لگی۔ ایک سوار نے سیدوں کے لٹے ہوئے قافلے کو دیکھا، تو اس قافلے کے مدینہ شریف واپس آرہا ہے۔ یہ خبر کا سننا تھا کہ مدینہ شریف میں کہرام برپا ہو گیا۔ لوگ روتے ہوئے مدینہ منورہ سے باہر آئے۔ جوں ہی سیدوں کے قافلے پر نظر پڑی تو آہ و فغاں کی صدائیں بلند ہونے لگیں، لوگ دھاڑیں مار مار کر رونے لگے۔ پھر روضۂ رسول پہنچ کر بھائی جان کا سلام پیش کرنے کے بعد عرض کیا، نانا جان! آپ کا سارا کنبہ لٹ گیا۔ آپ کے نواسے اور آپ کے لاڈلے حسین کو آپ کا کلمہ پڑھنے والوں نے شہید کر دیا۔ آپ کی اُمت نے میری گود خالی کر دی، علی اصغر کو پیاسا شہید کر دیا، عباس علمدار کے بازو کاٹے، علی اکبر اور امام قاسم کو پیاسا شہید کر دیا

حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی یہ فریاد سننے والوں کے کلیجے پھٹ گئے۔

حضرت صغریٰ بیمار بار بار اپنی والدہ اور پھوپھی سے پوچھنے لگیں ہمارے بابا جان کہاں ہیں؟ عون و محمد، قاسم و عباس کہاں ہیں؟ اور علی اکبر اور ننھا علی اصغر کہاں چھوڑ آئی ہیں؟ بالآخر درد و الم کا مارا سیدوں کا یہ قافلہ اپنے اپنے گھروں میں سکونت پذیر ہو گیا ——————

واقعاتِ شہادت اِن کتب سے اخذ کئے گئے ہیں: آئینۂ قیامت، اوراقِ غم، سوانحِ کربلا، شہیدِ ابنِ شہید

شانِ اولیاؒ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ مَنْ قَالَ تِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِیْ نُوْرِثُ
مِنْ عِبَادِنَا مَنْ كَانَ تَقِيًّا ۔ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى حَبِيْبِهٖ
مُحَمَّدِنِ الْمُصْطَفٰى وَعَلٰى اٰلِهِ التُّقٰى وَصَحْبِهٖ نُجُوْمِ الْهُدٰى
اَجْمَعِيْنَ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ اَبَدًا اَبَدًا ۔ اَمَّا بَعْدُ ۔
فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۔
اَلَا اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۔
صَدَقَ اللّٰهُ مَوْلٰنَا الْعَظِيْمُ ۔ وَصَدَقَ رَسُوْلُهُ النَّبِيُّ الْكَرِيْمُ ۔

معزز سامعین کرام! آج میں نے آپ کے سامنے قرآن مجید فرقانِ حمید کے گیارہویں پارہ کی ایک آیہ کریمہ کی تلاوت کی ہے۔ اللہ تعالیٰ جل مجدہٗ الکریم کا ارشادِ گرامی ہے:

اَلَا اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۔ (پ ۱۱ ع ۱۲)

خبردار بے شک جو اللہ تعالیٰ کے ولی ہیں، ان پر نہ کوئی خوف ہے اور نہ کوئی غم۔

بزرگو، دوستو! اس آیہ مقدسہ میں خداوند قدوس جل شانہٗ نے شانِ اولیاء کرام بیان فرمائی ہے کہ اے جہان والو! خبردار جو میرے برگزیدہ بندے ہیں جن حق پرستوں کو میرا قرب حاصل ہے، ان پر نہ کوئی خوف اور نہ ہی کوئی غم ہے۔ سبحان اللہ! فرمانِ خداوندی سے معلوم ہوا کہ اولیاء عظام کی وہ مقدس و مطہر جماعت ہے، یہ وہ متقی اور پرہیزگار لوگوں کی جمعیت ہے کہ جن کے دلوں میں خشیتِ الٰہیہ ایسی رچ بس چکی ہے کہ اب ان پر سوائے اپنے خالق و مالک جل و علا کسی سے نہ تو کوئی خوف ہے اور نہ ہی کسی شے کا غم ہے۔ انہیں کسی قسم کا

خوف وغم ہو بھی کیسے سکتا ہے، جبکہ ان کے ساتھ اللہ تبارک و تعالیٰ نے وعدہ فرما رکھا ہے

نَحْنُ اَوْلِیٰٓـؤُكُمْ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَ فِی الْاٰخِرَةِ ۔ (پ ۔ ع) ہم تمہارے دنیا و آخرت کی زندگی میں مددگار ہیں۔

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِیْنَ ٥ (پ ۔ ع) اور جان لو کہ بے شک اللہ تعالیٰ متقین کے ساتھ ہے۔

حضرات! اللہ تبارک و تعالیٰ جل مجدہ الکریم اپنے مقبول بندوں یعنی متقی اور پرہیزگار لوگوں کا دُنیا و آخرت میں حامی و ناصر اور مددگار ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ جن کا مددگار ہو تو پھر ان کو کسی کا خوف اور کسی شے کا غم کیسے ہو سکتا ہے۔ اولیاء اللہ قربِ حق کی وجہ سے لَاخَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ہیں۔ وہ خدا تعالیٰ سے ڈرتے ہیں اور مخلوقِ خدا ان سے ڈرتی ہے۔ تاجدارِ مدینہ سرورِ سینہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمانِ عالیہ ہے:

مَنْ عَادٰی لِیْ وَلِیًّا فَقَدْ اٰذَنْتُهٗ بِالْحَرْبِ ۔ (مشکوٰۃ صفحہ ۱۹۷) یعنی جو شخص میرے ولیوں کے ساتھ دشمنی رکھتا ہے، میں اس کے ساتھ اعلانِ جنگ کرتا ہوں۔

اس حدیثِ پاک سے اندازہ فرمایئے کہ اولیاء کرام کیوں نہ بے خوف و خطر ہوں، جبکہ اللہ تعالیٰ انہیں اپنا دوست سمجھ کر ان کے ساتھ دشمنی رکھنے والوں سے اعلانِ جنگ فرما رہا ہے۔

اب ان اولیاء کرام کے گستاخوں کو اپنے گریبانوں میں منہ ڈال کر سوچنا چاہیئے جو ان مقبولانِ بارگاہ کی شانِ اقدس میں زبانِ طعن دراز کرتے ہیں اور بُتوں والی آیات اولیاء اللہ پر چسپاں کرتے ہیں، ان کے ساتھ دشمنی انہیں جہنم کے کس مقام پر پہنچائے گی، اس لیے کہ اولیاء کرام کے ساتھ دشمنی رکھنے والے سے خالقِ دوجہاں نے اعلانِ جنگ فرمایا۔

اس مقام پر سرکارِ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ فرماتے ہیں ؎

عقل ہوتی تو خدا سے نہ لڑائی لیتے
یہ گھٹائیں، اسے منظور بڑھانا تیرا

حضرات محترم اولیاء کرام وہ نفوسِ قدسیہ ہیں، جن کی قوتوں کا اعتراف ان کا سب سے بڑا دشمن شیطان لعین بھی کرتا ہے۔ قرآن مجید میں آتا ہے کہ جب شیطان کو طوقِ لعنت ڈال کر بارگاہِ صمدیت سے نکالا گیا، تو اس نے کہا،

فَبِعِزَّتِكَ لَأُغْوِيَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ ۝ إِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِينَ ۝ (پ ۲۳ - ع ۱۴)

تیری عزت کی قسم میں ضرور ان سب کو گمراہ کروں گا، مگر ان میں جو تیرے بندے چنے ہوئے ہیں۔

گویا شیطان بھی یہ تسلیم کرتا ہے کہ مخلصین، صالحین بندوں پر میرا داؤ نہیں چلے گا۔ اب جبکہ اولیاء کرام کا بدترین دشمن بھی ولی کی طاقت کو تسلیم کرتا ہے تو جو انسان ہو کر اولیاء اللہ کی طاقت اور عظمتِ شان کا اقرار نہ کرے، اس جیسا بدنصیب کون ہو سکتا ہے؛ قرآن کریم کے واضح ترین بیان سے معلوم ہوا کہ ابلیس شیطان اللہ والوں کو راہِ راست سے دور نہیں کر سکتا، ان پر اپنا مکروفریب نہیں چلا سکتا۔ اسی لیے ہم کہتے ہیں کہ کسی اللہ والے سے اپنا تعلق قائم کر لو، کسی مردِ درویش سے رشتہ جوڑ لو، کسی مردِ حق سے اپنی نسبت قائم کر لو تاکہ تم بھی شیطان کے شر سے محفوظ ہو جاؤ، ورنہ قرآن کریم کا ارشادِ گرامی ہے:

وَمَنْ يُضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهُ وَلِيًّا مُرْشِدًا ۝ (پ ۱۵ - ع ۱۴)

اور جسے وہ گمراہ کرے پس تو ہرگز اس کے لیے کوئی ولی مرشد نہ پائے گا۔

اس آیتِ مقدسہ سے معلوم ہوا کہ جن لوگوں کو اللہ والوں کا دامن نصیب نہیں ہوا وہ گمراہی کے گڑھے میں پڑے ہیں۔ یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ اولیاء کرام سے وابستگی اللہ تبارک و تعالیٰ جل مجدہٗ کی بارگاہِ عالیہ تک رسائی حاصل کرنے کا ذریعہ ہے۔ شاعر کہتا ہے ؎

در مرشد توں تیرا در ملدا، تیرے در توں رب دا گھر ملدا
میں تاہیوں مرشد کامل دی چوکھٹ نوں چاکے چم لیناں

حضرات! اللہ والوں کے ساتھ تعلق رکھنا ان کی صحبت و رفاقت اختیار کرنا اللہ تبارک و تعالیٰ

کی بارگاہِ اقدس تک پہنچنے کا ذریعہ ہے اور ان سے دشمنی رکھنا اللہ تعالیٰ سے لڑائی کرنا ہے۔
تو اب کوئی بھی عقلمند انسان یہ پسند نہیں کرے گا کہ وہ اللہ والوں سے بغض و عناد رکھ کر
اپنے خالق و مالک کے اعلانِ جنگ کو قبول کرے۔

اولیاء اللہ کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہِ عالیہ میں کس قدر قرب حاصل ہے۔ اس کے متعلق جناب
سید المرسلین رحمۃ اللعالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا ارشادِ مبارک سنئے۔ آپ فرماتے ہیں کہ
اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ جب کوئی شخص کثرتِ نوافل سے میرا قرب حاصل کر لیتا ہے

فَكُنْتُ سَمْعَهُ الَّذِيْ يَسْمَعُ	تو پھر میں اس کے کان بن جاتا ہوں، وہ
بِهٖ وَبَصَرَهُ الَّذِيْ يُبْصِرُ بِهٖ	ان کانوں سے سنتا ہے۔ میں اس کی آنکھیں
وَيَدَهُ الَّذِيْ يَبْطِشُ بِهٖ	بن جاتا ہوں، وہ ان آنکھوں سے دیکھتا ہے
وَرِجْلَهُ الَّذِيْ يَمْشِيْ بِهَا	میں اس کے ہاتھ بن جاتا ہوں، وہ ان سے
وَاِنْ سَاَلَنِيْ لَاُعْطِيَنَّهٗ۔	پکڑتا ہے اور میں اس کے پاؤں بن جاتا ہوں
مشکوٰۃ ص ۱۹۷	وہ ان سے چلتا ہے اور جب کوئی مقرب خدا
بخاری ص ۹۶۳	اللہ تعالیٰ سے کسی چیز کا سوال کرتا ہے، تو
ج - ۲	اللہ تعالیٰ اس کو وہ چیز عطا فرما دیتا ہے۔

حضرات! اس حدیث پاک سے صاف معلوم ہو گیا کہ اولیاء کرام کو بارگاہِ خداوندی میں
اتنا قرب حاصل ہو جاتا ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ اُن کے کان، اُن کی آنکھیں، اُن کے ہاتھ
اور ان کے پاؤں بن جاتا ہے۔ اگر وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں کسی چیز کا سوال کرتے ہیں، تو
اللہ تبارک و تعالیٰ انہیں عطا فرما دیتا ہے۔ اب آپ خود سوچیں کہ اولیاء اللہ کی طاقت کا اندازہ
کون لگا سکتا ہے۔ جو اتنی طاقت کے مالک ہوں، تو پھر وہ کیوں نہ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ
وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ہوں گے، اسی لیے درویش لاہوری حضرت علامہ اقبال
علیہ الرحمہ فرماتے ہیں ؎

نہ تخت و تاج نہ لشکر و سپاہ میں ہے
جو بات مردِ قلندر کی بارگاہ میں ہے

حضرات ! اولیاء اللہ کرام سے عقیدت اور محبت رکھنا اللہ تبارک و تعالیٰ تک رسائی حاصل کرنے کا ذریعہ ہے۔ ارشادِ خداوندی ہے :

وَاتَّبِعْ سَبِيْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَيَّ ‏(پ ۲۱ - ع ۱۱) ‏ اور اس کے راستے پر چل جس نے میری طرف رجوع کیا۔

حضراتِ محترم ! اللہ والوں کی غلامی اختیار کرنے کا حکم خود اللہ تبارک و تعالیٰ نے دیا، لیکن اب یہ مسئلہ بھی بڑا مشکل ہے کہ یہ دَور بڑا ہی خطرناک ہے کہ آجکل ہر چیز بناوٹی بناوٹی اور مصنوعی بننا شروع ہو گئی ہے۔ حتیٰ کہ نبی تک بناوٹی بن چکے ہیں۔ ان حالات میں خالص اولیاء اللہ یعنی مخلصین حضرات کو تلاش کرنا کس قدر مشکل ہو گیا ہے۔ آجکل کئی جاہل بے دینوں نے بھی ولایت کا دعویٰ کر رکھا ہے۔ مصنوعی مستِ اَلست، ننگ دھڑنگ پیر درویشی کے روپ میں سادہ لوح انسانوں کو لوٹنے کے دھندے میں مشغول ہیں۔

آج کے دَور میں بناوٹی اور جعلی پیر مریدوں کے بل بوتے پر اپنی پیری کا لوہا منوا رہے ہیں، جگہ جگہ ایسے نام نہاد فقیروں اور جعلی پیروں نے ڈیرے ڈال رکھے ہیں، کوئی سوڑی شاہ ہے کوئی توڑی سائیں ہے، کوئی گنڈے شاہ ہے، کوئی ڈنڈے شاہ، کوئی سنڈھے شاہ، کوئی پکوڑے شاہ، کوئی کتیاں والی سرکار کے نام سے مشہور ہے، کوئی لوٹے سائیں کے نام سے معروف ہے، کوئی ڈبہ پیر ہے، کوئی جگا پیر۔ غرضیکہ ان بناسپتی پیروں، سادہ لوح مسلمانوں کو لوٹنے والوں کے نام گنتی سے باہر ہیں۔ کسی پیر نے گلے میں ہار ڈال رکھے ہیں کسی نے کانوں میں کانٹے ڈالے ہوتے ہیں، کسی نے ہاتھوں میں لوہے کے کنگن پہنے ہوتے ہیں، کسی نے پاؤں میں زنجیریں ڈال رکھی ہیں۔ کئی ایسے پیر ہیں جو حجامت نہیں بنواتے اور نہ ہی کبھی منہ دھونے کی تکلیف گوارا کرتے ہیں۔ لمبی لمبی مونچھیں، بے حساب داڑھی اور سر کے بال

پورے چہرے کو چھپاتے ہوتے ہیں۔ کسی پیر صاحب کا سر بھی گنجا ہے، داڑھی بھی صاف اور مونچھیں بھی صاف ہیں، کوئی چرس پی رہا ہے، کوئی بھنگ گھوٹ رہا ہے، نہ وضو ہے نہ غسل، نہ نماز ہے نہ روزہ، نہ حج ہے نہ زکوٰۃ، نہ فرض ہے نہ نفل، نہ عبادت ہے نہ ریاضت، نہ شریعت ہے نہ حقیقت، نہ ذکر ہے نہ فکر۔

بس سالانہ میلہ ہوتا ہے جس میں جہلاء مرید اور عیاش لوگ جمع ہوتے ہیں۔ پھر پیر صاحب کے آستانہ پر نقلیں ہوتی ہیں، بھنگڑے ڈالے جاتے ہیں، مجرے اور تھیٹر لگتے ہیں۔ آتش بازی جوا بازی اور کتوں کی لڑائیاں کروائی جاتی ہیں۔ یہ سب کچھ ہونے کے باوجود نہ پیر صاحب کی پیری میں فرق پڑتا ہے اور نہ ہی کسی مرید کی عقیدت مجروح ہوتی ہے۔

بزرگو، دوستو! یہ کہاں کی پیری ہے؟ کہاں کی درویشی اور فقیری ہے؟ انہی لوگوں کے بارے میں عارفِ رُومی علیہ الرحمہ نے فرمایا ہے ؎

کارِ شیطاں می کند نامش ولی
گر ولی این است لعنت بر ولی

حضرات! ان جعلی پیروں سے زیادہ مجرم وہ مرید صاحبان ہیں جو ان کی غیر شرعی باتوں کو معرفت اور حقیقت کہتے ہیں ——— ایسے ہی کسی مرید کا ذکر ہے کہ اس نے اپنے پیر کی تعریف کرتے ہوئے ایک مولوی صاحب سے کہا جناب! ہمارے پیر صاحب بڑے کامل اور پہنچے ہوئے بزرگ ہیں۔ مولوی صاحب نے پوچھا بھئی تمہارے پیر میں کیا کمال ہے؟ تو اس جاہل مرید نے کہا مولوی صاحب! ہمارے پیر صاحب کا بارہ سال سے وضو ہی نہیں ٹوٹا۔ تو مولوی صاحب نے جواب دیا میاں! ٹوٹے تو تب جو تیرے پیر نے کبھی وضو کیا ہو۔ جب اس نے وضو کیا ہی نہیں، تو ٹوٹنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

حضرات! جب علمائے کرام ان جعلی پیروں کا عوام میں تعارف کرواتے ہیں تو پیر لوگ اپنے مریدوں کی اس طرح تسلی کرتے ہیں کہ میاں! "مولوی تے درویش دا مڈھ دا ویر اے"

میاں مولویوں کے پاس شریعت ہے، ہمارے پاس معرفت و حقیقت ہے، وہ ہماری باتوں کو نہیں سمجھ سکتے، وہ ہمارے جیسی نماز نہیں پڑھ سکتے" "درویش دی ہر ویلے نماز ہندی اے یعنی نہ نیتی نہ قضا کیتی۔

بزرگو، دوستو! کیا عجیب مکروفریب ہے جو جاہل اور مکار پیر اپنے جاہل مریدوں پر چلاتے ہیں۔ حضرات! یہ کہنا کہ مولوی کی درویش سے مخالفت ہے، سراسر دھوکہ بازی اور عیاری ہے۔ آپ حضرات نے اکثر اس بات کا مشاہدہ کیا ہوگا کہ علماء کرام تو ہمیشہ درویشوں اور فقیروں کی تعریفیں کرتے رہتے ہیں، بلکہ عارفِ رومی علیہ الرحمہ نے تو یہاں تک فرمادیا۔

مولوی ہرگز نہ شد مولائے رُوم
تا غلامِ شمس تبریزے نہ شد

حضرات: مولوی کی درویش سے کوئی مخالفت نہیں، بلکہ مولوی تو درویشوں کی غلامی کو اپنے لیے باعثِ فخر سمجھتا ہے، بشرطیکہ درویش جناب غوث الاعظم سرکار بغداد رضی اللہ عنہ کے نقشِ قدم پر چلنے والا ہو، حضرت خواجہ معین الدین چشتی علیہ الرحمہ کا پیروکار ہو صحابہ کرام کا فرماں بردار ہو، امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کا وفادار ہو، خداوند کریم کا اطاعت گزار ہو۔ اگر وہ شریعتِ مصطفےٰ کا باغی ہو تو ایسے پیر کو مولوی تو کیا ایک ہوشمند انسان بھی اس کو ماننے کے لیے تیار نہیں ہوگا۔ پھر وہ جاہل ہی ہوگا جو ایسے پیر کا مُرید بنے گا۔

حضرات! بڑے ہی افسوس کی بات ہے کہ آج کا مسلمان اصلی اور نقلی گھی کی پہچان کر لیتا ہے، مگر ولی کی پہچان کرنے سے قاصر ہے، خالص اور ناخالص شہد کی تو پہچان کر لیتا ہے مگر صحیح اور مصنوعی پیر کی پہچان نہیں کرتا، بے وفا اور وفادار دوست کی شناخت کر لیتا ہے مگر بے دین اور دیندار مرشد کے معاملے میں امتیاز نہیں کرتا۔ تو آیئے قرآن و حدیث کی روشنی میں اولیاء کرام کے اقوال واحوال سے معلوم کریں کہ ولی کی پہچان کیا ہے؟ ارشادِ خداوندی ہے۔

اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَکَانُوْا یَتَّقُوْنَ (پ ۱۱ ع ۱۲) جو لوگ ایمان لائے اور پرہیزگاری کی

اِنْ اَوْلِیَآؤُہٗ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ (پ ۹ ع ۱۸) اولیاء تو پرہیزگار ہی ہیں۔

وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِیْنَ یَمْشُوْنَ اور رحمٰن کے وہ بندے جو کہ زمین پر

عَلَی الْاَرْضِ هَوْنًا ۔ (پ ۱۹ ع ۴) آہستہ چلتے ہیں۔

قرآن مجید کی ان آیاتِ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے واضح ترین الفاظ میں اولیاء اللہ کی پہچان بیان فرمائی کہ ولی وہ ہے جو صاحبِ ایمان ہونے کے ساتھ ساتھ متقی اور پرہیزگار بھی ہو، قرآن و سنت کا پابند ہو، خداوند قدوس اور اس کے پیارے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مطیع و فرمانبردار ہو اور اگر وہ زمین پر چلے، تو خوفِ خدا سے ڈر ڈر کر قدم رکھے، یعنی اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندے زمین پر اکڑ اکڑ کر شیخی سے نہیں چلتے۔ جب وہ چلتے ہیں تو خوفِ خدا کی وجہ سے ان کی نگاہیں نیچی ہوتی ہیں۔ پھر قرآن کریم کا ارشاد ہے اللہ تبارک و تعالیٰ کے نیک بندوں کی پہچان یہ ہے:

وَالَّذِیْنَ یَبِیْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا اور وہ اللہ تعالیٰ کے لیے سجدے اور قیام

وَّقِیَامًا ۔ پ ۱۹ ۔ ع ۴) میں راتیں گزارتے ہیں۔

رات پوے تے بے درداں نوں نیند پیاری آوے
دردمنداں نوں یاد سجن دی ستیاں آن جگاوے

اللہ تعالیٰ کے ولیوں کی ایک پہچان یہ بھی ہے کہ وہ ساری ساری رات اللہ تعالیٰ کی عبادت میں گزارتے ہیں۔ دیکھیں سرکارِ بغداد نے چالیس سال عشاء کے وضو کے ساتھ فجر کی نماز ادا کی۔ سرکارِ امامِ اعظم ابوحنیفہ نے چالیس سال عشاء کے وضو سے فجر کی نماز پڑھی۔ رمضان شریف میں آپ اکسٹھ مرتبہ قرآن مجید ختم کرتے، یعنی ایک مرتبہ دن میں قرآن پاک ختم فرماتے اور ایک رات میں، اور ایک مرتبہ تراویح کی نماز میں تلاوت فرماتے۔ یہ مقبولانِ بارگاہ خداوندی ساری ساری رات عبادت میں گزارتے ہیں۔

حضرت ابراہیم بن ادھم آپ بلخ کے سُلطان اور عظیم المرتبت حکمران تھے۔ ایک مرتبہ رات کو شاہی محل میں نرم و نازک بستر پر آرام فرمارہے تھے کہ اچانک محل کی چھت پر کسی کے چلنے کی آہٹ محسوس ہوئی آنکھ کھل گئی اور سوچا کہ یہ کون ہے جو شاہی محل کی چھت پر چل رہا ہے۔ کیا اسے معلوم نہیں کہ شہنشاہِ بلخ اس چھت کے نیچے آرام فرما ہیں۔ آخر کار آواز دی کون ہے جو اس وقت شاہی محل کی چھت پر چل پھر رہا ہے؟ کون ہے جس کے قدموں کی آہٹ نے شہنشاہِ وقت کی نیند اچاٹ کر دی ہے؟ اوپر سے آواز آئی اے شہنشاہِ وقت! اے دنیا کے بادشاہ! ہمارے اونٹ گم ہوگئے ہیں اور ہم انہیں تلاش کر رہے ہیں۔ ابراہیم بن ادھم نے متعجب ہو کر کہا، اے بندۂ خدا! کبھی اونٹ بھی چھتوں پر پھرا کرتے ہیں۔ انہوں نے جواب دیا:

پس بگفتندش کہ تو بر تخت و جاہ

چوں ہمی جوئی ملاقاتِ الٰہ

(اگر اونٹ چھت پر نہیں مل سکتے، تو تم جاہِ دنیا کے تخت پر خدا تعالیٰ کی ملاقات کس طرح کر سکتے ہو)

اگر چھت پر اونٹ نہیں مل سکتے تو نرم و گداز بستر پر سو کر خدا تعالیٰ بھی نہیں مل سکتا۔

اس بات کا سننا تھا کہ آپ لرز کر رہ گئے اور ایک عجیب سی کیفیت طاری ہو گئی۔ دوسرے دن جب شاہی دربار لگا ہوا تھا کہ ایک بہت ہی ذی حشم شخص دربار میں آ پہنچا اور حاضرین پر ایسا رعب طاری ہوا کہ کسی کو کچھ پوچھنے کی ہمت نہ ہوئی اور وہ شخص تیزی کے ساتھ تختِ شاہی کے نزدیک پہنچ کر چاروں طرف کچھ دیکھنے لگا۔ جب ابراہیم بن ادھم نے پوچھا، تم کون ہو اور کس کی تلاش میں ادھر آئے ہو؟ تو اس مردِ خدا نے جواب دیا کہ اس سرائے میں قیام کرنے کے ارادہ سے آیا ہوں۔ شہنشاہ نے کہا اے مردِ خدا یہ سرائے نہیں، بلکہ شاہی دربار ہے۔ اس نے سوال کیا کہ آپ سے پہلے یہاں کون آباد تھا؟ بادشاہ نے کہا کہ میرے آباؤ اجداد۔ غرضیکہ اسی طرح کئی پشتوں تک پوچھنے کے بعد فرمایا کہ اب آپ کے بعد یہاں کون رہے گا؟ کہا میری

اولادیں۔ اس شخص نے کہا ذرا تصور کیجیے کہ جس جگہ اتنے لوگ آ کر چلے گئے۔ کسی کو یہاں ہمیشہ رہنا نصیب نہ ہو سکا۔ وہ سرائے نہیں تو اور کیا ہے۔ یہ کہہ کر وہ شخص اچانک غائب ہو گیا۔

ابراہیم بن ادھم چونکہ رات ہی کے واقعہ سے بہت مضطرب تھے، اس لیے اس واقعہ نے اور بھی بے چین کر دیا، دل میں عشقِ الٰہی کا دریا پوری قوت سے موجزن ہو گیا ؎

عشق کرم اازلی قطرہ، تیں میں تے دس ناہیں

اکناں لبھدیاں ہتھ نہ آوے، اکناں دے وچ راہیں

اپ اس مردِ حق کی تلاش کے لیے شاہی دربار سے باہر نکل پڑے۔ ایک جگہ پھر ملاقات ہوئی تو ان سے نام دریافت کیا، تو انہوں نے کہا کہ میرا نام خضر (علیہ السلام) ہے۔ پھر غیب سے ندا آئی۔ اے ابراہیم! موت سے قبل بیدار ہو جا۔ اس صدائے حق نے آپ کو اور گرما دیا اور آپ نے تخت و تاج کو چھوڑا اور عبادتِ الٰہی میں معروف ہو گئے۔ (تذکرۃ الاولیا)

حضرت فریدالدین گنج شکر علیہ الرحمہ فرماتے ہیں ؎

اٹھ فریدا ستیا توں جھاڑو دے مسیت

توں ستا رب جاگدا تیری ڈاڈھے نال پریت

اُٹھ فریدا ستیا توں میلا ویکھن جا

مت کوئی مل جائے بخشیا توں وی بخشیا جا

میں عرض کر رہا تھا کہ اللہ کے بندوں کی یہ نشانی ہے کہ وہ ساری ساری رات اللہ تعالیٰ کی عبادت میں گزار دیتے ہیں ؎

راتیں کر کر زاری روندے نیندا کھاں تھیں دھوندے

فجری اوگنہار سداون سب تھیں نیویں ہوندے

فضل تیرے تے آس کریما، ہور عذر نہ کوئی

صدقہ اپنے پاک نبی دا بخش خطا جو ہوئی

سرکارِ مدینہ سرورِ سینہ محمد مصطفےٰ احمد مجتبےٰ روحِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ صحابہ کرام کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا، کیا میں تمہیں نیک بندوں کی خبر دوں ؟ صحابہ نے عرض کیا، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرمایئے تو حضور نے فرمایا،

بہترین لوگ وہ ہیں کہ جب تم ان کو دیکھو تو تمہیں خدا کریم یاد آ جائے۔

اللہ کا دل وہ ہے جس کی زیارت سے غافل ذکر اللہ میں شاغل ہو جائے جس کی نگاہِ ولایت سے مردہ دل کو زندگی مل جائے ؎

نگاہِ دل میں وہ تاثیر دیکھی
بدلتی ہزاروں کی تقدیر دیکھی

حضرت بایزید بسطامی علیہ الرحمہ کے شہر میں ایک فاحشہ عورت آ گئی۔ اور بدکاری کا سلسلہ شروع کر دیا جس کے نتیجے میں شہر کی فضا خراب ہونا شروع ہو گئی۔ آخر کار چند لوگوں نے حضرت بایزید بسطامی علیہ الرحمہ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی کہ آپ کے ہوتے ہوئے شہر میں بدکاری ہو تو یہ بہت بری بات ہے۔ آپ نے فرمایا کوئی فکر کی بات نہیں، اس کا معقول انتظام ہو جائے گا۔ آپ نے شام کے وقت اپنا لوٹا اور مصلیٰ لیا اور اس فاحشہ کے مکان کے باہر بیٹھ کر یادِ الٰہی میں مصروف ہو گئے اب جو شخص اس فاحشہ کے مکان پر بدکاری کی نیت سے آتا تو اس مردِ درویش کو وہاں بیٹھا دیکھ کر واپس چلا جاتا۔ جب رات کا کچھ حصہ گزرا تو فاحشہ کو خیال آیا کہ آج کوئی آشنا نہیں آیا۔ آخر کیا وجہ ہے ؟ اور لوگوں کی آمد و رفت کیوں بند ہے ! اپنے نوکر کو باہر دیکھنے کے لیے بھیجا۔ اس نے دیکھا کہ باہر دروازے پر حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ تشریف فرما ہیں، لوگ آتے ہیں اور اس مردِ خدا کو دیکھ کر واپس ہو جاتے ہیں۔

نوکر نے یہ سارا قصہ فاحشہ کو سنایا۔ فاحشہ نے کہا کہ اس بندۂ خدا سے جا کر کہہ دو کہ اگر اللہ اللہ کرنے کا شوق ہے تو کسی مسجد کے دروازے پر جا بیٹھو، یہ تو ایک فاحشہ کا دروازہ ہے

فقیروں اور درویشوں کا اس دروازے سے کوئی تعلق نہیں۔ نوکر نے یہ ساری بات حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے کہہ دی۔ تو آپ نے اس سے فرمایا: میں تو اس عورت سے ملنے آیا ہوں۔ نوکر نے کہا یہ تو بہت بڑی عورت ہے جو دو سو درہم سے کم میں کسی سے بات نہیں کرتی۔ آپ نے فرمایا: مجھے منظور ہے۔ آپ اندر تشریف لے گئے اور دو سو درہم ادا کرنے کے بعد فاحشہ سے فرمایا: آج تم ہماری ہو گئی۔ میں جو بات کہوں گا وہ تمہیں ماننا پڑے گی۔ فاحشہ نے جواب دیا: بالکل درست ہے۔ حضرت نے فرمایا: پہلے غسل کرو، پھر پاکیزہ لباس پہنو، پھر وضو کرو اور ایک مصلیٰ لیتی آؤ۔ فاحشہ نے غسل کیا، کپڑے تبدیل کیے، پھر وضو کیا اور مصلیٰ لے کر حضرت کی خدمتِ عالیہ میں حاضر ہو گئی۔ آپ نے مصلیٰ قبلہ رُخ ڈالا اور فرمایا اس پر کھڑی ہو جا اور نماز پڑھ۔ جب اس نے نماز شروع کی اور سجدہ کیا تو آپ نے بارگاہِ خداوندی میں ہاتھ اٹھا کر عرض کی۔ مولا! سر کو تیری بارگاہِ اقدس میں جھکانا میرا کام تھا اور دل کو پھیرنا تیرا کام ہے۔

ہر چہ کارم بود آخر کردمش　　　　در زنا سوئے نماز آوردمش

بس رجوعِ قلب ایں کارِ ترا　　　　قلبہا قلب طفیلِ مصطفےٰ (پیر رومی)

ولیِ کامل کی نگاہ کے صدقے زمانے کی فاحشہ عورت ولیہ کاملہ اور عابدہ زاہدہ بن گئی ؎

نگاہِ ولی میں وہ تاثیر دیکھی

بدلتی ہزاروں کی تقدیر دیکھی

داتا علی ہجویری علیہ الرحمہ

حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ جن کے مزارِ پُر انوار پر خواجۂ خواجگان حضرت معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ نے چلہ کیا۔ فیض باطنی حاصل کرنے کے بعد یہ شعر آپ کی شان میں فرمایا، جو آج بھی وہاں کندہ ہے ؎

گنج بخش فیضِ عالم مظہرِ نورِ خدا

ناقصاں را پیرِ کامل کاملاں را رہنما

حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ اپنی جھونپڑی میں بیٹھے ہوئے تھے کہ ہندوؤں کی بارات قریب سے گزری۔ جھونپڑی کے قریب آئے، تو وہ راستہ بھول گئے۔ انہوں نے دیکھا کہ ایک فقیر بیٹھا ہوا ہے۔ وہ ہندو داتا صاحب علیہ الرحمہ کے پاس آئے اور کہا اے فقیر! ہم راستہ بھول گئے ہیں، ہمیں راستہ بتا دو۔ حضرت نے فرمایا راستہ بتا دوں یا دکھا دوں؟ انہوں نے کہا دکھا دو۔ داتا صاحب علیہ الرحمہ نے توجہ فرمائی تو ان کو روضۂ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نظر آگیا، وہ تمام ہندو مسلمان ہو گئے۔ (مقاماتِ اولیاء۔ ص۱۵۸)

نگاہِ ولی میں وہ تاثیر دیکھی
بدلتی ہزاروں کی تقدیر دیکھی

سرکار گولڑہ شریف

حضرت پیر مہر علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ ایک دن عصر کی نماز کے بعد آپ بستی میں سے باہر نکلے۔ دیکھا کہ دو آدمی جا رہے ہیں۔ آپ نے پوچھا کہاں جا رہے ہو؟ انہوں نے عرض کی کہ ہم مدینے جا رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا، مدینہ ادھر تو نہیں۔ انہوں نے کہا ہم اس مدینے جا رہے ہیں، جو گجرات کے قریب ہے۔ آپ نے فرمایا، تم لوگ اس مدینے کیوں نہیں جاتے جو جنت سے افضل ہے۔ انہوں نے عرض کی آقا! ہم غریب ہیں وہاں کیسے جائیں؟ آپ کے چہرۂ اقدس پر جلال فقر رقص کرنے لگا اور فرمایا، وہ دیکھو سامنے کیا ہے؟ انہوں نے سامنے نگاہ اٹھائی تو روضۂ مصطفےٰ سامنے تھا۔ (مقاماتِ اولیاء۔ ص۲۶۰)

نگاہِ ولی میں وہ تاثیر دیکھی
بدلتی ہزاروں کی تقدیر دیکھی

کفن چور

بغداد شریف میں ایک پاک دامن اور پارسا اللہ کی ولیہ عورت تھی اور اسی زمانہ میں وہاں ایک کفن چور بھی رہتا تھا۔ جب وہ پارسا عورت اس دنیا سے رخصت ہوئی تو اس کا جنازہ اس کفن چور نے بھی پڑھا تاکہ اس کے

کفن اور قبر کو دیکھ سکے۔ جب رات ہوئی تو کفن چور اس پارسا بی بی کی قبر پر گیا، قبر کو کھودا اور کفن اتارنے لگا، اس پارسا بی بی نے کفن چور کا ہاتھ پکڑ لیا اور کہا،

سبحان اللہ رجل مغفورٌ یاخذ کفن مغفور۔	کہ اللہ تعالیٰ کی شان ایک جنتی دوسرے جنتی کا کفن اتارنے لگا ہے

(شرح الصدور صفحہ ۸۶)

یہ سن کر کفن چور لرز گیا اور عرض کی اے پارسا بی بی! تیرے جنتی ہونے میں تو کوئی شک و شبہ نہیں، مگر میں نے تو ساری عمر مُردوں کے کفن چرائے۔ میں کیسے جنتی ہوں! تو اس پارسا عورت نے کہا،

ان اللہ غفر لی ولجمیع	کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے بخش دیا ہے اور جس
من صلی علی وانت قد	نے بھی میرا جنازہ پڑھا ہے، اس کو بھی
صلیت علی۔ (شرح الصدور ص۸۶)	بخش دیا اور تو نے بھی میرا جنازہ پڑھا ہے۔

اس کفن چور نے توبہ کی اور اس پارسا بی بی کی دعا سے وہ چور قطب بن گیا

نگاہِ ولی میں وہ تاثیر دیکھی
بدلتی ہزاروں کی تقدیر دیکھی

خواجہ عبدالحکیم علیہ الرحمہ

آپ ذات کے دھوبی تھے اور دریائے راوی کے کنارے کپڑے دھویا کرتے تھے، لیکن کسی کو کیا پتہ کہ دریائے راوی پر کپڑے دھونے والا دھوبی جس طرح لوگوں کے کپڑوں کی ظاہری میل کچیل صاف کرتا ہے، اسی طرح اپنی نگاہِ فیض اور نظرِ وحدیت اور توجہ روحانی سے لوگوں کے دلوں کی میل بھی صاف کر کے نورِ معرفت سے منور کر دیتا ہے اور راہِ گمگشتگان کو راہِ ہدایت کا درس دیتا ہے۔

ایک مرتبہ آپ کپڑے دھو رہے تھے کہ ہندوؤں کی بارات وہاں سے گزری۔ دریا پر اس وقت پل نہیں تھا۔ ہندوؤں نے کہا اے دھوبی! تجھے اتنا عرصہ ہو گیا، یہاں کپڑے دھوتے ہوئے، مگر تو ابھی تک دریا پر کوئی پل بھی نہیں بنا سکا۔ آپ نے فرمایا تم نے پار جانا ہے؟ انہوں نے کہا ہاں، تو آپ نے کپڑے کا ایک تھان لے کر دریا کے پانی پر بچھا دیا اور فرمایا لو پُل بن گیا ہے گزر جاؤ۔ وہ ڈرنے لگے کہ ڈوب جائیں گے اور کہنے لگے تو ہم سے مذاق کرتا ہے۔ فرمایا نہیں۔ انہوں نے کہا تو پھر پہلے تو اس پل پر سے گزر کر دکھا۔ خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے بیل کو فرمایا یہ تو کافر ہیں ان کا یقین کچا ہے اور تو تو ایک مسلمان کا بیل ہے اور تیرا یقین پکا ہے۔ میری طرف سے تو ہی ان کو اس کپڑے کے پُل پر سے گزر کر دکھا دے چنانچہ وہ بیل صحیح سلامت کپڑے کے پُل پر سے گزر گیا۔ پھر وہ ہندو بھی گزر گئے اور آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر مسلمان ہو گئے۔ (مقاماتِ اولیاء صـ ۱۸۲)

نگاہِ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں
جو ہو ذوقِ یقیں پیدا تو کٹ جاتی ہیں زنجیریں

نگاہِ دل میں وہ تاثیر دیکھی
بدلتی ہزاروں کی تقدیر دیکھی

سید اعظم شاہؒ جو کہ بھواڑہ شریف کے بزرگ اور قطب الاقطاب تھے۔ آپ کے درِ فیض پر عقیدتمندوں کا ہجوم رہتا، ہر آنے والا سائل گوہر مراد سے جھولی بھر کر لوٹتا۔ ایک دفعہ ایک غیر مسلم سنیاسی آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اس نے آپ کے فقیرانہ لباس سے اندازہ لگایا کہ حضرت مالی لحاظ سے کمزور ہوں گے۔ سنیاسی جو کہ جسمانی معالج تھا، روحانی معالج کی حقیقت کو نہ سمجھ سکا

اس نے بطورِ ہمدردی وعقیدت ایک بوٹی حضرت کی خدمت میں پیش کر دی اور عرض کیا حضور! اس بوٹی کو تانبے کے ساتھ لگائیں پھر اس کو گرم کریں تو سونا بن جائے گا۔ آپ نے فرمایا اس بوٹی کو اس طاق میں رکھ دو، چنانچہ اس نے حسب حکم بوٹی وہاں رکھی اور چل دیا۔

تقریباً ایک سال کے بعد وہ دوبارہ حاضرِ خدمت ہوا تو دیکھتا ہے کہ آپ کی حالت ویسی ہی فقیرانہ ہے۔ دل ہی دل میں سوچنے لگا جو نسخہ میں نے دیا تھا۔ اگر آپ چاہتے تو سونے کے محلات بنا سکتے تھے، مگر ان کی حالت میں ذرہ برابر فرق نہیں آیا۔ ہوسکتا ہے آپ سونا تو بناتے ہوں مگر خرچ نہ کرتے ہوں۔ ابھی وہ کچھ کہنے کا ارادہ ہی کر رہا تھا کہ آپ وہاں سے اٹھے اور استنجا کے لیے باہر تشریف لے گئے جب واپس آئے تو وہ سنیاسی راستے میں کھڑا تھا۔ آپ نے مٹی کا ڈھیلا زمین پر مارا اور فرمایا اے سنیاسی! ذرا زمین کی طرف نگاہ کر۔ اس نے دیکھا تو ساری زمین سونا ہی سونا نظر آئی۔ پھر فرمایا کہ تم سوچ رہے تھے کہ فقیر بخیل ہے، سونا بناتا ہے اور خرچ نہیں کرتا، ہمیں تمہاری بوٹی کی کوئی ضرورت نہیں۔ جس طاق میں تم نے اسے رکھا تھا، وہاں سے اٹھالو۔ فقیر کی نظر کیمیا گر ہوتی ہے۔ اگر ہمیں مالِ دنیا کی ضرورت ہوتی تو تمہاری بوٹی کے بغیر بھی حاصل کر سکتے تھے، مگر جنہیں یار کے در کی گدائی میسر آجاتے، وہ دنیا کی شہنشاہی طلب نہیں کیا کرتے۔ پھر سید کی نگاہ اٹھی اور سنیاسی پر پڑی، تو اس کے دل کی دنیا بدل گئی، جسم پر لرزہ طاری ہو گیا اور قدموں میں گرا، پھر کلمہ شریف پڑھا اور مسلمان ہو گیا ؎

نگاہِ ولی میں وہ تاثیر دیکھی
بدلتی ہزاروں کی تقدیر دیکھی

وَ آخرِ دعوانا ان الحمد للہ رب العٰلمین

برکاتِ تبرکات

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ ہ وَالْعَاقِبَۃُ لِلْمُتَّقِیْنَ و
الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِنَا وَ سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ ہ
وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ ہ اَمَّا بَعْدُ ۔
فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ہ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط

اِنَّ اٰیَۃَ مُلْکِہٖ اَنْ یَّاْتِیَکُمُ التَّابُوْتُ فِیْہِ سَکِیْنَۃٌ مِّنْ رَّبِّکُمْ وَبَقِیَّۃٌ مِّمَّا تَرَکَ اٰلُ مُوْسٰی وَ اٰلُ ھٰرُوْنَ (پ ۲ - ع ۱)

(طالوت کی بادشاہی کی یہ نشانی ہے کہ ایک صندوق تمہارے پاس آئے گا جس میں تمہارے رب کی طرف سے دلوں کا سکون ہوگا اور کچھ بچی ہوئی چیزیں معزز موسیٰ اور معزز ہارون کے ترکہ کی)

صَدَقَ اللّٰہُ مَوْلٰنَا الْعَظِیْمُ وَصَدَقَ رَسُوْلُہُ النَّبِیُّ الْکَرِیْمُ ۔

معزز سامعین کرام! جو آیۂ مقدسہ میں نے آپ کے سامنے تلاوت کی ہے، اس میں اللہ تبارک وتعالیٰ جل مجدہ الکریم نے اپنے برگزیدہ بندوں کے تبرکات کی عظمت وشان بیان فرمائی سیدنا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے وصال باکمال کے بعد بنی اسرائیل میں انبیاء کرام علیہم السلام تشریف لاتے رہے جنہوں نے مخلوقِ خدا کو احکاماتِ خداوندی پر عمل پیرا ہونے کا درس دیا۔ مگر ایک ایسا دور آیا کہ بنی اسرائیل کے لوگ اپنے مالکِ حقیقی سے روگردانی کر کے عیش وعشرت میں مشغول ہوگئے۔ بنی اسرائیل کو اپنے دشمنوں پر غلبہ حاصل تھا، مگر اللہ تبارک وتعالیٰ کی نافرمانی کی وجہ سے وہ مغلوب ہو کر رہ گئے۔ قوم عمالقہ ان پر غالب آگئی - ایسے حالات میں بنی اسرائیل کی رہنمائی کے لیے اللہ تعالیٰ نے حضرت اشموئیل علیہ السلام کو تاجِ نبوت پہنا کر ان کی طرف بھیجا۔

جب آپ نے اپنی قوم میں اعلانِ نبوت فرمایا، تو قوم نے کہا،

وَقَالُوْا اِنْ کُنْتَ صَادِقًا فَابْعَثْ لَنَا مَلِکًا۔ (درمنثور ج ا ص ۳۱۵) (اور انہوں نے کہا کہ اگر تم اپنے دعویٰ نبوت میں سچے ہو تو ہمارے لیے ایک بادشاہ مقرر کر دو)

آپ نے حضرت طالوت کو ان کے لیے بادشاہ مقرر فرمایا۔ چاہیئے تو یہ تھا کہ وہ اس انتخاب کو دل و جان سے تسلیم کر لیتے، مگر انہوں نے اس فیصلے پر اعتراض کیا جسے قرآن کریم نے اس طرح بیان فرمایا ہے،

اَنّٰی یَکُوْنُ لَہُ الْمُلْکُ عَلَیْنَا وَنَحْنُ اَحَقُّ بِالْمُلْکِ مِنْہُ وَلَمْ یُؤْتَ سَعَۃً مِّنَ الْمَالِ (اسے ہم پر بادشاہی کیونکر ہوگی اور ہم اس سے زیادہ سلطنت کے مستحق ہیں، اسے مال میں وسعت بھی نہیں دی گئی)

انہوں نے عرض کی، اے اللہ کے نبی! آپ نے ہم پر طالوت کو بادشاہ تو مقرر فرمایا مگر طالوت ہم پر بادشاہی کرنے کا حق کیسے رکھتا ہے، جبکہ نہ تو وہ شاہی خاندان سے ہے اور نہ صاحبِ مال۔ وہ ہم سے خاندانی لحاظ سے بھی کم ہے اور مالی لحاظ سے بھی ہم سے کم ہے۔ حضرت شموئیل علیہ السلام نے فرمایا، اے میری قوم! تمہاری حجت جوئی بیکار ہے تمہارا اعتراض اٹھانا بے سود۔ اس لیے کہ،

وَاللّٰہُ یُؤْتِیْ مُلْکَہٗ مَنْ یَّشَآءُ۔ (اور اللہ جسے چاہے اپنا ملک عطا فرما دے)

جب مالک الملک ربِ کریم نے طالوت کا انتخاب فرمالیا ہے، پھر تمہیں اس کے بادشاہ ہونے پر اعتراض کا کیا حق ہے؟ بنی اسرائیل نے عرض کیا اے نبی اللہ! ہم طالوت کو اپنا بادشاہ تسلیم کرتے ہیں اور ہمیں فیصلۂ خداوندی قبول ہے۔ ہم آپ کے فرمانِ عالیہ کے سامنے سرِ تسلیم خم کرتے ہیں، مگر اطمینانِ قلبی کے لیے یہ چاہتے ہیں کہ آپ ہمیں کوئی ایسی روشن دلیل دکھا دیں جس سے ہمارے دل مطمئن ہو جائیں۔ حضرت شموئیل علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا جس کا تذکرہ قرآن کریم کرتا ہے،

اِنَّ اٰیَۃَ مُلْکِہٖٓ اَنْ یَّاْتِیَکُمُ التَّابُوْتُ فِیْہِ سَکِیْنَۃٌ مِّنْ رَّبِّکُمْ۔ (پ ۲ - ع ۱۶)

(طالوت کی بادشاہی کی یہ نشانی ہے کہ ایک صندوق تمہارے پاس آئے گا جس میں تمہارے رب کی طرف سے دلوں کو سکون ہوگا)

حضرت شموئیل علیہ السلام نے فرمایا کہ طالوت کے بادشاہ ہونے کی کھلی دلیل یہ ہوگی کہ تمہارے پاس ایک ایسا صندوق آئے گا جس کی زیارت سے تمہیں سکونِ قلب نصیب ہوگا۔

حضراتِ محترم! آیئے قرآنِ کریم سے پوچھیں کہ صندوق کی زیارت کرنے سے سکونِ قلبی کیونکر حاصل ہوگا؟ قرآن پاک کا ارشاد ہے کہ اس صندوق میں یہ برکت اس لیے ہے کہ اس میں اللہ تبارک وتعالیٰ کے برگزیدہ بندوں کے تبرکات ہیں۔

وَبَقِیَّۃٌ مِّمَّا تَرَکَ اٰلُ مُوْسٰی وَاٰلُ ھٰرُوْنَ۔

(اور کچھ بچی ہوئی چیزیں معزز موسیٰ اور معزز ہارون کے ترکہ کی)

مفسرین کرام اس آیۂ مقدسہ کے تحت نقل فرماتے ہیں کہ اس صندوق میں کیا کیا چیزیں تھیں۔

کان فیہ لوحان من التوراۃ ورضاض الواح التی تکسرت وعصاۃ موسیٰ ونعلاہ وعمامۃ ھارون وعصاہ۔

(درمنثور ج ۱ ص ۳۱۲ تفسیر مظہری ج ۱ ص ۳۴۲)

(اس صندوق میں دو تختیاں تورات کی اور کچھ شکستہ تختیوں کے ٹکڑے تھے اور موسیٰ علیہ السلام کا عصا مبارک اور آپ کے جوڑے مبارک اور ہارون علیہ السلام کا عمامہ شریف اور ان کی لاٹھی تھی۔)

حضرات! اس صندوق میں تورات شریف کی چند تختیاں موسیٰ علیہ السلام کا عصا مبارک تھا اور ان کا جوڑا مبارک اور ہارون علیہ السلام کا عمامہ شریف اور آپ کا عصا مبارک تھا۔ اللہ تعالیٰ کا قرآن کریم کہتا ہے کہ اس صندوق کی زیارت سے سکونِ قلب حاصل ہوگا۔ تو یہاں سے معلوم ہوا اللہ والوں کے پہنے ہوئے کپڑے ان کے جسم مطہر کے ساتھ مس شدہ اشیاء کی زیارت سکونِ قلب حاصل کرنے کا ذریعہ ہے۔ تو اگر اللہ والوں کے کپڑوں کی زیارت اور ان کی استعمال شدہ

چیزوں کو دیکھنے سے سکونِ قلب حاصل ہوتا ہے تو اللہ والوں کی زیارت کیوں نہ اطمینانِ قلب کا باعث ہوگی ۔!

اب جو لوگ کہتے ہیں کہ اللہ والوں کو کوئی طاقت حاصل نہیں، اُن کے پاس جانے کا کوئی فائدہ نہیں، ان کے تبرکات میں کوئی نفع نہیں، وہ لوگ یا تو ان آیاتِ مقدسہ کو پڑھتے نہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے فضائل کا ذکر فرمایا۔ یہ پڑھتے تو ہیں، مگر مانتے نہیں۔ قرآن کریم نے ایسے ہی لوگوں سے خطاب کیا ہے ،

اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتَابِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ ۔ (تو کیا کتاب بعض کو مانتے ہو اور بعض کا انکار کرتے ہو)

الحمدللہ اہل سنت و جماعت ان آیات کو بھی مانتے ہیں جن میں بتوں کی تردید ہے، اور ان آیات کو بھی مانتے ہیں، جن میں مقبولانِ بارگاہِ انبیاء کرام علیہم السلام اور اولیائے عظام کی تائید ہے ۔ اہل سُنت ان آیات کو بھی پڑھتے ہیں جن میں مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ کا ذکر ہے اور ان آیات کو بھی پڑھتے ہیں جس میں اولیاء اللہ کا ذکر ہے۔ دشمنانِ اولیاء بتوں والی آیتیں پڑھتے اور انہیں اولیاء اللہ پر چسپاں کرتے ہیں، اللہ کے نبیوں پر چسپاں کرتے ہیں ۔ نعوذ باللہ من ذالک۔

منکرینِ اولیاء یہ آیت پڑھتے ہیں ،

وَلَنْ يَّخْلُقُوْا ذُبَابًا وَّلَوِ اجْتَمَعُوْا لَهٗ ۔ (ایک مکھی بھی نہ بنا سکیں، اگرچہ سب اس پر اکٹھے ہو جائیں)

(پ ۱۷ - ع ۱۶)

یہ آیتِ مقدسہ حالانکہ بُتوں کے حق میں نازل ہوئی ، مگر ان لوگوں نے سیدھے سادے مُسلمانوں کو دھوکہ دینے کے لیے ترجمہ کر دیتے کہ نہ کوئی ولی نہ کوئی نبی، چاہے یہ سب مل جائیں، پھر بھی ایک مکھی تک بھی نہیں بنا سکتے ۔ اللہ تعالیٰ سب مُسلمانوں کو ایسے دُھوکہ باز اور دُشمنانِ اولیاء لوگوں سے محفوظ و مامون رکھے۔ قرآن مجید نے ایسے ہی لوگوں کے بارے میں فرمایا ہے۔

يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَمَا يَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ۝ (پ ۱ - ع ۲)

(فریب دیا چاہتے ہیں اللہ اور ایمان والوں کو اور حقیقت میں فریب نہیں دیتے مگر اپنی جانوں کو اور انہیں شعور نہیں۔)

حضرات! لوگوں کو دھوکہ دینے والے یہ نہیں سمجھتے کہ یہ خود اپنے آپ کو بھی دھوکے میں ڈال رہے ہیں۔ میں عرض کر رہا تھا کہ یہ کہتے ہیں کہ کوئی نبی کوئی ولی مکھی بھی بنانے پر قادر نہیں۔ نہ جانے یہ کیوں مکھیاں بنانے پر اتنا زور دے رہے ہیں؟ کیا مکھیاں پہلے کم ہیں؟ کیا انبیائے کرام علیہم السلام، اولیاء عظام کا مشن مکھیاں بنانا ہے؟ ان لوگوں نے نہ جانے کیوں اس آیت کی رٹ لگا رکھی ہے۔ انہیں قرآن کریم میں یہ نظر نہیں آتا کہ عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا۔

اِنِّیْٓ اَخْلُقُ لَکُمْ مِّنَ الطِّیْنِ کَھَیْـَٔۃِ الطَّیْرِ فَاَنْفُخُ فِیْهِ فَیَکُوْنُ طَیْرًۢا بِاِذْنِ اللّٰهِ۔ (پ ۳ ع ۱۳)

(تحقیق میں بناتا ہوں تمہارے لیے مٹی سے مثل پرندے کی صورت پس اس میں پھونک مارتا ہوں، وہ پرندہ بن جاتا ہے اللہ تعالیٰ کے حکم سے)

حضرات محترم! اس آیہ کریمہ سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے نبی خدائے قدوس کی عطا سے یہ بنا سکتے ہیں۔ یہ لوگ ابھی تک مکھیوں کے چکر سے نہیں نکلے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں کہ میں مٹی کا پرندہ بنا کر اس میں پھونک ماردوں، تو وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے پرندہ بن کر اڑنے لگتا ہے۔ یہاں سے ایک بات یہ بھی ثابت ہوئی کہ دم کرنا اللہ تعالیٰ کے نبی پاک کی سنت ہے۔ جو لوگ کہتے ہیں کہ پھونکوں میں کیا رکھا ہے؟ وہ دیکھ لیں کہ پھونک میں کیا اثر ہے۔

لطیفہ ایک مستری جو بدعقیدہ تھا کسی مولوی صاحب کے مکان کا دروازہ بنا رہا تھا۔ کام کرتے کرتے کہنے لگا۔ مولوی صاحب آپ لوگ بیماروں کو دم کرتے ہیں، پھونکیں مارتے ہیں، ان پھونکوں میں کیا رکھا ہے؟ علاج تو صرف دوائی سے ہی کرنا چاہیئے۔ مولوی صاحب نے اس پر کئی دلیلیں پیش کیں، مگر وہ نہ مانوں کی برابر

رٹ لگاتا رہا۔ آخر کار مولوی صاحب نے کہا، میاں نہیں مانتا تو نہ ہی تمہاری مرضی، اپنا کام کرد مستری صاحب کام میں مشغول ہو گئے۔ جونہی انہوں نے کیل لگانے کے لیے ہتھوڑی لگائی تو وہ اس کی انگلی پر پڑ گئی۔ مستری صاحب نے جلدی سے انگلی کو دوسرے ہاتھ سے دبایا اور پھونک مارنا شروع کی۔ مولوی صاحب کو موقع مل گیا۔ انہوں نے پوچھا، میاں کیا کر رہے ہو؟ اس نے جواب دیا، جناب ہتھوڑی انگلی پر لگنے سے انگلی میں درد ہو رہا ہے، پھونکیں اس لیے مار رہا ہوں کہ اس سے ذرا آفاقہ ہو جاتا ہے۔ مولوی صاحب نے کہا، میاں اب تو مسئلہ سمجھ میں آ گیا ہوگا، وہ بے چارہ شرمندہ ہو گیا۔

حضراتِ محترم! میں عرض کر رہا تھا کہ قرآن کریم کا ارشادِ گرامی ہے کہ جس صندوق میں موسیٰ علیہ السلام کا عصا شریف اور آپ کا جوڑا مبارک، ہارون علیہ السلام کا عمامہ شریف اور عصا مبارک تھا اور اس صندوق کی زیارت باعثِ تسکینِ قلب ہے۔

، اے اللہ! عصائے کلیم کی زیارت باعثِ سکون و اطمینان کیوں ہے؟

ڈنڈے تو دنیا میں بہت سے اور بھی ہیں ؛ تو قرآن کریم ارشاد فرماتا ہے کہ یہ درست ہے ڈنڈے اور بھی بہت سے ہیں، مگر عصائے کلیم عام ڈنڈوں کی طرح نہیں، بلکہ یہ وہ عصائے مبارک ہے جس کو اللہ تبارک و تعالیٰ کے پیارے نبی علیہ السلام نے پکڑا تھا اور یہ وہ ڈنڈا ہے جس کے متعلق خود اللہ تعالیٰ نے پوچھا تھا،

وَمَا تِلْكَ بِيَمِيْنِكَ يٰمُوْسٰى (پ ۱۶ ع ۱۰) — (اور تیرے دائیں ہاتھ میں کیا ہے اے موسیٰ!)

اس عصا مبارک کی شان یہ ہے،

وَاِذِ اسْتَسْقٰى مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ فَقُلْنَا اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا۔ (پ ۱ - ع ۷)

اور جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کے لیے پانی مانگا، تو ہم نے فرمایا اس پتھر پر اپنا عصا مارو، فوراً ہی اس میں بارہ چشمے بہہ نکلے،

یہ وہ عصا ہے جس کو کلیم اللہ علیہ السلام پکڑتے تھے اور بکریوں کے لیے پتے بھی جھاڑ لیتے تھے، اس پر ٹیک بھی لگا لیتے تھے۔ دریائے قلزم اسی عصا سے خشک ہوا تھا۔ اسی عصا کو کلیم اللہ علیہ السلام نے پتھر پر مارا تو بارہ چشمے پانی کے بہہ نکلے، پانی پر پڑے تو راستے بنا دیے یہی وہ عصا ہے جو سانپ بن کر موسیٰ علیہ السلام کی حفاظت کیا کرتا تھا اور جب آپ ہاتھ لگاتے تو پھر لاٹھی بن جایا کرتا تھا، یہ اندھیری رات میں مشعل کا کام بھی دیتا تھا۔

بزرگو، دوستو! یہ ڈنڈے کا کمال نہ تھا، بلکہ یہ ساری برکتیں اللہ تبارک وتعالیٰ کے پیارے نبی کلیم اللہ علیہ السلام کی تھیں۔ یہ تو تھا عصائے کلیم اللہ، جس کی زیارت طمانیتِ قلب کا باعث تھی، اب ذرا تاجدارِ مدینہ امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی شان سنیئے۔ سرکار اعلیٰحضرت علیہ الرحمہ فرماتے ہیں ؎

عصائے کلیم اژدہائے غضب تھا
گروں کا سہارا عصائے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)

حضرات محترم! موسیٰ علیہ السلام نے پتھر پر اپنا مقدس عصا مارا تو پانی کے بارہ چشمے جاری ہو گئے، مگر میرے آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام کے غلاموں نے پانی کا سوال کیا، تو آپ نے اپنی انگلیوں سے پانی کے چشمے جاری کر دیے اور پندرہ سو صحابہ سیراب ہو گئے۔

انگلیاں ہیں فیض پر، ٹوٹے پیاسے جھوم کر
ندیاں پنجاب رحمت کی ہیں جاری واہ وا

ضربِ کلیم کا پتھروں سے پانی نکالنا، یقیناً بہت بڑا معجزہ ہے، مگر میرے شہنشاہ صلی اللہ علیہ وسلم کی انگلیوں سے پانی کے چشمے جاری ہو جانا یہ اس سے بھی بڑا معجزہ ہے، بلکہ میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ انور سے تو دودھ کی ندیاں بہہ گئیں

حضور کا دستِ انور دورانِ ہجرت حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم نے امِ معبد کی بکری کے خشک تھنوں کو دستِ انور لگایا تو خشک تھن دودھ

سے بھر گئے اور پھر جناب صدیق اکبر اور اُمِّ معبد اور اس کے گھر والوں نے خوب سیراب ہوکر پیا۔ اسی طرح ایک مرتبہ ایک دودھ کے پیالے کو ستر اصحاب نے نوش کیا۔ سرکارِ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ فرماتے ہیں، ؎

کیوں جنابِ بُوہریرہ تھا وہ کیسا جامِ شیر!

جس سے ستر صاحبوں کا دودھ سے منہ پھر گیا

پتھروں پر عصا مار کر پانی نکالنا بڑی عظمت کی بات ہے، مگر ہمارے آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام منبر شریف پر جلوہ فگن ہیں، کسی اعرابی نے بارش کے لیے عرض کی تو آپ کے دستِ مبارک کا اٹھنا ہی تھا کہ بارش شروع ہوگئی۔

حضراتِ محترم! عصائے کلیم مشعل بن جاتا تھا، وہ سانپ بن کر آپ کی حفاظت بھی کیا کرتا تھا، لیکن آیئے سُنیے، وہ عصا جو میرے آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دستِ انور سے مَس ہوا، اُس کی کیا شان ہے؟

حضرت عبداللہ بن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو خالد بن سفیان بن نبیح ہذلی کے قتل کرنے کے لیے بھیجا۔ میں جب قتل کر کے واپس حاضرِ خدمت ہوا تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اپنا عصائے مبارک عطا کرتے ہوئے فرمایا،

تَخَصَّرْ بِهٰذِهٖ فِي الْجَنَّةِ۔ (اس کے ساتھ جنت میں چلے جانا)

چنانچہ وہ عصائے مبارک حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس رہا۔ جب ان کی وفات کا وقت آگیا، تو وصیت کی کہ اس عصا کو میرے کفن میں رکھ دینا، چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔

(زرقانی علی المواہب وحیوٰۃ الحیوان، بیہقی، ابونعیم)

ایک شب بارش ہو رہی تھی اور رات بھی سخت اندھیری تھی۔ حضرت قتادہ بن نعمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ دیر تک سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بیٹھے رہے۔ جب آستانۂ رسول سے جانے لگے، تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انہیں کھجور کی ایک شاخ عنایت فرمائی،

وَقَالَ انْطَلِقْ بِهٖ فَاِنَّهٗ سَيُضِيْئُ لَكَ مِنْ بَيْنِ يَدَيْكَ عَشْرًا وَّمِنْ خَلْفِكَ عَشْرًا۔ (شفا ج ا ص۲۱۹)

(اور فرمایا لے جاؤ، یہ تمہارے دس ہاتھ آگے اور دس ہاتھ پیچھے روشنی کرے گی)

جنگِ اُحد میں حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تلوار ٹوٹ گئی۔

فَاَعْطَاهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَسِيْبًا مِّنْ نَّخْلٍ فَرَجَعَ فِيْ يَدِهٖ سَيْفًا۔ (خصائص کبریٰ ج ا ص۲۱۷)

(تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ایک کھجور کی شاخ عطا فرمائی۔ جب وہ ان کے ہاتھ میں گئی تو ایک نہایت ہی عمدہ تلوار بن گئی)

تو ہاں! میں عرض کر رہا تھا کہ شمویل علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا کہ تمہاری طرف ایک صندوق آئے گا جس میں تمہارے رب کی طرف سے سکون ہے، اس کی زیارت سے تمہیں سکونِ قلب نصیب ہوگا اور اس صندوق میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا مبارک اور حضرت ہارون علیہ السلام کا عمامہ شریف تھا۔

حضرات! جب ہارون علیہ السلام کے عمامہ کی یہ شان ہے تو تاجدارِ مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمامہ شریف کی شان کا اندازہ کون کر سکتا ہے۔ اللہ اکبر! آپ کے عمامہ شریف کی عظمت پہ قربان جاؤں ؎

تاج والے دیکھ کر تیرا عمامہ نور کا
سر جھکاتے ہیں الٰہی بول بالا نور کا

حضراتِ گرامی! اللہ کے نبی علیہ السلام کے جسمِ اطہر سے جو شئے بھی مَس کر گئی، وہ عظمت و برکت والی بن گئی۔ یہی عقیدہ اہل سنت و جماعت کا ہے۔ حضور سرورِ کائنات فخرِ موجودات صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں،

مَنْ مَسَّ جَلَدِيْ لَنْ تَمَسَّهُ النَّارُ۔ (روضۃ الشہداء ص۲)

(جو میرے جسم کے ساتھ مَس کرے گا، اس کو دوزخ کی آگ مَس نہیں کر سکتی)

یہی وجہ تھی کہ صحابہ کرام آپ کے ہاتھوں اور پاؤں مبارکہ کا بوسہ لیا کرتے تھے۔

حضرت زراع رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم وفد کی صورت میں مدینہ منورہ آئے

فَنُقَبِّلُ يَدَ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَرِجْلَهُ (تو ہم نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ اور پاؤں مبارک چومے) (مشکوٰۃ صـ۴۰۲)

مُہرِ نبوت کا بوسہ لینا

محبوب کبریا علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حیاتِ ظاہری کے آخری ایام تھے۔ آپ مسجد میں تشریف لاتے، کمزوری اور نقاہت کا یہ عالم ہے کہ آپ نے ایک ہاتھ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کاندھے پر اور دوسرا ہاتھ حضرت فضل بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے کاندھے پر رکھا ہوا ہے، چنانچہ آپ مسجد شریف میں پہنچ کر منبر پر جلوہ افروز ہوئے۔ آپ کا مسجد میں آنا تھا کہ صحابہ کرام مسجد میں آنا شروع ہوگئے۔ پھر سید المرسلین خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ لوگوں میں اعلان کر دو کہ سب مسجد میں جمع ہو جائیں، اس لیے کہ میں چاہتا ہوں کہ آج اُن کو کچھ وصیت کر دوں۔ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حسب الحکم مدینہ پاک کے گلی کوچوں میں منادی کر دی کہ اے لوگو! آج رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم تمہیں کوئی وصیت کرنا چاہتے ہیں، لہٰذا سب کے سب مسجد میں جمع ہو جاؤ۔ یہ اعلان سننا تھا کہ لوگ جوق در جوق مسجد میں حاضر ہوگئے۔ اس کے بعد سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک فصیح و بلیغ خطبہ ارشاد فرمایا۔ احکاماتِ شرعیہ بتائے اور نصیحتیں کیں اور طراقِ آداب تعلیم فرمائے اور پھر خبردار کرتے ہوئے فرمایا جس کسی کا مجھ پر کوئی حق ہو، وہ مجھ سے لے لے۔ ایک شخص نے کھڑے ہو کر عرض کیا، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے آپ پر تین درہم ہیں۔ آپ نے فرمایا، اے فضل! اسے تین درہم دے دو۔ (مدارج النبوۃ ج ۲ صـ۴۲۲)

پھر حضرت عکاشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کھڑے ہوتے اور عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جنگِ تبوک کے موقع پر آپ نے میری پشت پر ایک کوڑا مارا تھا۔ دل تو نہیں چاہتا تھا کہ اس

کا اظہار کروں، مگر آپ کے فرمانِ عالی کی وجہ سے عرض کر دیا۔ آپ نے فرمایا اے سلمان! وہ کوڑا فاطمۃ الزہرا کے گھر میں موجود ہے، وہاں سے لے کر آؤ۔ سیدۃ النساء العالمین کے در اقدس پر حاضر ہو کر حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کوڑا طلب کیا۔ حضرت سیدہ نے کوڑا تو دے دیا، مگر پوچھا کہ آپ نے یہ کوڑا کس لیے مانگا ہے۔ جناب سلمان نے بنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں یہ تمام واقعہ عرض کر دیا ؎

رو رو چابک سلمان نے منگیا سی قصہ زہرا نوں سارا سنا کے تے
سُندیاں سار ہوئی اشکبار زہرا، چابک دتا سی ہنجو بہا کے تے
کیتا حسن حسین نوں حکم ہے سی، بنتِ نبی نے فوراً بلا کے تے
میرے بدلے قربانی اَج دیو جا کے، میرے پالنے دائی پا کے تے
سو سو چابک کھائیو اپنے جسم اُتے، بدلہ نانے دا دسو چکا کے تے

کوڑا مسجد نبوی میں پہنچا تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت عکاشہ کے ہاتھ میں دے دیا اور فرمایا اپنا بدلہ لے لو۔ وہ تیار ہو گئے۔ صحابہ کرام نے زار و قطار رونا شروع کر دیا۔ آخر حضرت صدیق اکبر اور فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے کہا، اے عکاشہ! ایک کوڑے کے بدلے میں ہمیں پانچ پانچ سو کوڑے لگا لے، مگر ہمارے آقا کو ایذا نہ دو، وہ بیمار ہیں۔ اسی طرح حسنین کریمین نے کہا، لیکن انہوں نے کسی کی بھی نہ مانی۔ آپ نے فرمایا ؎

بدلہ لے توں اساں نوں مار چابک، کہیا آقا نے کول بہا کے تے
ننگی کنڈ سی اس دن حضور میری، کہیا پھر عکاشے سُنا کے تے
کملی والے نے چکی قمیض فوراً زیر لب ہیسی مسکرا کے تے

جب سیدِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے پشتِ مبارک سے قمیضِ اقدس کو اٹھایا تو عکاشہ کی نظر مہرِ نبوت پر پڑی، آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ چابک ہاتھ سے گر گیا اور جلدی سے مہرِ نبوت کا بوسہ لے لیا ؎

پھر سوہنے نبی دیاں قدماں نوں کیتی عرض ایہہ اُدب بجا کرکے
کملی والیا کریں معاف میںوں اپنے کرم دا ابر برسا کرکے

گفت یارسول اللہ عرض من قصاص نبود، مراد من آں بود کہ مہر نبوت را ببینم و بعضے از اعضائے مبارک تو مس کنم کہ شما فرمودہ بود کہ مَنْ مَسَّ جَلْدِیْ لَنْ تَمَسَّہُ النَّارُ۔ (مععنۃ الشھداء صـــ)

(عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، میری غرض بدلہ لینے کی نہ تھی بلکہ مراد یہ تھی کہ میں آپ کی مہر نبوت کی زیارت کروں اور آپ کے جسم اطہر کے ساتھ مس کروں کیونکہ آپ نے فرمایا کہ جو ہمارے جسم کے ساتھ مس کرے گا، اس کو جہنم کی آگ نہیں چھوئے گی)

دستر خوان

حضرت عباد بن عبد الصمد فرماتے ہیں کہ ایک روز حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر حاضر ہوئے۔ انہوں نے اپنی خادمہ سے فرمایا کہ دستر خوان لاؤ تاکہ ہم کھانا کھائیں۔ دستر خوان لایا گیا۔ فرمایا کہ رومال بھی لاؤ۔ وہ ایک رومال لے آئیں جو کہ میلا کچیلا تھا۔ فرمایا کہ اس کو تنور میں ڈال دو۔ اس نے تنور میں رومال ڈال دیا جس میں آگ جل رہی تھی۔ کچھ دیر بعد جب نکالا گیا تو وہ دُھل کر دودھ کی طرح سفید ہو چکا تھا ہم نے حیران ہو کر پوچھا یہ کیا ماجرا ہے؟ حضرت انس نے جواب دیا یہ وہ رومال ہے جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چہرۂ انور کو صاف کیا کرتے تھے۔ جب یہ مَیلا ہو جاتا ہے تو میں اسی طرح اس کو آگ میں ڈال کر دھو لیا کرتا ہوں۔

لِاَنَّ النَّارَ لَا تَاْکُلُ شَیْئًا مَرَّ عَلٰی وُجُوْہِ الْاَنْبِیَاءِ۔ (خصائص ج ۲ ص)

کیونکہ جو شے بھی انبیاء کرام علیہم السلام کے چہروں پر سے گزرے، اُسے آگ نہیں جلاتی۔

حضور کا مقدس خون

نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک مرتبہ پچھنے لگوائے تو حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا یہ خون لے جاؤ اور کسی ایسی جگہ چھپا آؤ جہاں کوئی نہ دیکھے۔ وہ باہر نکل کر پی گئے۔ جب واپس

آئے، تو آپ نے ارشاد فرمایا اے عبداللہ بن زبیر تم میرے خون کو کہاں چھپا آئے ہو؟ عرض کیا آقا! ایسی جگہ چھپا آیا ہوں، جہاں کوئی نہ دیکھے۔ فرمایا، شاید تو پی آیا ہے؟ عرض کیا، ہاں یا رسول اللہ کیونکہ میں جانتا ہوں کہ جس میں آپ کا خون ہوگا اس کو دوزخ کی آگ نہ چھوئے گی۔ فرمایا جا تو بھی آگ سے بچ گیا۔ (خصائص ج ۱۔ صفحہ ۶۸)۔

مُوئے مُبارک حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ حجام آپ کے سر انور کی حجامت بنا رہا تھا اور آپ کے صحابہ کرام آپ کے گرد حلقہ باندھے ہوئے کھڑے تھے اور وہ یہی چاہتے تھے،

اَنْ تَقَعَ شَعْرَۃٌ اِلَّا فِیْ یَدِ رَجُلٍ۔ (کہ آپ کا جو بال بھی گرے، وہ کسی نہ کسی کے ہاتھ پر ہو۔) (مسلم ج ۲ صفحہ ۲۵۶)

سیف اللہ کی ٹوپی جنگِ یرموک میں خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مقابلہ میں نسطور نامی پہلوان آیا۔ خالد بن ولید اور اس کے درمیان بڑا سخت مقابلہ ہوا۔ اس دوران حضرت خالد بن ولید کا گھوڑا ٹھوکر کھانے کی وجہ سے گر گیا اور آپ کی ٹوپی بھی زمین پر گر گئی۔ نسطور پہلوان نے یہ موقع غنیمت جانا اور پیچھے آ گیا۔ حضرت خالد نے اپنے رفقاء کو پکار پکار کر کہا میری ٹوپی دو۔ ایک شخص دوڑ کر آیا اور ٹوپی آپ کو دی۔ آپ نے اسے پہن کر نسطور پہلوان کا مقابلہ کیا، حتیٰ کہ اسے قتل کر دیا۔ اس واقعہ کے بعد آپ سے دریافت کیا گیا کہ کیا وجہ تھی کہ دشمن آپ کی پشت پر پہنچ گیا اور آپ ٹوپی کی فکر میں تھے؟ حضرت خالد نے بتایا کہ اس ٹوپی میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بال مبارک تھے جو مجھے جان سے بھی زیادہ پیارے ہیں اور ہر جنگ میں انہی بالوں کی برکت سے فتح پاتا ہوں۔ (حجۃ اللہ علی العالمین صفحہ ۶۸۶)

الغرض اُن کے ہر مُو پہ بیحد دُرود
اُن کی ہر خُو و خصلت پہ لاکھوں سلام

ان شواہد سے معلوم ہوا کہ آپ کے صحابہ آپ کے تبرکات سے نفع حاصل کرتے تھے۔ اگر غیر اللہ سے نفع حاصل کرنا شرک ہوتا یا نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم ان سے فرما دیتے کہ ان سے فرما دیتے کہ ان بالوں میں کیا رکھا ہے؟ میں بھی تمہارے جیسا بشر ہوں کیا تمہارے سروں پر بال نہیں۔ اگر بالوں کی ضرورت ہے تو کسی حجام سے لے لو۔

اب سوچنے کی بات یہ ہے کہ جو صحابہ کرام بال لینے کے لیے جمع ہو جایا کرتے تھے کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں فرمایا تھا کہ جب میں نے بال کٹوانا ہو تو تم میرے بال لینے کے لیے جمع ہو جایا کرو، ہرگز ہرگز نہیں، بلکہ انہوں نے یہ بات قرآن سے سیکھی تھی۔ قرآن میں حضرت یوسف علیہ السلام کا واقعہ موجود ہے کہ جب حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی مصر گئے تو آپ نے فرمایا کہ اباجان کا کیا حال ہے؟ تو بھائیوں نے جواب دیا وَابْيَضَّتْ عَيْنَاهُ مِنَ الْحُزْنِ۔ (ان کی آنکھیں غم و فراق کی وجہ سے جاتی رہیں) یوسف علیہ السلام نے بھائیوں سے یہ نہیں کہا کہ ان کو یہاں لے آؤ، میرے پاس بڑے بڑے قابل طبیب ہیں، ان کا علاج یہاں ہو جائے گا بلکہ آپ نے فرمایا:

اِذْهَبُوْا بِقَمِيْصِيْ هٰذَا فَاَلْقُوْهُ عَلٰى وَجْهِ اَبِيْ يَاْتِ بَصِيْرًا۔ (پ ۱۳ - ع ۴)

(میری قمیص لے جاؤ اور میرے باپ کے چہرے پر ڈال دینا، ان کی آنکھیں روشن ہو جائیں گی)

لے جاؤ ایہہ کرتا میرا منہ بدر ستے پاؤ!
بینائی وچہ اکھیاں آوے ویکھ لوؤ، آزماؤ

چنانچہ جب آپ کی قمیص حضرت یعقوب علیہ السلام کے چہرۂ مبارک پر ڈالی تو آنکھیں روشن ہو گئیں۔ قرآن کریم یوں فرماتا ہے:

فَلَمَّآ اَنْ جَآءَ الْبَشِيْرُ اَلْقٰىهُ عَلٰى وَجْهِهٖ فَارْتَدَّ بَصِيْرًا۔ (پ ۱۳ - ع ۵)

(پھر جب خوشخبری سنانے والا آیا تو وہ قمیص ان کے منہ پر ڈال دی، اسی وقت بینائی واپس آگئی)

بزرگو، دوستو حضرت یوسف علیہ السلام کی قمیض کی برکت سے حضرت یعقوب علیہ السلام کی آنکھیں روشن ہو گئیں — میں عرض کر رہا تھا جس صندوق کے نزول کو اللہ تعالیٰ نے دلوں کا چین قرار دیا، اس میں محبوبین خدا کے تبرکات تھے۔ موسیٰ علیہ السلام کا عصا مبارک، نعلین شریف، حضرت ہارون علیہ السلام کا عمامہ مبارک۔ جس نعلین کو موسیٰ علیہ السلام کے قدموں کے ساتھ لگنے کی سعادت ملی، وہ متبرک ہو گئی۔ اگر موسیٰ علیہ السلام کی نعل پاک تبرکات میں سے ہے، تو سید الانبیاء علیہ السلام کے قدموں سے لگنے والے جوڑے مبارک کی کیا شان ہوگی۔ حضرت حسن رضا بریلوی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں ؎

جو سر پہ رکھنے کو مل جائے نعلِ پاک حضور
تو پھر کہیں گے کہ ہاں تاجدار ہم بھی ہیں

سرکار اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں، ؎

کھائی قرآں نے خاکِ گزر کی قسم!
اُس کفِ پا کی حرمت پہ لاکھوں سلام

عظمتِ نعلینِ مصطفیٰ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام شبِ معراج جب عرش بریں کے قریب پہنچے تو رب تعالیٰ کی طرف سے حکم ہوا اے میرے پیارے محبوب! آگے آؤ۔ حضور علیہ السلام نے اپنی نعلین شریف اتارنے کا ارادہ کیا تو عرش مجید کو لرزہ آگیا اور حکم ہوا اے میرے پیارے حبیب اپنے جوڑے مبارک کو نہ اتارو ؎

حکم ہویا محبوبا جوڑے سنے آ!
تیرا جوڑا محبوبا نہیں لاان والا
محمد پیارا، بڑی شان والا
سنے جوڑے عرشاں تے چڑھ جان والا۔

اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم نعلین پہنے ہوئے عرش عظیم پر قدم رکھیے تاکہ آپ کے قدموں کی

برکت سے میرا عرش قرار پائے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بارگاہ ایزدی میں عرض کی، یا اللہ! موسیٰ علیہ السلام کو تو کوہِ طور پر حکم آگیا تھا،

فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ إِنَّكَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى — (پس آپ جوڑے اتار دو، اس لیے کہ تحقیق آپ اس مقدس وادی میں ہیں جس کا نام طویٰ ہے)

(پ ۱۶ - ع ۱۰)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عرض کی، اے اللہ! کلیم اللہ علیہ السلام کو تو کوہِ طور پہاڑ پر جوڑا اتارنے کا حکم تھا اور یہ تیرا عرش تو کوہِ طور سے کئی درجے افضل و اعلیٰ ہے ؎

حکم ہویا موسیٰ نوں جوڑا اُتارو!
تیرا رب تجلی ہے فرمان والا

ایک اور شاعر کہتا ہے ؎

عرش کی آقا نے کہا اے مالک جن و بشر
کیا سبب تھا طور پر جب تو ہوا تھا جلوہ گر
حکم موسیٰ کو ہوا نعلین پا نہ ہو طور پر
حکم مجھ کو یہ ہوا نعلین پا سے آ ادھر
پھر ندا آئی ذرا اس بات پہ بھی غور ہو
تم کہاں، موسیٰ کہاں وہ اور تھے تم اور ہو (دقتہ التاج ص ۲۹۵)

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ فرماتے ہیں ؎

نہ ہے عزت و اعتلائے محمد
کہ ہے عرشِ حق زیرِ پائے محمد

نعلین شریف سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دن ہم لوگ محبوب کبریا صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں حاضر تھے کہ اچانک

سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہم میں سے اٹھے اور کہیں تشریف لے گئے اور واپس تشریف نہ لائے، ہم ڈر گئے کہ مبادا کوئی شخص ہی آقا علیہ السلام کو کوئی ایذا نہ پہنچائے۔ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اہل مجلس گھبرا کر حضور خیر الانام علیہ السلام کی تلاش میں اٹھے اور ان اٹھنے والوں میں سے سب سے پہلا میں تھا۔ آپ کو تلاش کرنے کے لیے نکلا، حتیٰ کہ میں نے ایک انصاری کے باغ میں آپ کو جلوہ افروز پایا۔ میں باغ کے ارد گرد گھوما کہ مبادا کوئی دروازہ مل جائے تاکہ اس سے اندر داخل ہو جاؤں، مگر غلبۂ محبت نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے کچھ دکھائی نہ دیتا تھا۔ ایک نالی تھی جو بیرونی کنوئیں سے باغ کے اندر جاتی تھی۔ ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں اُس نالی میں سے سُکڑ کر گزر گیا اور محبوبِ کبریا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہو گئے۔

جب آپ نے حضرت ابوہریرہ کی یہ حالت دیکھی تو فرمایا، اے ابوہریرہ! یہ کیا حال بنا رکھا ہے؟ عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ ہم میں جلوہ فرما تھے اور اچانک ہی اُٹھ آئے اور واپسی میں خاصی تاخیر فرمائی۔ ہم لوگ ڈر گئے کہ ہماری غیر موجودگی میں آپ کو کوئی دشمن تکلیف نہ پہنچائے۔ ہم پریشان ہو کر وہاں سے اٹھ کھڑے ہوئے اور ان اٹھنے والوں میں سے سب سے پہلا میں ہی ہوں اور آپ کو یہاں جلوہ فرما دیکھا تو،

فَاَتَيْتُ هٰذَا الْحَائِطَ فَاحْتَفَزْتُ كَمَا يَحْتَفِزُ الثَّعْلَبُ وَ هٰؤُلَاءِ النَّاسُ وَرَائِيْ۔ (مشکوٰۃ ص۱۵)

(پس میں لومڑی کی طرح سکڑ کر اسی باغ میں داخل ہوا اور باقی تمام لوگ میرے پیچھے ہیں۔)

نہ من تنہا دریں میخانہ مستم!!
ازیں ہم چو من بسیار ست

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، اے ابوہریرہ! یہ میرا جوڑا مبارک لے جاؤ اور اس باغ کے باہر جو تمہیں لَا اِلٰہَ

اِلَّا اللّٰہُ کہتا ہوا ملے، تو فَبَشِّرْہُ بِالْجَنَّۃِ (اسے جنت کی بشارت دے دو)

حضراتِ محترم! اس فرمانِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پڑھ کر اہل محبت وجدان میں آجاتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنا جوتا عطا کیا اور فرمایا جو کلمہ پڑھتا ہوا اس باغ کے باہر ملے تو اسے جنت کی خوشخبری دے دینا بات تو کلمہ کی تھی، ساتھ جوڑا کیوں دیا؟ اس میں اشارہ یہ تھا کہ ابوہریرہ جو کلمہ پڑھتا ہے، اسے میرا جوتا دکھانا۔ اگر اس کے دل میں اس کی عظمت موجود ہوگی، تو تب وہ جنتی ہے۔ اگر اس جوڑے کی تعظیم سے اس کا دل خالی ہے، تو وہ جنتی کیسے ہو سکتا ہے؟

حضراتِ محترم! اللہ تعالیٰ کے محبوب بندوں کے تبرکات کی زیارت و توقیر و تعظیم کرنا دین و دنیا کی برکات حاصل کرنے کا ذریعہ ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ ہم سب کو قرآنِ کریم کے بتائے ہوئے اصولوں پر زندگی بسر کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِيْن

اعلیٰ حضرت

الشاہ احمد رضا

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِیْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ وَ عَلٰی اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِیْنَ ۔ اَمَّا بَعْدُ ۔

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۔
لَا تَجِدُ قَوْمًا یُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ یُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِیْرَتَهُمْ اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِیْ قُلُوْبِهِمُ الْاِیْمَانَ ۔ صَدَقَ اللّٰهُ مَوْلٰنَا الْعَظِیْمُ وَصَدَقَ رَسُوْلُهُ النَّبِیُّ الْكَرِیْمُ الْاَمِیْنُ ۔

معزز سامعین کرام! آج میں نے آپ کے سامنے قرآن مجید و فرقان حمید میں سے ایک آیۂ مقدسہ تلاوت کی ہے ۔ اللہ تبارک و تعالیٰ جل مجدہٗ الکریم کا ارشاد گرامی ہے :

لَا تَجِدُ قَوْمًا یُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ یُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِیْرَتَهُمْ اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِیْ

تم کبھی نہ پاؤ گے جو لوگ اللہ تعالیٰ اور آخرت پر ایمان رکھتے ہیں، وہ ان لوگوں سے محبت کرتے ہوں جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کی، خواہ وہ ان کے باپ ہوں خواہ بیٹے ہوں خواہ،

قُلُوبِهِمُ الْإِيْمَانَ ۔ بھائی ہوں یا ان کے اہلِ خاندان ہوں۔
یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ تعالیٰ
(پ ۲۸ ۔ ع ۳) ایمان نقش کر دیا ہے۔

اس آیۂ کریمہ میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ اور یوم قیامت پر ایمان رکھتے ہیں، تم ان کو دشمنانِ خدا اور مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کبھی بھی محبت کرتے نہ پاؤگے خواہ وہ ان کے کتنے ہی قریبی کیوں نہ ہوں۔ مومن ہمیشہ اس سے محبت کرتا ہے جو خداوند عالم اور اس کے پیارے محبوب اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فرماں بردار اور وفادار ہو۔ چنانچہ جو لوگ اللہ تعالیٰ اور اسکے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے محبین سے محبت رکھتے اور اللہ اور رسول کے دشمنوں کے ساتھ دشمنی رکھتے ہیں، ان کو بارگاہِ خداوندی سے یہ انعام ملا جس کو قرآن کریم نے یوں بیان فرمایا؛

أُولَٰئِكَ كَتَبَ فِي قُلُوبِهِمُ الْإِيْمَانَ ۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ تعالیٰ نے ایمان نقش کر دیا ہے۔

حضرات محترم! اللہ تبارک و تعالیٰ اور اس کے محبوب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا جوئی اور خوشنودی کے لیے کسی سے دوستی اور اللہ اور رسول کی رضا کے لیے دشمنی اور عداوت رکھنے کی وجہ سے مسلمان دین و دنیا کے شہنشاہ بن گئے۔ اس لیے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کا وعدہ ہے جسے علامہ اقبال یوں بیان کرتے ہیں ؎

کی محمد سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

مسلمان تاجدارِ مدینہ سرورِ سینہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفاداری سے وہ عظیم طاقت بن گئے کہ دنیائے عالم میں اسلام کا سکہ بیٹھ گیا۔ پرچم اسلام بلند ہوا اور باطل لرز کر رہ گیا، ایوانِ کفر میں زلزلہ آگیا ۔ چنانچہ مسلمانوں کی اس عظمت و شوکت کو دیکھ کر باطل

اقوام حیران و پریشان ہو کر رہ گئیں کہ نجانے مسلمانوں کے پاس کونسی قوت ہے جس کے سامنے ساری مادی طاقتیں مفلوج ہو چکی ہیں۔ آخر کار انگریز قوم نے سچے مسلمان کی زندگی کا بغور مطالعہ کیا تاکہ پتہ چل سکے کہ مسلمان کے اندر وہ کونسی طاقت کارفرما ہے جس کی وجہ سے یہ لوگ موت کو حیات، فنا کو بقا، مرنے کو زندگی تصور کرتے ہیں۔ آخر وہ اس نتیجے پر پہنچے کہ مسلمان قوم کو اپنے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بے پناہ عقیدت و محبت ہے اور وہ ان کے نام پر کٹ مرنے کو حیاتِ جاودانی سمجھتے ہیں۔ چنانچہ انگریز نے یہ فیصلہ کیا کہ مسلمانوں کو نہ تو سامانِ جنگ کی کثرت سے زیر کیا جا سکتا ہے نہ ہی فوجی طاقت سے ان کو فتح کیا جا سکتا ہے۔ مسلمانوں کو شکست دینے کا صرف اور صرف واحد طریقہ ایک ہی ہے کہ ان کے دلوں سے ان کے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی محبت نکال دی جائے۔ تو یہ لوگ خود بخود زیر ہو جائیں گے۔ قلندرِ لاہوری علامہ اقبال نے ان بدبختوں کے اس منصوبے کو یوں بے نقاب کیا ؎

وہ فاقہ کش کہ موت سے ڈرتا نہیں کبھی

اس کے بدن سے روحِ محمدی نکال دو

مسلمان بھوکا بھی ہو تو موت سے نہیں ڈرتا، اس کا سر تو کاٹا جا سکتا ہے مگر جھکایا نہیں جا سکتا۔ ان کو جھکانے کا یہی طریقہ ہے کہ ان کے دلوں سے رُوحِ محمدی یعنی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت نکال دی جائے۔ چنانچہ اس مقصد کے حصول کے لیے انگریز قوم نے دو گروہ تیار کیے، ان میں سے ایک مادر پدر آزاد ماڈرن لوگوں کا گروہ جنہوں نے سادہ لوح مسلمانوں کو ترقی کا لالچ دے کر مسجدوں، مدرسوں سے کھینچ کر کلبوں اور کالجوں تک پہنچایا۔ قرآن کریم کی تلاوت کرنے والی قوم کو ناول کے مطالعہ کا شوق دلایا۔ ذکرِ حبیب اور نعتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سننے سنانے والوں کو گانے بجانے کے سننے سنانے کی ترغیب دی۔ مسلمان مردوں کے سروں سے پگڑیاں اور عورتوں

کے سروں سے دوپٹہ اترواڈالا۔ مسلمانوں کو داڑھی منڈوانے اور انگریزی لباس پہننے کی عادت ڈالی، کھڑے ہوکر کھانا کھانے اور کھڑے ہوکر پیشاب کرنے کو ترقی کا نام دیا۔ ایک ایسے ہی سادہ لوح مسلمان کا قصہ ہے کہ اس کا بیٹا پڑھنے کے لیے کالج میں داخل تھا۔ کسی صاحب نے پوچھا میاں جی! آپ کا بچہ کونسی جماعت میں پڑھتا ہے؟ تو سادہ لوح بزرگ نے جواب دیا؛ بھائی ابھی میرا بیٹا کھڑے ہوکر پیشاب کرتا ہے تم خود ہی حساب کرلو کہ وہ کون سی جماعت میں پڑھتا ہوگا

حضرات محترم! انگریزی ایجنٹوں نے مسلمان قوم کو اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ظاہری طور پر اتنا دور کر دیا کہ اب نہ مسلمان کا چہرہ اپنے نبی علیہ الصلوۃ والسلام کی سنت کے مطابق رہا، نہ لباس نہ کھانا نہ اٹھنا بیٹھنا، ان بدبختوں کے اس منصوبے نے مسلمانوں کے ظاہر کو بدل دیا۔

دوسرا گروہ جو انگریزوں نے تیار کیا، وہ مذہبی بہروپیوں نام نہاد ملاؤں کا گروہ تھا جو بظاہر لمبی لمبی داڑھیاں رکھتے ہوتے اور لمبے لمبے جبّے پہنے ہوتے تھے۔ ان کی زبان پر قرآنی آیات تھیں، مگر ان انگریزوں کے ایجنٹوں نے قرآن وحدیث کی آڑ میں شرک وبدعت کا خوف دلاکر سادہ لوح مسلمانوں کے دل کی دنیا کو بھی برباد کرنے کی کوشش کی۔ ایک گروہ نے ظاہر بدل دیا اور ان بدبختوں نے باطن بدلنے کی مقدور بھر کوشش کی۔

اللہ کریم کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ ایسے پُرفتن دور میں مجدد ملت امام اہل سنت حضرت مولانا الشاہ احمد رضا خاں بریلوی قدس سرہ العزیز نے ان انگریزی ایجنٹوں کے دونوں گروہوں کو بے نقاب کرکے لوگوں کو بتا دیا کہ خبردار! ان بدبختوں کے کہنے پر اپنے آقا ومولا حضور نبی کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم سے اپنا ظاہری وباطنی تعلق مت توڑنا۔

ان مذہبی بہروپیوں اور نام نہاد ملاؤں نے سادہ لوح مسلمانوں سے کہا جس کا نام محمد یا علی ہے، وہ کسی شے کا مالک و مختار نہیں۔ نبی بھی ہماری مثل ایک بشر ہے۔ ان کو اپنا مشکل کشا نہ سمجھنا، مصیبت کے وقت آپ کی بارگاہ سے مدد طلب نہ کرنا، اُن کے دربارِ عالیہ کی زیارت کی نیت کر کے سفر نہ کرنا، اُن کا میلاد شریف نہ پڑھنا، اُن کو حاضر و ناظر نہ جاننا، وہ تو دیوار کے پیچھے کا بھی علم نہیں رکھتے۔ نعوذ باللہ من ذالک۔ اس قسم کے بُرے عقیدے کو اپنانے کی لوگوں کو تلقین کی کہ ایمان ہی جاتا رہے اور مسلمانوں کا تعلق اپنے آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ٹوٹ جائے، مگر اعلیٰ حضرت عظیم البرکت علیہ الرحمہ نے ان مذہبی بہروپیوں کے منصوبے کو خاک میں ملا دیا۔ آپ نے ان کے ساتھ تحریری و تقریری جہاد فرمایا۔ اُن لوگوں نے کہا کہ مشکل کے وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مت پکارنا، مگر سرکار اعلیٰ حضرت یوں فرماتے ہیں ؎

نعرہ کیجے یارسول اللہ کا — مفلسو سامانِ دولت کیجیے
غیض سے جل جائیں بےدینوں کے دل — یارسول اللہ کی کثرت کیجیے
کیجیے چرچا انہیں کا صبح و شام — جانِ کافر پر قیامت کیجیے
یارسول اللہ دہائی آپ کی — گوشمالی اہلِ بدعت کیجیے

سرکارِ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے فرمایا: اے میرے نبی کا کلمہ پڑھنے والو! ان نام نہاد ملاؤں کے فریب میں پھنس کر کہیں اپنے آقا و مولا حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلق نہ توڑ لینا، بلکہ اپنے آقا و مولا صلی اللہ علیہ وسلم کے در کے گدا بن جاؤ۔ وہ کہتے کہ اپنے نبی کو مت پکارنا، مگر احمد رضا کا پیام یہ ہے کہ کسی وقت بھی محبوب کبریا، سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہِ اقدس سے منہ موڑنا، ان کا دَر ہی ہر دَرد کا درماں اور چارۂ بیکساں ہے۔ یہی وہ آستانۂ عالیہ ہے جہاں سائل کل جہان ہے، یہی وہ آقا ہیں جن کا یہ فرمان ہے:

وَاللّٰہُ یُعْطِیْ وَاَنَا قَاسِمٌ۔

رب ہے معطی یہ ہیں قاسم

دیتا وہ ہے دلاتے یہ ہیں (اعلیٰ حضرت)

اعلیٰ حضرت عظیم البرکت رحمۃ اللہ علیہ حضور پرنور شافع النشور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بارگاہ میں عرض کرتے ہیں ؎

وہی رب ہے جس نے تجھ کو ہمہ تن کرم بنایا

ہمیں بھیک مانگنے کو تیرا آستاں بتایا

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ ہمہ تن جُود وکرم بناکر بھیجا ہے اور ہمیں بھیک مانگنے کو آپ کے آستانۂ عالیہ پر حاضر ہونے کا حکم فرمایا۔ ہمیں فخر اور ناز ہے کہ ہم آپ کے در کے بھکاری ہیں۔

کوئی کسی تھانیدار کا منگتا ہے، کوئی کسی نمبردار کا منگتا ہے، کوئی کسی تحصیلدار کا منگتا ہے، کوئی کسی امیر کا منگتا ہے، کوئی کسی وزیر کا منگتا ہے، کوئی کسی جاگیردار کا منگتا ہے، مگر احمد رضا کو ناز ہے کہ وہ احمد مختار کا منگتا ہے، مدینے کے تاجدار کا منگتا ہے، اللہ کے یار کا منگتا ہے۔ اسی لیے جب آپ کو ریاست نان پارہ کے والی کی شان میں قصیدہ لکھنے کی درخواست کی گئی تو آپ نے اس کے جواب میں نعت شریف لکھی جس کا آخری شعر یہ ہے ؎

کروں مدح اہلِ دول رضا پڑے اس بلا میں میری بلا

میں گدا ہوں اپنے کریم کا میرا دین پارۂ ناں نہیں

سبحان اللہ! عقیدہ ہو تو ایسا ہو۔ آپ اپنے آقا ومولا صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں عرض کرتے ہیں ؎

تمہیں جانا تمہیں مانا نہ رکھا غیر سے کام

للّٰہ الحمد میں دنیا سے مسلمان گیا

حضرات! اعلیٰ حضرت نے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے غلاموں کو حضور کی بارگاہِ مقدسہ سے مانگنے کا درس دیا، مگر نام نہاد ملاؤں اور گستاخوں نے شمعِ رسالت کے پروانوں کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلق توڑنے کی کوشش کی کہ حضور کریم کو مت پکارنا اور ان سے مدد مت مانگنا۔ مگر ان کا اپنا یہ حال ہے کہ جب یہ دنیاداروں سے مانگتے ہیں تو ان کی توحید میں کوئی فرق نہیں پڑتا، مگر جب ہم حبیب کبریا صلی اللہ علیہ وسلم سے مانگیں، اغثنی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پڑھیں' یَارَسُوْلَ اللّٰہِ اُنْظُرْحَالَنَا پکاریں، یا شیخ سید عبدالقادر جیلانی المدد کہیں تو شرک کے فتووں کی بوچھاڑ شروع ہوجاتی ہے۔ اسی مقام پر مولانا حسن رضا خاں بریلوی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں

تیری اٹھے تو وکیلوں سے کرے استمداد
اور طبیبوں سے مدد خواہ ہو علت تیری
کھلے لفظوں سے کہے قاضی شوکاں مدد دے
یا علی سن کے بگڑ جائے طبیعت تیری
ہم جو اللہ کے پیاروں سے اعانت چاہیں
شرک کا چرک اگلنے لگی ملت تیری

حضرات محترم! ان نام نہاد ملاؤں نے کہا کہ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے روضۂ اطہر کی نیت کرکے سفر نہیں کرنا چاہیے۔ افسوس کی بات ہے کہ یہ لوگ خود اپنی بیوی کو لانے کی نیت کرکے سسرال کے گاؤں کا سفر کریں تو کوئی حرج نہیں، مگر تاجدارِ مدینہ کے شہر جاتے وقت سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ مبارکہ کی نیت کرکے سفر نہیں کرنا چاہیئے، بلکہ یہ ارادہ ہو کہ مسجدِ نبوی میں چالیس نمازیں پڑھنے کے لیے جارہا ہوں۔ اللہ تعالیٰ ان بدنصیبوں کو ہدایت نصیب فرمائے۔ ان لوگوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے غلاموں کا تعلق بارگاہِ رسالت سے توڑنے کی کوشش کی،

مگر اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے ان کی سازش کو ناکام بنا دیا اور فرمایا تم تو کہتے ہو کر مدینے پاک کا سفر مدینے والے کی نیت سے نہ کرنا، مگر احمد رضا خاں کا عقیدہ یہ ہے کہ ہم تو مکہ مکرمہ کا سفر بھی مدینے والے کے دربار اقدس کی حاضری کی نیت سے کرتے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں ؎

حاجیو آؤ شہنشاہ کا روضہ دیکھو
کعبہ تو دیکھ چکے اب کعبے کا کعبہ دیکھو
غور سے سن تو رضا کعبہ سے آتی ہے صدا
میری آنکھوں سے میرے پیارے کا روضہ دیکھو

آگے چل کر مزید فرماتے ہیں ،

اُن کی طفیل حج بھی خدا نے کرا دیے
اصل مراد حاضری اس پاک در کی ہے
کعبہ کا نام تک نہ لیا طیبہ ہی کہا
پُوچھا تھا ہم سے جس نے کہ نہضت کدھر کی ہے
کعبہ بھی ہے انہیں کی تجلّی کا ایک ظِلّ!
روشن انہیں کے عکس سے پتلی حجر کی ہے
ہوتے کہاں خلیل و بنا کعبہ و منیٰ
لولاک والے صاحبیٔ سب تیرے گھر کی ہے

حضرات محترم! اس عشقِ کامل کی بدولت سرکار اعلیٰ حضرت عظیم البرکت قدس سرہ العزیز کو کئی مرتبہ محبوب کبریا، سید الانبیاء علیہ التحیۃ والثناء نے اپنی زیارت پاک سے مشرف فرمایا۔ چنانچہ جب آپ دوسری مرتبہ حج و زیارت کے لیے تشریف لے گئے تو دل کی دنیا کا عجب عالم تھا۔

حاضری دربارِ حبیب

جب آپ بارگاہ بے کس پناہ کے روضۂ اقدس کی مقدس جالیوں کے سامنے کھڑے ہوئے

یہ وہ مقام ہے جہاں ہر روز ستر ہزار ملائکہ درود وسلام کا نذرانہ پیش کرنے آتے ہیں، عرش والے صلاۃ وسلام پڑھتے ہیں اور فرش والے بھی صلوٰۃ وسلام پڑھ رہے ہیں۔ سرکارِ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ بھی عشق ومستی میں سوز وگداز سے اپنے آقا ومولا علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بارگاہ میں صلوٰۃ وسلام پڑھنا شروع کیا۔ پہلے تو مدینہ منورہ سے ہزاروں میل دور اس پیارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے عشق ومحبت میں سرشار ہوکر پڑھا کرتے تھے ؎

کعبے کے بدر الدجیٰ تم پہ کروڑوں درود
طیبہ کے شمس الضحیٰ تم پہ کروڑوں دُرود
شافعِ روزِ جزا تم پہ کروڑوں درود
دافعِ جملہ بلا، تم پہ کروڑوں درود

آج یہ عاشقِ صادق ہند میں نہیں، بلکہ مدینے کے تاجدار کے دربار گوہر بار کے سامنے کھڑے ہوکر صلوٰۃ وسلام کا نذرانہ یوں پیش کررہے ہیں ؎

مصطفےٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام
شمعِ بزمِ ہدایت پہ لاکھوں سلام
شہریارِ ارم، تاجدارِ حرم
نوبہارِ شفاعت پہ لاکھوں سلام

لبوں کی حرکت کے ساتھ ساتھ دل بھی حرکت میں ہے، آنکھوں سے آنسوؤں کی لڑیاں بہہ رہی ہیں آخر بارگاہِ محبوب کبریا، سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں دستِ سوال دراز کر تمنائے زیارت کی، مگر یہ اس وقت قبول نہ ہوئی۔ یہ بھی ایک

ادائے محبوبانہ تھی۔ اس کے سبب اعلیٰ حضرت عظیم البرکت رحمۃ اللہ علیہ کے دل میں اور زیادہ تڑپ پیدا ہوگئی۔ اسی عالم وجد میں سرکارِ دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں زبان سے یہ نعت شریف جاری ہوگئی ؎

وہ سُوئے لالہ زار پھرتے ہیں　　تیرے دن اے بہار پھرتے ہیں
تیرے در سے جو یار پھرتے ہیں　　دربدر یوں ہی خوار پھرتے ہیں

اس کے آخر میں اپنی طرف سے مخاطب ہوکر فرماتے ہیں ؎

کوئی کیوں پوچھے تیری بات رضاؔ
تجھ سے کتے ہزار پھرتے ہیں

پھر یہ نعت شریف آپ نے سنہری جالیوں کے سامنے کھڑے ہوکر پڑھی۔ اس کے بعد پھر اپنا سوال پیش کیا۔ سوال بھی عظیم تھا اور سائل علماء کا سردار، تصوف کی دنیا کا شہسوار تھا۔ عشق و مستی کا تاجدار تھا۔ ادھر دربار بھی بڑا دربار تھا، جہاں کسی سائل کو خالی ہاتھ واپس نہیں کیا جاتا ؎

یہ دربارِ محمد ہے یہاں اپنوں کا کیا کہنا!
یہاں سے ہاتھ خالی غیر بھی جایا نہیں کرتے

آپ کے مقدر کا ستارہ چمکا اور رحمتِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے محبِ صادق کو عالمِ بیداری میں شرفِ زیارت سے مشرف و سرفراز فرمایا، اسی لیے تو آپ پکار اٹھے ؎

تو زندہ ہے واللہ تو زندہ ہے واللہ
میرے چشمِ عالم سے چھپ جانے والے
میں مجرم ہوں آقا مجھے ساتھ لے لو
کہ رستے میں ہیں جا بجا تھانے والے

حضرات محترم! میں عرض کر رہا تھا کہ منکروں نے دربارِ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی حاضری کی نیت سے سفر کرنے سے منع کیا۔ اعلیٰ حضرت نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے غلاموں کو یہ بتادیا کہ تم مکہ مکرمہ کا سفر بھی مدینے والے کی نیت سے کرنا۔

ان نام نہاد ملاؤں اور انگریز کے تنخواہ دار ایجنٹوں نے سیدھے سادے مسلمانوں کے دل کی دنیا کو برباد کرنے کی کوشش کی اور ان کے دلوں سے رُوحِ محمدی نکال دینے کے لیے مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ والی آیات اولیاء اللہ پر چسپاں کردیں۔ اولیاء کرام کو غیر اللہ اور مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ کہا۔ سرکار اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز نے قول و فعل طریقے سے اولیاء اللہ کا مقام اور احترام و اکرام بتایا، چنانچہ آپ کی سیرت پاک کی کتابوں میں موجود ہے کہ آپ کبھی بھی مدینہ منورہ اور بغداد شریف کی طرف پاؤں پھیلا کر نہ بیٹھتے تھے۔

تعظیم مرشد اعلیٰ حضرت عظیم البرکت رحمۃ اللہ علیہ اپنے مرشدِ کامل کی بھی بے حد تعظیم و تکریم کرتے تھے اور آپ مزارِ انور پر عالمانہ صوفیانہ وعظ فرماتے۔ ایک مرتبہ سجادہ نشین صاحب نے اعلیٰ حضرت سے رکھوالی کے لیے دو کتوں کی فرمائش کی، تو آپ اپنے گھر پہنچے اور اعلیٰ نسل کے دو کتے خانقاہ میں لے کر سجادہ نشین کی خدمت میں حاضر ہوگئے اور عرض کیا کہ احمد رضا یہ دونوں کتے آپ کی خدمت میں پیش کرتا ہے، یہ دن کے وقت آپ کا کام کاج کریں گے اور رات کے وقت رکھوالی کرنا بھی جانتے ہیں — یہ دونوں کتے کون تھے! آپ کے صاحبزادگان!

آپ کے پیرِ کامل بھی آپ سے بے حد محبت فرماتے تھے اور ایک مرتبہ احمد رضا خاں بریلوی کو دیکھ کر مسرت سے فرمایا کہ اگر روزِ قیامت اللہ تبارک و تعالیٰ نے مجھ سے سوال کیا کہ اے آلِ رسول تو دنیا سے میرے لیے کیا لایا ہے تو میں عرض کروں گا کہ

اے پروردگار! میں احمد رضا لایا ہوں۔

حضراتِ محترم! سرکارِ اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ نے ہم کو بارگاہِ محبوب کبریا صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ محبت رکھنے اور اس بارگاہ کے ساتھ تعلق رکھنے والے لوگوں کے ساتھ محبت رکھنے کا درس محبت دے کر ہمارا تعلق اپنے آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام سے قائم کر دیا۔

احترامِ سادات

ایک مرتبہ آپ کے عقیدت مند آپ کو اپنے گھر میں لے جانے کے لیے پالکی والوں کو ساتھ لائے آپ کو اس پالکی میں بٹھایا گیا اور پالکی اٹھی، دائیں بائیں نیازمند راتیوں کی طرح ساتھ ساتھ چل رہے تھے۔ ابھی تھوڑی ہی دور گئے تھے کہ آپ نے پالکی سے آواز دی کہ اے کہارو! پالکی نیچے رکھ دو۔ آپ کے حکم کے مطابق پالکی نیچے رکھ دی گئی۔ ساتھ چلنے والے بھی رُک گئے۔ آپ پریشانی کے عالم میں پالکی سے باہر نکل آئے۔ آنکھوں سے آنسو رواں تھے اور پالکی اٹھانے والے کہاروں سے کہا، آپ لوگوں میں کوئی آلِ رسول بھی ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے سے بتاؤ۔ مجھے ان پالکی اٹھانے والے مزدوروں میں خونِ رسول کی مہک آرہی ہے۔ اس سوال پر ایک کا رنگ فق ہو گیا اور پیشانی پر غیرت و حیاء کے آثار نمودار ہوئے آپ سمجھ گئے کہ یہی وہ سیّد شخص ہے۔ آپ نے اس سے پوچھا تو غریب سیّدزادے نے جواب دیا، جناب مزدور سے کام لیا جاتا ہے، ذات نہیں پوچھی جاتی۔ آہ! آپ نے میرے جدِّ امجد کا واسطہ دے کر پوچھا ہے، سمجھ لیجئے میں ہی اس چمنستان کا مرجھایا ہوا ایک پھول ہوں۔ چند ماہ سے اس شہر میں آیا ہوں، کوئی ہنر نہیں جانتا کہ اسے ذریعۂ معاش بنا سکوں، اس لیے ان کہاروں کے ساتھ مزدوری کرتا ہوں اور اپنے بچوں کا پیٹ پالتا ہوں۔ ابھی مزدور کی بات ختم نہ ہوئی تھی کہ لوگوں نے

پہلی مرتبہ یہ رقت آمیز منظر اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ عالم اسلام کے نامور عالم دین کی دستار اس سید مزدور صاحبزادے کے قدموں پر ہے، آنسوؤں کی لڑیاں بہہ رہی ہیں اور اعلیٰ حضرت اس مزدور سید زادے سے معافی مانگ رہے ہیں کہ مجھے معاف فرما دو بے خبری میں مجھ سے یہ خطا ہو گئی جن کے نعلین پاک کا تاج میرے سر کا سب سے بڑا اعزاز ہے، ان کے کندھے پر میں نے سواری کی ہے۔ قیامت کے دن اگر مجھے سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھ لیا کہ اے احمد رضا میرے فرزند کا دوش نازنین اس لیے تھا کہ وہ تیری سواری کا بوجھ اٹھائے! تو میں کیا جواب دوں گا۔ سید زادے نے جواب دیا جناب میں نے معاف کیا۔ آپ نے فرمایا میری اس خطا کی معافی تب ہو گی کہ تم پالکی میں بیٹھو اور احمد رضا اس پالکی کو اٹھائے۔ (انوارِ رضا ص۲۶۳)

حضرات! میں عرض کر رہا تھا کہ منکروں نے لوگوں کے دلوں سے محبت رسول نکالنے کی کوشش کی، اولیاء اللہ سے دور رکھنے کی کوشش کی، مگر اعلیٰ حضرت نے لوگوں کے دلوں میں عشق رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شمع روشن کی، محبت اولیاء کا چراغ جلایا۔ شاعر کہتا ہے ؎

جس نے ہر دل میں لگائی عشق احمد کی لگن
وہ امامِ عاشقاں احمد رضا خاں قادری

منکروں نے کہا آپ کا میلاد منانا شرک ہے تو سرکار اعلیٰ حضرت نے فرمایا ؎

حشر تک ڈالیں گے ہم پیدائشِ مولیٰ کی دھوم ۔۔۔ مثل فارس نجد کے قلعے گراتے جائیں گے
خاک ہو جائیں عدو جل کر مگر ہم تو رضا ۔۔۔ دم میں جب تک دم ہے ذکر ان کا سناتے جائیں گے

مثل فارس زلزلے ہوں نجد میں ۔۔۔ ذکر آیاتِ ولادت کیجیے
شرک ٹھہرے جس میں تعظیم حبیب ۔۔۔ اس برے مذہب پہ لعنت کیجیے

منکروں نے کہا کہ نماز میں آپ کا خیال بھی لانا گناہ ہے۔ اس کے جواب میں اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں کہ تم کہتے ہو کہ اگر نماز میں سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا خیال آجائے تو نماز نہیں ہوتی تو سنیے ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ نماز ہی وہ ہے جو خیالِ یار میں گم ہو کر پڑھی جائے بلکہ نماز تو یار کی نیند پر قربان کی جا سکتی ہے ؎

مولیٰ علی نے واری تیری نیند پر نماز
وہ بھی عصر جو سب سے اعلیٰ خطر کی ہے
ثابت ہوا کہ جملہ فرائض فروع ہیں
اصل الاصول بندگی اس تاجور کی ہے
ذکرِ خدا جو ان سے جدا چاہو نجدیو
واللہ ذکرِ حق نہیں کنجی سقر کی ہے

حضرات! اعلیٰ حضرت نے انگریز کے ان دونوں گروہوں کا بڑے احسن طریقے سے مقابلہ فرمایا۔ الحمد للہ آپ کی سعیٔ جمیل کے صدقے آج ہندو پاک میں اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ کی صدائیں بلند ہو رہی ہیں۔ آپ ہی کی تبلیغ سے مسلمانوں کے ایمان محفوظ و مامون ہو گئے اور ان کا تعلق اپنے آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام سے مضبوط و مستحکم ہو گیا۔ آپ نے ساری زندگی خدمتِ دینِ متین اور تبلیغِ حق میں گزاری۔ خدا تعالیٰ اور رسول اللہ کے دشمنوں کو اپنا دشمن اور اللہ تعالیٰ کے مقبولوں، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیاروں کو اپنا پیارا سمجھتے رہے۔ ایسے ہی لوگوں کے لیے اللہ تبارک نے ارشاد فرمایا ہے:

اُولٰٓئِکَ کَتَبَ فِیْ قُلُوْبِھِمُ الْاِیْمَانَ۔

اللہ کریم کی بارگاہِ اقدس میں دعا ہے کہ وہ ہمیں ان مقبولانِ بارگاہ کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

وَمَا عَلَیْنَا اِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِیْنُ۔

ظہورِ نور صلی اللہ علیہ وسلم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ ۝ وَالْعَاقِبَۃُ لِلْمُتَّقِیْنَ ۝
وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ وَعَلٰی اٰلِہٖ
وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ ۝ اَمَّا بَعْدُ ۝
فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ۝ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝
قَدْ جَآءَکُمْ مِّنَ اللّٰہِ نُوْرٌ وَّکِتَابٌ مُّبِیْنٌ ۝
صَدَقَ اللّٰہُ مَوْلٰنَا الْعَظِیْمِ ۝ وَصَدَقَ رَسُوْلُہُ النَّبِیُّ الْکَرِیْمُ الْاَمِیْنُ ۝

قَدْ جَآءَکُمْ مِّنَ اللّٰہِ نُوْرٌ وَّکِتَابٌ مُّبِیْنٌ ۝ (پ۶ ع۷)
(بے شک اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک نور آیا اور روشن کتاب)

ساڈی جھولی وچ رحمت دا خزینہ آگیا
میرے آقا دی ولادت دا مہینہ آگیا
جس گھڑی دنیا تے آئے رحمۃ للعالمین
ڈگ پئے بُت کفر دے منہ تے پسینہ آگیا
ہُن یتیماں تے غریباں دی خدا نے سُن لئی
بیکساں دا اج کنارے تے سفینہ آگیا

بزرگو، دوستو! یہ ماہِ پاک ربیع الاوّل شریف کا پیارا پیارا مہینہ ہے۔ اس کی بارہ تاریخ کو حبیب کبریاء، امام الانبیاء، بیکسوں کے کس، بے بسوں کے بس، بے سہاروں کے سہارا، بے چاروں کے چارہ، غریبوں کے حامی، یتیموں کے والی، شفیع المذنبین، رحمۃ للعالمین

تاجدارِ عرب و عجم، فخرِ آدم و بنی آدم احمدِ مجتبیٰ، محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی جلوہ گری ہوئی۔ ربیع الاول کے معنی ہیں پہلی بہار، یعنی سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد آمد سے دنیائے ظلمت میں بہار آگئی، ساری دُنیا بقعۂ نور بن گئی۔ تین سو ساٹھ خداؤں کے پجاریوں کو ایک خدا کی معرفت حاصل ہوگئی۔ محسنِ کائنات، معلمِ انسانیت، رحمتِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے قبل دنیا کی حالت اتنی خستہ و خراب ہوچکی تھی کہ ؎

جُدا اک خدا تھا ہر قبیلے ہر گھرانے کا
کوئی بُت فتح پانے کا، کوئی بُت بھاگ جانے کا
وہی کعبہ جسے پیغمبروں کی سجدہ گاہ کہیئے
وہی کعبہ جسے تقدیس کا نورِ نگاہ کہیئے
وہی کعبہ جو خدا کے بت شکن بندوں کا معبد تھا
جسے پاکیزہ رکھنا فطرتِ انساں کا مقصد تھا
اسی کعبہ کو یاروں نے صنم خانہ بنا ڈالا
دلوں سے ظالموں نے نقشِ وحدت کا مٹا ڈالا

ہر طرف کفر و شرک، ظلم و ستم کی گھٹائیں چھا چکی تھیں، جوابازی، شراب خوری، زناکاری عام تھی۔ بدکاری، عیاری، مکاری، چوری اور ڈکیتی لوگوں کا معمول بن گیا تھا۔ آپس میں الفت و محبت، انس و پیار کی بو تک نہ رہی تھی۔ انسان ایک کوہِ آتش فشاں تھا جس سے ہر لمحہ بغض و عناد کی جنگ اور فساد کی آگ نکلتی رہتی تھی۔ ہر قبیلہ دوسرے کے ساتھ لڑائی کے لیے تیار رہتا، جذبات اتنے مشتعل اور بے قابو تھے کہ ذرا ذرا سی بات پر کشت و خون کا بازار گرم ہو جاتا تھا۔ اگر ایک مرتبہ جنگ کی آگ سُلگ جاتی تو یہ صدیوں تک جلتی رہتی تھی۔ اوس و خزرج کی لڑائی ایک سو بیس سال تک جاری رہی، کسی کے جان و مال کا کوئی تحفظ نہ تھا۔ جانور بھی اپنے بچوں سے محبت رکھتے ہیں مگر وہ لوگ اپنی بچیوں کو اپنے ہاتھوں سے

زندہ درگور کر دیتے تھے۔ یہاں تک کہ امن و سلامتی کی بہار آئی اور اسلام کا بادل رحمت خداوندی بن کر برسا۔ حضور سراپا نور و سرور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری ہوئی تو عرب کے اجڑے ہوئے دیار میں بہار آگئی۔ پھر عداوت کی جگہ محبت نے لے لی، وحشت کی جگہ انس نے لے لی، انتقام کی جگہ عفو و درگزر نے لے لی۔ رہزنی کی جگہ رہبری نے لے لی۔ خود غرضی کی جگہ اخلاص وایثار نے لے لی، غرور و تکبر کی جگہ تواضع و انکساری نے لے لی، بُت پرستی کی جگہ خدا پرستی نے لے لی اور لات و منات، عزیٰ و ہبل کے پجاریوں نے لا الہ الا اللہ کی صدا بلند کی

اک عرب نے آدمی کا بول بالا کر دیا
خاک کے ذروں کو ہم دوش ثریا کر دیا
خود نہ تھے جو راہ پر اوروں کے ہادی بن گئے
کیا نظر تھی جس نے مردوں کو مسیحا کر دیا

ایہہ کون آیا جہدے آیاں بہاراں مسکراپیاں
کھڑے نے پھُل تے کلیاں ہزاراں مسکراپیاں

تو میں عرض کر رہا تھا کہ یہ ربیع الاول شریف کا مہینہ ہے اور اس کی بارہ تاریخ کو رحمۃ للعالمین جلوہ افروز ہوئے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّ كِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ۝ (پ ۶ ع ۷) — بے شک تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک نور آیا اور روشن کتاب)

بزرگو، دوستو! اللہ تبارک و تعالیٰ نے قرآن کریم میں کئی مقامات پر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کا تذکرہ فرمایا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے :

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝ (پ ۱۷ ع ۷) — اور ہم نے تمہیں سارے جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا)

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ — (بے شک اللہ تعالیٰ کا بڑا احسان ہوا مومنوں

بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا۔ (پ ۴ - ع ۸) پھر کر ان میں ایک رسول بھیجا)

يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُمْ بُرْهَانٌ مِنْ رَبِّكُمْ۔ (پ ۶ - ع ۴) (اے لوگو! بے شک تمہارے پاس اللہ کی طرف سے واضح دلیل آئی)

لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِنْ أَنْفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَحِيمٌ ○ (پ ۱۱ - ع ۵) (اے لوگو! بے شک تمہارے پاس تشریف لائے، تم میں سے وہ رسول جن پر تمہارا مشقت میں پڑنا گراں ہے، تمہاری بھلائی کے نہایت چاہنے والے مسلمانوں پر کمال مہربان)

حضرات! ان آیاتِ مقدسہ میں غور فرمایئے کہیں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوتا ہے ہم نے تمہاری طرف رحمتِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا اور کہیں ارشاد ہوتا ہے تمہارے پاس تشریف لائے۔ بھیجا وہ جاتا ہے جو پہلے بھی کہیں موجود ہو۔ تشریف وہ لاتا ہے جو پہلے بھی کسی جگہ پر موجود ہو۔ تو ماننا پڑے گا، ہمارے آقا و مولا صلی اللہ علیہ وسلم ہم میں جلوہ فرما ہونے سے پہلے بھی کہیں موجود تھے۔ یہی عقیدہ مذہب مہذب اہلِ سنت و جماعت کا ہے ؎

فرشتہ تھا نہ آدم تھے نہ ظاہر تھا خدا پہلے
بنے ساری خدائی سے محمد مصطفیٰ پہلے

هُوَ الْأَوَّلُ وَالْآخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ۔ (پ ۲۷ - ع ۱۷) (وہی اول، وہی آخر، وہی ظاہر وہی ہے باطن اور وہی سب کچھ جانتا ہے)

شیخ عبدالحق محدث دہلوی مدارج النبوۃ کے خطبہ میں ارشاد فرماتے ہیں کہ یہ آیت شانِ خدا بھی ہے اور نعتِ مصطفیٰ بھی۔ قلندرِ لاہوری علامہ اقبال نے اس کا ترجمہ یوں کیا ؎

نگاہِ عشق و مستی میں وہی اول وہی آخر
وہی قرآں، وہی فرقاں، وہی یٰسیں وہی طٰہٰ

سیدنا جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک مرتبہ حضور علیہ السلام کی بارگاہِ عالیہ میں عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ نے ہر شے سے پہلے کس شے کو پیدا فرمایا؟ تو آپ نے ارشاد فرمایا،

يَا جَابِرُ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی خَلَقَ قَبْلَ الْاَشْيَاءِ نُوْرَ نَبِيِّكَ مِنْ نُوْرِهٖ وَلَمْ يَكُنْ فِيْ ذَالِكَ الْوَقْتِ لَوْحٌ وَّلَا قَلَمٌ وَّلَا جَنَّةٌ وَّلَا نَارٌ وَّلَا مَلَكٌ وَّلَا سَمَاءٌ وَّلَا اَرْضٌ وَّلَا شَمْسٌ وَّلَا قَمَرٌ وَّلَا جِنٌّ وَّلَا اِنْسٌ۔

(اے جابر! اللہ تعالیٰ نے ہر شے سے پہلے تیرے نبی کے نور کو اپنے نور سے پیدا فرمایا اور اس وقت نہ لوح تھی نہ قلم، نہ جنت نہ دوزخ نہ کوئی فرشتہ نہ آسمان نہ زمین اور نہ سورج نہ چاند اور نہ کوئی جن، نہ کوئی انسان)

(حجۃ اللہ علی العالمین صہ ۲۸

ہے انہیں کے دم قدم سے باغ عالم میں بہار
وہ نہ تھے عالم نہ تھا، گر وہ نہ ہوں عالم نہ ہو

حضرت جبرائیل کی عمر

ایک مرتبہ نبی کریم رؤف الرحیم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبرائیل علیہ السلام سے فرمایا: اے جبرائیل تمہاری عمر کتنی ہے؟ انہوں نے کہا کہ مجھے اپنی کچھ خبر نہیں، اتنا معلوم ہے کہ چوتھے حجاب میں ایک ستارہ ستر ہزار سال کے بعد چمکتا تھا۔ میں نے اسے بہتر ہزار مرتبہ دیکھا ہے۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر فرمایا،

وَعِزَّةِ رَبِّيْ اَنَا ذَالِكَ الْكَوَاكِبُ۔ (مجھے میرے رب کی قسم میں وہی ستارہ ہوں)

(روح البیان ج ۱ صہ ۹۷۴)

حضرت امام قسطلانی علیہ الرحمہ مواہب اللدنیہ میں لکھتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے

سیدنا آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا، تو پھر فرمایا، اے آدم! اپنا سر اوپر اٹھاؤ۔

فَرَفَعَ رَأْسَهٗ فَرَاٰی نُوْرَ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فِیْ سَرَادِقِ الْعَرْشِ۔ فَقَالَ یَارَبِّ مَا هٰذَا النُّوْرُ قَالَ هٰذَا نُوْرُ نَبِیٍّ مِنْ ذُرِّیَّتِكَ اِسْمُهٗ فِی السَّمَآءِ اَحْمَدُ وَفِی الْاَرْضِ مُحَمَّدٌ لَوْلَاهُ مَا خَلَقْتُكَ وَلَا خَلَقْتُ سَمَاءً وَلَا اَرْضًا (مواہب لدنیہ ج ا ص ۶)

آدم علیہ السلام نے اپنا سر اٹھایا تو عرش کے پردوں میں ایک نور دیکھا۔ عرض کی اے اللہ! یہ نور کیا ہے؟ فرمایا یہ نور ایک نبی کا ہے جو تیری اولاد میں سے ہوگا، اس کا نام آسمانوں میں احمد اور زمین میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اگر وہ نہ ہوتے تو میں تمہیں پیدا نہ کرتا اور نہ زمین و آسمان کو)

بس احد سی یا احمد سی اسے گل پسار اکل بنیا
یاراں دیاں گلاں یار جانن آدم تے پیارا کل بنیا

نور محمد روشن آہا آدم جدوں نہ ہویا
اوّل آخر دو ہیں پاسیں مل کھلویا
کرسی عرش نہ لوح قلم سی نہ سورج چن تارے
اودوں دی نور محمد والا دیندا سی چمکارے
سبھے نور او سیدے نوروں او سدا نور حضوروں
اس نوں تخت عرش دا ملیا موسیٰ نوں کوہ طوروں

بزرگو، دوستو! اللہ تعالیٰ نے ہر شے سے پہلے نور مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو پیدا فرمایا، مگر منکرین طرح طرح کے حیلے بہانوں سے انکار کرتے ہیں اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا جیسا بشر کہتے ہیں۔ نعوذ باللہ من ذالک۔

صاحب تفسیر روح البیان لکھتے ہیں، ایک مرتبہ سلطان محمود غزنوی ابوالحسن خرقانی

کے آستانہ عالیہ پر حاضر ہوا۔ حضرت بایزید بسطامی کا ذکر ہو رہا تھا۔ محمود غزنوی نے پوچھا وہ کیسے بزرگ تھے؟ ابوالحسن خرقانی نے فرمایا:

هُوَ رَجُلٌ مَنْ رَاٰهُ اِهْتَدٰی۔ (وہ ایسے مرد کامل تھے، جس نے انہیں دیکھا ہدایت یافتہ ہو گیا)

سلطان محمود غزنوی نے عرض کیا کہ ابوجہل نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو کئی بار دیکھا، مگر ہدایت نہ پا سکا۔ ابوالحسن خرقانی نے جواب دیا:

اِنَّهٗ مَارَاٰی رَسُوْلَ اللّٰهِ (ابوجہل نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ دیکھا
وَاِنَّمَا رَاٰی مُحَمَّدَ بْنَ عَبْدِاللّٰهِ بلکہ اس نے محمد بن عبداللہ یتیم ابی طالب
یَتِیْمَ اَبِیْ طَالِبٍ۔ (روح البیان ج ۲ ص ۱۳۹) کو دیکھا)

آنکھ والا تیرے جوبن کا تماشہ دیکھے
دیدۂ کورکو کیا آئے نظر کیا دیکھے

ظاہر کی آنکھ سے نہ تماشا کرے کوئی
ہو دیکھنا تو دیدۂ دل وا کرے کوئی

دیکھنے والے کہا کرتے ہیں اللہ اللہ
یاد آتا ہے خدا دیکھ کے صورت تیری

آج بھی جو مومن ہیں، وہ آپ کو نُوْرٌ مِّنْ نُوْرِاللّٰهِ دیکھ رہے ہیں اور منکرین و بے دین انہیں اپنے جیسا بشر محمد بن عبداللہ سمجھ رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہدایت نصیب فرماتے۔

اَیُّکُمْ مِثْلِیْ

امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے صیام وصال رکھنا شروع کیے۔ یعنی آپ نہ سحری کے وقت کچھ کھاتے، اور نہ افطاری کے وقت کچھ تناول فرماتے۔ متواتر روزے سے رہتے۔ صحابہ کرام کو ادائے محبوب پسند آئی اور انہوں نے بھی اسی طرح روزے رکھنا شروع کر دیے جس کی وجہ

سے وہ کمزور ہوگئے۔ رحمتِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے غلاموں کی کمزوری کو دیکھا تو اُن کو ایسے روزے رکھنے سے منع فرمایا۔ ایک صحابی نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ تو ایسے روزے رکھتے ہیں اور ہمیں منع فرماتے ہیں، اس پر آپ نے ارشاد فرمایا۔

اَیُّکُمْ مِثْلِیْ اَبِیْتُ یُطْعِمُنِیْ رَبِّیْ وَیُسْقِیْنِیْ۔ (مشکوٰۃ ص۱۷۵) (تم میں سے میری مثل کون ہے؟ میں تو رات کو سوتا ہوں تو میرا رب مجھے کھلا دیتا اور پلا دیتا ہے)

بزرگو، دوستو! جب صحابہ کرام کو سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم خود فرما رہے ہیں۔ اَیُّکُمْ مِثْلِیْ (کون ہے تم میں سے میری مثل) تو جب صحابی حضور کی مثل نہ بن سکے، پھر تم کون ہو جو نبی کریم کی مثل ہونے کا دعویٰ کرتے ہو۔ الحمدللہ اہل سنت نبی پاک صاحب لولاک صلی اللہ علیہ وسلم کو نور مانتے ہیں۔ سرکارِ اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں ؎

تو ہے سایہ نور کا، ہر عضو ٹکڑا نور کا
سایہ کا سایہ نہ ہوتا ہے نہ سایہ نور کا
تیری نسلِ پاک میں ہے بچہ بچہ نور کا
تو ہے عینِ نور تیرا سب گھرانہ نور کا

نورِ مصطفیٰ اللہ تعالیٰ نے ہر شے سے پہلے نورِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو پیدا فرمایا۔ پھر وہ منتقل ہوتا ہوا حضرت عبداللہ کی پشتِ انور میں پہنچا۔ اس نور کی تنویر سے آپ کی پیشانی منور ہوئی۔ ایک مکی عورت نے سیدنا عبداللہ کے ماتھے کی تجلی کو دیکھا، تو کہنے لگی۔ آپ مجھ سے شادی کرلیں۔ آپ نے فرمایا کہ میں والدین کی رضا کے بغیر کچھ نہیں کرسکتا۔ آپ کی شادی حضرت آمنہ سے ہوگئی اور یہ نور پاک حضرت عبداللہ کی پشت مبارک سے حضرت آمنہ کے شکمِ انور میں منتقل ہوگیا۔ کچھ دنوں کے بعد حضرت عبداللہ اس مکی عورت کے قریب سے گزرے جو آپ سے شادی کرنے کی خواہشمند تھی، کیا دیکھتے ہیں کہ آج اس عورت نے چہرہ پھیر لیا۔ آپ نے اس سے منہ پھیرنے کی وجہ دریافت کی، تو وہ کہنے لگی،

لَقَدْ رَأَيْتُ بَيْنَ عَيْنَيْكَ نُوْرًا (آپ کی پیشانی میں جو نور میں نے دیکھا تھا

مَا أَرَاهُ الْآنَ. (خصائص الکبریٰ ج ۱ ص ۱۹) اب وہ مجھے نظر نہیں آتا)

وہ جس کے نور سے تیری چمکتی تھی یہ پیشانی
اسی کی تھی میں طالب اور اسی کی تھی میں دیوانی
مگر میں رہ گئی محروم قسمت میری پھوٹی ہے
سُنا ہے وہ نعمت آمنہ نے تجھ سے لُوٹی ہے

نور کی جلوہ گری

حضرت سیدہ آمنہ فرماتی ہیں کہ جب سیدِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم میرے شکم میں جلوہ گر ہوئے تو مجھے ہر طرف سے مبارکبادی کی آوازیں آتی تھیں اور جب ولادت باسعادت کا وقت قریب آیا تو حضرت عبدالمطلب طوافِ کعبہ میں مشغول تھے۔ کیا دیکھتی ہوں کہ چند دراز قد عورتیں میرے گھر میں داخل ہوئیں۔ میں حیران تھی کہ یہ بلند قامت عورتیں کون ہیں اور کہاں سے آئی ہیں؟ تو ایک ان میں سے بولی، میرا نام آسیہ ہے، دوسری نے کہا میرا نام مریم ہے اور دُوسری حُوریں ہیں۔ چنانچہ رُوحِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت ہوئی اور آپ نے دنیا میں تشریف لاتے ہی سب سے پہلے سجدہ فرمایا ؎

ولادت ہوندیاں سوہنے نے سجدے وچہ سر رکھیا
گنہ گاراں نوں چین آیا خطاواں مسکرا ئیاں

مولانا حسن رضا خاں بریلوی فرماتے ہیں ؎

پُرنور ہے زمانہ صبحِ شبِ ولادت
پردہ اٹھا ہے کس کا صبحِ شبِ ولادت
جلوہ ہے حق کا جلوہ صبحِ شبِ ولادت
سایہ خدا کا سایہ صبحِ شبِ ولادت

بزرگو! دوستو! حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سجدہ کرتے ہوئے دنیا میں تشریف لاتے۔ سجدہ کرنے کے لیے ضروری ہے کہ جسم پاک ہو جگہ پاک ہو، لباس پاک ہو۔ آپ نے سجدہ فرماکر یہ اعلان بھی فرمادیا کہ میں بھی پاک ہوں، جگہ بھی پاک ہے اور میری والدہ بھی پاک ہے۔

آپ کی آمد سے صرف حضرت آمنہ کا گھر ہی پاک نہیں ہوا بلکہ حضور فرماتے ہیں،

جُعِلَتْ لِيَ الْأَرْضُ مَسْجِدًا (بخاری) (میرے لیے ساری زمین مسجد بنادی گئی) میرے آقا علیہ السلام کے قدموں کی برکت سے زمین مشرق سے لے کر مغرب تک شمال سے جنوب تک تحت الثریٰ تک پاک ہوگئی۔ نبی کی شل بننے والو، جہاں تم قدم رکھو، زمین بھی تم سے پناہ مانگے۔

حضرت خلیل اللہ علیہ السلام نے جہاں قدم رکھے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے،

وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهِيْمَ مُصَلًّى۔ (پ ۱ ع ۱۵) (اور ابراہیم علیہ السلام کے کھڑے ہونے کی جگہ کو مصلیٰ بناؤ)

جہاں اللہ کی بندی حضرت ہاجرہ نے قدم رکھے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے،

اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ۔ (پ ۲ ع ۳) (بے شک صفا اور مروہ اللہ تعالیٰ کے نشانوں میں سے ہیں)

بزرگو، دوستو! آدم علیہ السلام کے قدموں کی برکت سے میدانِ عرفات پاک ہوا۔ ابراہیم علیہ السلام جہاں کھڑے ہوئے وہ جگہ مصلیٰ بن گئی اور پاک ہوگئی۔ حضرت ہاجرہ کے جہاں قدم لگے، وہ پہاڑی پاک ہوگئی۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے قدموں کی برکت سے آبِ زم زم کا کنواں پاک ہوگیا اور محبوب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں کی برکت سے پوری رُوئے زمین پاک ہوگئی۔ میں عرض کر رہا تھا کہ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم سجدے کرتے ہوئے دنیا میں تشریف لائے۔ حضرت آمنہ فرماتی ہیں پھر ایک سفید ابر نے آپ کو ڈھانپ لیا اور آپ میری نظروں سے اوجھل ہوگئے۔ پھر پردہ ہٹا تو کیا دیکھتی ہوں کہ آپ ایک سفید اونی کپڑے میں لپٹے ہوئے ہیں۔

حضرات! بارہ ربیع الاوّل صبح صادق کے وقت آپ کی جلوہ گری سے چمنستانِ دہر میں بہار آگئی۔ ایوانِ کسریٰ کے چودہ کنگرے گر گئے۔ فارس کا آتش کدہ بجھ گیا، کفر سرنگوں ہو گیا، صنم خانوں میں خاک اڑنے لگی، بت کدے زمین بوس ہو گئے، ایوانِ کفر میں زلزلہ آگیا توحید کا پرچم بلند ہوا تو آفتابِ ہدایت کی شعاعیں چار سو پھیل گئیں، انسانیت کا مقدر چمک اٹھا، باغِ عالم میں بادِ بہاراں آگئی۔ دونوں عالم آپ کے نور سے منور ہو گئے ؎

نورِ ازلی چمکیا غائب ہنیرا ہو گیا
کلی والا آگیا تاں تھاں سویرا ہو گیا
رب نوں وی ہو گئی دھرتی بڑی محبوب اوہ
جہڑی تھاں تے احمدِ مرسل دا ڈیرا ہو گیا

آپ کی تشریف آوری پر عرش و فرش، جن و انس، شجر و حجر، شمس و قمر، برگ و ثمر غرض کائنات کا ذرہ ذرہ جھوم اٹھا اور سبھی نے خوشیاں منائیں ؎

نثار تیری چہل پہل پر، ہزاروں عیدیں ربیع الاوّل
سوائے ابلیس کے جہاں میں سبھی تو خوشیاں منا رہے ہیں

الحمدللہ آج سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام بھی آپ کی آمد کے دن عید میلاد ہی مناتے ہیں اور کچھ لوگ اس خوشی کو بدعت اور فضول خرچی کہتے ہیں، اللہ تعالیٰ ہدایت نصیب فرمائے۔ بزرگو، دوستو! سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا میلاد منانا آپ کی آمد کے دن خوشی کا اظہار کرنا اللہ اور اس کے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو راضی کرنے کا ایک ذریعہ ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ۔ (اپنے رب کی نعمت کے خوب چرچے کرو)
(پ ۳۰ - ع ۱۸)

وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ (پ ۴ ع ۲) (اور یاد کرو اللہ تعالیٰ کی نعمت جو تم پر ہے)

قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَ بِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا ۔ (پ ۱۱ ع ۱۱) ترجمہ فرماؤ کہ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے فضل اور رحمت پر خوش ہونا چاہیے۔

حضرات محترم ان آیات بینات سے معلوم ہوا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی نعمتوں کا چرچا کرنا اس کے انعام واکرام کو یاد کرنا، اس کے فضل وکرم پر خوشی کرنا اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی حاصل کرنے کا ذریعہ ہے۔ حضرات! اللہ تعالیٰ نے ہم پر بے شمار انعامات اور لاتعداد احسانات فرمائے، مگر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد آمد، تمام نعمتوں سے بڑی نعمت ہے۔ جب دوسری نعمتوں کا چرچا کرنا، ان کی خوشی منانا جائز ہے تو جناب سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کا میلاد پاک منانا، آپ کی آمد پر عید منانا کیوں نہ دین و دنیا کی برکات حاصل کرنے کا ذریعہ ہوگا۔ کچھ لوگ کہتے ہیں نزول رحمت کے دن عید منانا کہاں سے ثابت ہے۔ تو آیئے سنیئے نزول رحمت کے دن عید منانا قرآن پاک سے ثابت ہے اور اللہ تبارک و تعالیٰ کے نبی کی سنت ہے۔ قرآن کریم میں حضرت عیسیٰ روح اللہ علیہ السلام پر نازل ہونے والے خوانِ نعمت کا ذکر بڑی تفصیل کے ساتھ موجود ہے؛

خوانِ نعمت

ایک مرتبہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا کلمہ پڑھنے والے حواریوں نے عرض کیا؛ اے اللہ کے نبی! کیا تمہارا خدا ہم پر آسمان سے خوانِ نعمت یعنی پکا پکایا کھانا اتار سکتا ہے؟ جناب عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا؛ اے میرے حواریو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو، یعنی ایسے مطالبات نہ کرو اور اس قسم کی خواہشات کا اظہار مت کرو۔ حواریوں نے عرض کی، ہماری یہ خواہش کسی امتحان کی غرض سے نہیں، نہ ہی یہ سوال کسی شک وشبہ کی بنا پر کیا ہے، بلکہ ہم یہ چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے خوانِ نعمت نازل ہو اور اسے کھا کر اطمینان قلب اور برکت حاصل کریں۔ جنابِ عیسیٰ علیہ السلام نے ان کا ارادہ نیک اور ان کی نیت کو درست پایا، تو بارگاہِ خداوندی میں دست سوال دراز کیا اور دُعا مانگی؛

اَللّٰهُمَّ رَبَّنَآ اَنْزِلْ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ تَكُوْنُ لَنَا عِيْدًا۔ (پ ۷ ع ۵)

(اے اللہ ہم پر آسمان سے ایک خوانِ نعمت اتار تاکہ عید ہو واسطے ہمارے)

آپ کی دعا کو شرفِ قبولیت حاصل ہوا، آسمان سے پکا پکایا کھانا اترا جس میں روٹیاں اور مچھلی تھی۔ حضرات! اگر آسمان سے پکا پکایا کھانا نازل ہو تو اللہ کا نبی عید منائے اور خوشیاں کرے۔ تو جس کے صدقے یہ ساری کائنات معرضِ وجود میں آئی، تو اس کی آمد کے دن عید منانا، خوشی کرنا کیسے بدعت ہو سکتا ہے۔

بزرگو، دوستو! رمضان المبارک میں ایک پیاری رات ہے جس کو لیلۃ القدر کہتے ہیں، وہ نزولِ قرآن کی رات ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس رات کی عظمت بیان کی ہے، لَيْلَةُ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ ؕ (پ ۳۰) (شبِ قدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے)

بزرگو، دوستو! رمضان المبارک میں ایک پیاری رات لیلۃ القدر ہے جس میں نزولِ قرآن کریم ہوا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس رات کی عظمت و شان ہزار مہینوں کی عبادت و ریاضت سے بہتر بیان فرمائی۔ تو جس دن صاحبِ قرآن تشریف لائے، اس کی عظمت کا کیا کہنا۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں،

مَنْ قَامَ لَيْلَةَ الْقَدْرِ اِيْمَانًا وَّ اِحْتِسَابًا غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ۔ (بخاری ج ۱۔ ص ۲۷)

(جو شخص شبِ قدر میں ایمان سے اور ثواب کی نیت سے کھڑا ہوا، تو اس کے پہلے گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں)

نزولِ قرآن کی رات اتنی عظمت و مرتبت والی ہے کہ تمام گناہوں کی بخشش ہو جائے تو صاحبِ قرآن جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جلوہ گری کے دن خوشی کرنا اور عید منانا کیوں نہ بخشش کا ذریعہ ہوگی۔

یہ منکر لوگ یومِ نزولِ قرآن تو مناتے ہیں، مگر صاحبِ قرآن کا دن منانے کو گمراہی اور فضول خرچی کہتے ہیں۔ یومِ پاکستان مناؤ، یومِ اقبال، چھ ستمبر، یومِ آزادی، یومِ قائدِ اعظم مناؤ، اُن پر کوئی اعتراض نہیں

لیکن اگر عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم منائیں تو فضول خرچی شرک و بدعت کی گردان شروع ہو جاتی ہے۔ سرکارِ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ فرماتے ہیں ؎

دشمنِ احمد پہ شدت کیجیے، ملحدوں کی کیا مروت کیجیے
مثلِ فارس زلزلے ہوں نجد میں ذکر آیاتِ ولادت کیجیے
غیظ میں جل جائیں بے دینوں کے دل یارسول اللہ کی کثرت کیجیے،
شرک ٹھہرے جس میں تعظیمِ حبیب اس بُرے مذہب پہ لعنت کیجیے
ظالمو محبوبؐ کا تھا حق یہی عشق کے بدلے عداوت کیجیے
یارسول اللہ دہائی آپ کی گوشمالِ اہلِ بدعت کیجیے

غوثِ اعظم آپ سے فریاد ہے
زندہ پھر یہ پاک ملت کیجیے

منکرین کہتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف دو عیدیں منائی ہیں اور بریلوی حضرات تین عیدیں کرتے ہیں، حالانکہ ان کا یہ اعتراض لغو ہے۔ سرورِ کائنات فخرِ موجودات صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جمعہ کے موقعہ پر ارشاد فرمایا:

یا معشر المسلمین ان ھذا یوم جعله الله عیدا۔ (مشکوٰۃ صـ۱۲۳) (اے مسلمانوں کے گروہ! یہ بیشک وہ روز ہے کہ جس کو اللہ تعالیٰ نے عید بنایا)

جمعہ و عیدین سب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے میں عطا ہوئے۔

ثویبہ کی آزادی

ابولہب کافر نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کی خوشی میں اپنی لونڈی ثُوَیبہ کو آزاد کردیا۔ جب ابولہب مرگیا تو اس کے گھر والوں نے اس کو خواب میں دیکھا، تو عذاب میں مبتلا تھا۔ پوچھا، اے ابولہب! تیرا کیا حال ہے؟ تو اس نے کہا: مجھے کوئی بھلائی نہیں ملی، عذابِ الٰہی میں بُری طرح گرفتار ہوں، مگر،

اِنِّیْ سُقِیْتُ فِیْ ھٰذِہٖ بِعِتَاقَتِیْ ثُوَیْبَۃَ۔ (بخاری ج ۲ صـ۷۶۴) (ثویبہ کے آزاد کرنے کی وجہ سے مجھے اس انگلی کے ذریعے سیراب کیا جاتا ہے)

یعنی جس انگلی کے اشارے سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت کی خوشی میں ثویبہ کو آزاد کیا تھا، اس کے چوسنے سے آرام ملتا ہے۔ اگر کافر آپ کی آمد کی خوشی کرے تو اس کو بھی فائدہ پہنچے، تو پھر غلاموں کو عذاب قبر و حشر سے کیوں نہ نجات حاصل ہوگی ؎

یہ دربارِ محمد ہے یہاں اپنوں کا کیا کہنا
یہاں سے ہاتھ خالی غیر بھی جایا نہیں کرتے

الحمد للہ مومن حضرات سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا میلاد مناتے ہیں، خوشیاں کرتے ہیں، جلسے منعقد کراتے ہیں، جلوس نکالتے ہیں۔ یہ سب کچھ خوشی کا اظہار ہے۔

میلادِ مصطفےٰ

شاہ ولی اللہ اپنے والد شاہ عبدالرحیم کا واقعہ بیان فرماتے ہیں کہ میرے والد بزرگوار نے مجھے خبر دی کہ میں عید میلاد النبی کے روز کھانا پکوایا کرتا تھا۔ ایک سال اتنا تنگدست تھا کہ میرے پاس کچھ نہ تھا، مگر صرف بھنے ہوئے چنے۔ میں نے وہی چنے تقسیم کر دیے۔ رات کو سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوا اور کیا دیکھتا ہوں کہ حضور کے سامنے وہی بھنے ہوئے چنے رکھے ہیں اور آپ بہت شاد ہو کر تناول کر رہے ہیں۔ (درثمین)

تین جھنڈے

میں عرض کر رہا تھا کہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد پر عرش و فرش نے خوشی کی۔ سیدہ آمنہ فرماتی ہیں:
میں نے تین جھنڈے دیکھے ایک مشرق میں نصب کیا گیا اور ایک کعبے کی چھت پر۔ ہم اگر جھنڈیاں لگائیں، تو ان کو دکھ ہوتا ہے۔ سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جھنڈے لگائے گئے ؎

آئی نئی حکومت سکہ نیا چلے گا، عالم نے رنگ بدلا صبح شب ولادت
روح الامیں نے گاڑا کعبے کی چھت پہ جھنڈا تا عرش اڑا پھریرا صبح شب ولادت

حضرت سیدہ آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں،

خَرَجَ مِنِّیْ نُوْرٌ اَضَاءَ لَہٗ (مجھ سے نور نکلا جس سے میں نے شام
قُصُوْرُ الشَّامِ (رحمۃ اللعالمین ۲۷) کے روشن و منور محلات دیکھ لیے)

بزرگو، دوستو! بھیجنے والے نے اعلان کیا،

قَدْ جَآءَ کُمْ مِنَ اللّٰہِ نُوْرٌ

آنے والے نے اعلان کیا،

اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰہُ نُوْرِیْ۔

اور جس کے گھر تشریف لائے، وہ فرماتی ہیں،

خَرَجَ مِنِّیْ نُوْرٌ

تو اب اگر چودھویں صدی کا ملاں حضور پرنور شافع یوم النشور صلی اللہ علیہ وسلم کے نور کا انکار کرے تو آپ کے نور میں کوئی فرق نہیں آسکتا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

یُرِیْدُوْنَ لِیُطْفِئُوْا نُوْرَ اللّٰہِ (اور چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے نور کو مونہوں
بِاَفْوَاھِھِمْ وَاللّٰہُ مُتِمُّ نُوْرِہٖ کی پھونکوں سے بجھادیں اور اللہ کو اپنا نور
وَلَوْ کَرِہَ الْکٰفِرُوْنَ (پ ۲۸ ع ۹) پورا کرنا ہے خواہ کافر برا منائیں)

پھوکاں مار بجھایا لوڑن نور محمد والا
نور محمد کدی نہ بجھسی وعدہ حق تعالیٰ

بزرگو دوستو! آپ کی ولادت باسعادت کے وقت اتنی روشنی ہوئی کہ آپ کی والدہ محترمہ نے اپنے بستر پر لیٹے لیٹے شام کے محلات روشن دیکھ لیے۔

آپ کی ولادت باسعادت سے قبل آپ کے والد محترم سیدنا حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کا وصال ہو چکا تھا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے،

اَلَمْ یَجِدْکَ یَتِیْمًا فَاٰوٰی (پ ۳۰ ع ۱۸) (کیا اس نے تمہیں اے نبی یتیم نہ پایا پھر جگہ دی)

مکہ کے لوگوں کا دستور تھا کہ بچوں کو دودھ پلانے کے لیے دائیاں
حلیمہ سعدیہ بچوں کو لے جایا کرتی تھیں۔ اس سال بھی حسبِ معمول بہت سی
دائیاں مکہ شریف میں پہنچیں اور امیروں اور مالداروں کے بچوں کو لے کر چلی گئیں۔
حضرت حلیمہ جن کے مقدر کا ستارہ چمک چکا تھا، وہ سواری کی سست رفتاری کی وجہ
سے پیچھے رہ گئیں۔ جب مکہ پاک پہنچیں تو معلوم ہوا کہ تمام بچے دائیاں حاصل کر چکی ہیں،
صرف ایک بچہ جو دریتیم ہے، موجود ہے۔ اس کی طرف کسی دائی نے توجہ نہیں کی۔
لوگ کہتے ہیں کہ دائیاں میرے آقا کو یتیم سمجھ کر چھوڑ گئیں۔ میرا ایمان ہے کہ آقا
علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کسی دائی کو پسند ہی نہیں فرمایا تھا۔
حضرت حلیمہ کو جب کوئی بچہ نہ ملا، تو اپنے خاوند سے مشورہ کرنے لگی کہ خالی ہاتھ جانا
مناسب نہیں، اس لیے میں اس دُرِیتیم کو لے آتی ہوں حلیمہ سعدیہ آستانہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم
پر پہنچی اور سیدِ عالم کی زیارت سے مشرف ہوئیں، تو حُسنِ رسول کو دیکھ کر دل و جان سے قربان
ہو گئی۔ میرے آقا علیہ السلام نے اپنی رضائی والدہ کو دیکھا تو تبسم فرمایا۔ گویا زبانِ حال
سے ارشاد فرمایا؛ اے حلیمہ! اگر تو ساری دائیوں کے بعد آئی ہے تو میں سارے نبیوں
کے بعد آیا ہوں۔
حضرت حلیمہ سعدیہ نے آپ کو اٹھایا اور ماتھے کا بوسہ لیا اور دائیں پستان مبارک
سے دودھ پلانا شروع کیا۔ پھر جب بائیں پستان کو آگے کیا تو آپ نے منہ پھیر لیا۔
اس لیے کہ آپ کا ایک رضائی بھائی تھا۔ آپ کے عدل و انصاف نے یہ پسند نہ
فرمایا کہ اس کے حصّہ کا دُودھ پیا جائے۔ پھر حضرت حلیمہ نے آپ کو اٹھایا اور اپنے
گھر کی طرف روانہ ہو گئیں ؎

جھولی چہ کونین دی دولت سمیٹ لئی
کِنّی سی خوش بخت دائی حضور دی

پھر اپنے خاوند کو اس بچے کی زیارت سے مشرف کیا۔ وہ بھی آپ کے حسن و جمال پر فریفتہ و شیدا ہو گئے۔ پھر جب وہ اونٹنی کا دودھ دوہنے لگا، تو کیا دیکھتے ہیں کہ اونٹنی کے تھن دودھ سے بھرے ہوتے ہیں اس سے قبل اس کے تھن خشک رہتے تھے۔ انہوں نے دودھ دوہا، اتنا دودھ نکلا کہ حلیمہ اور اس کے خاوند نے خوب پیا اور آرام کی نیند سوئے۔ چند دن مکہ میں ٹھہرنے کے بعد حضرت آمنہ سے اجازت حاصل کی اور اپنی سواری پر امام الانبیا صلی اللہ علیہ وسلم کو سوار کر کے اپنے علاقے کی طرف سفر کرنا شروع کیا۔

حضرت حلیمہ فرماتی ہیں کہ میری سواری بڑی کمزور تھی، لیکن جب آپ اس پر سوار ہوئے تو اس میں برق رفتاری آگئی، وہ تندرست و توانا ہو گئی۔ جب کعبہ کے قریب سے گزری تو تین سجدے کیے، پھر اپنا منہ آسمان کی طرف بلند کیا اور روانہ ہو گئی اور اتنا تیزی سے چلی کہ قوم کی تمام سواریوں سے آگے بڑھ گئی ؎

جھتوں جھتوں سی لنگھدی جانڈی سواری کملی والے دی
اوہ راہواں بن گیاں جنت اوہ تھانواں مسکرایاں

حضرت حلیمہ فرماتی ہیں کہ جو عورتیں ہمراہ تھیں، کہنے لگیں، اے حلیمہ! کیا یہ وہی سواری ہے جو آتے وقت چل بھی نہیں سکتی تھی۔ میں نے جواب دیا، ہاں! سواری تو وہی ہے، مگر سوار کی برکت سے اس میں تیزی آگئی۔

حضرت حلیمہ فرماتی ہیں، میں نے سنا کہ میری سواری کہہ رہی تھی، بخدا اس بچے کی بڑی عظمت و برکت ہے، میں مردہ تھی، اس نے مجھے زندہ کر دیا۔ میں نحیف و کمزور تھی، قوی و توانا کر دیا۔ اے بنی سعد کی عورتو! تمہیں معلوم ہے میری پشت پر وہ ہستی پاک سوار ہے جو سید المرسلین اور خیر الاولین والآخرین حبیب رب العالمین ہیں۔

حضرت حلیمہ فرماتی ہیں، راستے میں دائیں بائیں جانب سے یہ آوازیں آرہی تھیں اے حلیمہ! تو غنی ہو گئی۔ بھیڑ بکریوں میں جس منزل پر اترتی، وہ سبزہ زار نظر آتیں، جبکہ

خشک سالی کا زمانہ تھا - جب ہم اپنی منزل پر پہنچے تو زمین خشک اور ویران تھی، مگر جب میری بکریاں چرنے جاتیں تو خوب سیر ہو کر آتیں - ان کے تھن دودھ سے بھرے ہوئے ہوتے اور خوب جی بھر کر سبھی دودھ پیتے -

بزرگو، دوستو! حضرت حلیمہ کا گھر برکتوں سے بھر گیا ؎

اسے حاجت نہ تھی اب کھانے اور پکانے کی
وہ تو بن گئی مالک خدا کے کل خزانے کی
وہ دن بھر شہر سارا گھوم لیتی تھی
اسے جب بھوک لگتی تھی، لبوں کو چوم لیتی تھی

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم رات کے وقت پنگھوڑے میں اپنی انگلی مبارک سے آسمان کی طرف اشارہ کرتے تو چاند جھک جاتا - سرکار اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

چاند جھک جاتا جدھر انگلی اٹھاتے مہد میں
کیا ہی چلتا تھا اشاروں پر کھلونا نور کا

چونکہ آپ نور تھے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے آپ کو کھلونے بھی نور کے عطا فرمائے -

وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِيْنَ

غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْاَنْبِیَاءِ مُحَمَّدِنِ الْمُصْطَفٰی وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ نُجُوْمِ الْھُدٰی وَاَوْلِیَاءِ اُمَّتِہٖ وَعُلَمَاءِ مِلَّتِہٖ بَرَرَۃِ التُّقٰی۔ اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ط بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَکُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ ہ صَدَقَ اللّٰہُ مَوْلٰنَا الْعَظِیْمُ ہ وَصَدَقَ رَسُوْلُہُ النَّبِیُّ الْکَرِیْمُ الْاَمِیْنُ ہ

غوثِ اعظم محمدؐ کا محبوب ہے، غوثِ اعظم زمانے کا سلطان ہے
غوثِ اعظم کی ہر جا مچی دھوم ہے غوثِ اعظم کا گھر گھر میں فیضان ہے

سارے ولیوں کی گردن جھکائی گئی ۔۔۔ مُہر اُن کے قدم کی لگائی گئی
چاہے اوتاد ہو، چاہے ابدال ہو ۔۔۔ میرے غوثِ جلی کا مدح خوان ہے
اس نے چوروں کو دیکھا ولی کر دیا ۔۔۔ پُرخطاؤں کو قطبِ جلی کر دیا
غوثِ اعظم کی ہے ہر نظر کیمیا ۔۔۔ اُن کا فرمان خالق کا فرمان ہے
سُنیو یاد ان کی مناتے رہو ۔۔۔ نعرہ یا غوثِ اعظم لگاتے رہو
اسمِ اعظم ہے یہ، یہی لاحول ہے ۔۔۔ جس کو سنتے ہی جل جاتا شیطان ہے

غوثِ اعظم ولایت کا سرتاج ہے، ہر جگہ، ہر گھڑی آپ کا راج ہے
اس کے ہاتھوں میں تھام میری لاج ہے، جو مریدوں کا ہر دم نگہبان ہے

غوثِ اعظم درمیانِ اولیاء ۔۔۔ چوں محمدؐ درمیانِ انبیاء

حضرات! میں نے قرآن مجید فرقان حمید سے ایک آیہ کریمہ تلاوت کی ہے:

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ ۝ (پ۱۱ ع۴) (اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ ہو جاؤ)

اللہ تبارک تعالیٰ جل مجدہ الکریم نے اپنے محبوب پاک صاحب لولاک صلی اللہ علیہ وسلم کے غلاموں سے فرمایا: اے ایمان والو! یہ پیارا لقب اُمّتِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک مرتبہ نہیں، دو مرتبہ نہیں، دس مرتبہ نہیں، بلکہ اٹھاسی مرتبہ قرآن پاک میں عطا فرمایا جبکہ پہلی اُمت کے نبیوں کو اس لقب سے خطاب کیا جاتا تھا۔ یہ عزت غلامانِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ملی کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان سے براہِ راست خطاب فرمایا: اے ایمان والو! اتَّقُوا اللّٰهَ اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔

حضرات محترم! اس آیتِ مقدس میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے دو خزانوں کا ذکر فرمایا۔ ایمان اور تقویٰ، شیطان اس کا چور ہے:

اِنَّ الشَّيْطٰنَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ (پ۱۳ ع۱۱) (تحقیق شیطان انسان کا کُھلا دشمن ہے)

اس چور سے بچنے کے لیے حکم ہوتا ہے وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ (سچوں کے ساتھ ہو جاؤ) اللہ والوں کی صحبت و رفاقت حاصل کرلو، کسی مردِ درویش کا دامن تھام لو، کسی حق پرست کے قدم سے لپٹ جاؤ، کسی مقبولِ بارگاہ کے ہاتھوں میں ہاتھ دے کر اپنے خانۂ دل کو منور کرلو۔ تاکہ تمہارے ایمان تقویٰ کی حفاظت ہو جائے، اسی لیے ہر نمازی کو نماز میں یہ دعا مانگنے کی تلقین کی گئی:

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ (اے اللہ ہمیں سیدھا راستہ دکھا (چلا)، راستہ اُن لوگوں کا، جن پر تیرا انعام ہوا)

آیئے قرآن کریم سے پوچھیں کہ انعام یافتہ کون لوگ ہیں؟ جن کے نقش قدم پر چلنے کی پانچوں وقت اللہ تبارک و تعالیٰ سے دُعا کی جاتی ہے۔ قرآن کریم کا ارشادِ مُبارک ہے:

اَلَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْھِمْ مِنَ النَّبِیّٖنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّھَدَآءِ وَالصّٰلِحِیْنَ ہ

وہ لوگ جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام کیا، وہ گروہ انبیاء، اور صدیقین اور شہدائے کرام اور صالحین (اولیاء اللہ) ہیں۔

(پ ۵ - ع ۵)

یعنی یہ چار گروہ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا، یہ نبیوں، صدیقوں، شہیدوں، صالحین کی جماعت ہے۔ ہر مسلمان اپنی نماز میں یہ دعا کرتا ہے کہ اے اللہ تعالیٰ! مجھے ان پاک لوگوں کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرما۔ کچھ لوگ نماز میں تو ولیوں کی غلامی کی دُعا مانگتے ہیں، جُوں ہی سلام پھیرا تو انکار کر دیتے ہیں۔ الحمدللہ ہم نماز میں جو اللہ تعالیٰ سے مانگتے ہیں، نماز کے بعد بھی اس دعا پر قائم رہتے ہیں۔ سنی کی اس دعا کی قبولیت کی دلیل ہے کہ ان کے ہاتھوں میں اولیاء اللہ کا دامن ہے۔

میں عرض کر رہا تھا کہ ایمان تقویٰ کی حفاظت کے لیے اولیاء اللہ کے قدموں سے لگ جاؤ۔

امام فخر الدین رازی

جب انسان کا نزع کا وقت قریب آتا ہے تو شیطان پوری کوشش کرتا ہے کہ کسی طریقہ سے مرنے والے کا ایمان ضائع کیا جائے، کیونکہ اس وقت جو ایمان سے پھر گیا، تو پھر کبھی نہ لوٹے گا، چنانچہ امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کا وقت قریب آیا، تو نزع کی حالت میں شیطان آگیا اور کہنے لگا، اے رازی کہ تم نے عمر بھر مناظرے کیے، کیا تو نے خدا کو پہچانا؟ آپ نے فرمایا بے شک خدا ایک ہے۔ اس نے کہا اس پر دلیل؟ ۔ آپ نے دلیل پیش کی۔ وہ خبیث معلم الملکوت رہ چکا تھا، اُس نے وہ دلیل رد کردی۔ آپ نے اور دلیل پیش کی، اس نے وہ بھی رد کر دی، حتیٰ کہ آپ نے تین سو ساٹھ دلیلیں پیش کیں، اس مردود نے سبھی رد کردیں۔ اب آپ سخت پریشانی میں مایوس تھے کہ اب کیا کیا جائے۔ آپ کے

جو شخص قبلہ کی طرف منہ کر کے تھوکے، اس کے پیچھے نماز جائز نہیں۔ تو جو بزرگ ہستیاں کعبہ سے بھی افضل ہیں، ان کی شان میں جو گستاخیاں کریں، انہیں وہ بتوں سے تشبیہ دیں۔ اولیاء اللہ کہنے کی بجائے من دون اللہ کہیں، ایسے امام کے پیچھے نماز کب ہو سکتی ہے۔ عارف رومی کہتے ہیں ؎

ہر کہ خواہد ہم نشینی با خدا
او نشیند در حضورِ اولیاء

جو شخص یہ چاہتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا قریبی بن جائے اور بارگاہِ خداوندی میں مقبول ہو جائے، اسے چاہیے کہ وہ اولیاء اللہ کی صحبت میں بیٹھے، اس لیے کہ ؎

یک زمانہ صحبت با اولیاء
بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

(ایک لمحہ اولیاء اللہ کے پاس بیٹھنا، سو سالہ عبادتِ بے ریا سے بہتر ہے)

میدانِ قیامت

روزِ قیامت حساب و کتاب کے بعد جب خداوندِ عالم فیصلہ فرمائے گا، جنتی ایک طرف اور دوزخی ایک طرف ہو جائیں پھر جنتی خوش و خرم جنت کی طرف جائیں گے اور دوزخی لوگ ندامت و شرمندگی میں ڈوبے ہوئے جنتیوں کو جنت کی طرف جاتا ہوا دیکھیں گے۔

حضراتِ محترم! آج اس دنیا میں محرم و مجرم اکٹھے رہتے ہیں۔ ایک شخص مسجد میں نماز ادا کرنے کے لیے آتا ہے، لوگ اسے نمازی کہتے ہیں اور اگر ایک شخص مسجد سے جوتا چرانے کے لیے آتا ہے، لوگ اسے بھی نمازی کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا کتنا کرم ہے کہ ہم دن رات گناہ کرتے ہیں، مگر اللہ تبارک و تعالیٰ ہماری پردہ پوشی فرماتا۔ حضرت میاں محمد علیہ الرحمہ فرماتے ہیں ؎

اک گناہ میرا ماں پیو دیکھے دیوے دیس نکالا
لکھ گناہ میرا مولا دیکھے اوہ پردے پاون والا

حضرات! یہاں پر ہمارے گناہ اور عیب لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ ہیں، مگر روزِ قیامت اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوگا۔

وَامْتَازُوا الْيَوْمَ أَيُّهَا الْمُجْرِمُوْنَ (پ ۲۳ ع ۲) (اور اے مجرمو! آج کے دن جدا ہو جاؤ)

حدیث شریف میں آتا ہے کہ جب جنتی جنت کی طرف جا رہے ہوں گے تو ایک شخص جو جہنمیوں کی صف میں کھڑا ہوا ہوگا۔ ایک اللہ والے کو جنتیوں کی صف میں پہچان کر اس کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرے گا۔

أَمَا تَعْرِفُنِيْ أَنَا الَّذِيْ سَقَيْتُكَ شُرْبَتًا۔ (کیا آپ نے مجھے پہچانا نہیں؟ میں وہ ہوں جس نے آپ کو ایک مرتبہ پانی پلایا تھا) (مشکوٰۃ ص ۴۹۴)

اسی طرح ایک اور دوزخی آئے گا اور اللہ تعالیٰ کے ولی سے عرض کرے گا۔

وَقَالَ بَعْضُهُمْ أَنَا الَّذِيْ وَهَبْتُ لَكَ وَضُوْءً (اور ایک دوزخیوں میں سے کہے گا کہ میں وہ ہوں جس نے آپ کو ایک مرتبہ وضو کرایا تھا) (مشکوٰۃ ص ۴۹۴)

گویا دونوں دوزخی ولی اللہ کے دامن کو پکڑ کر عرض کریں گے، ہم نے دنیا میں چند لمحات آپ کی رفاقت وصحبت میں گزارے تھے، آج آپ ہمیں چھوڑ کر اکیلے اکیلے جنت میں جا رہے ہیں۔ ؎

لج پال پریت نوں توڑ دے نئیں،
جد ھی بانہہ پھڑدے اونوں چھوڑدے نئیں

وہ ولی اللہ بارگاہِ ایزدی میں دست بہ دعا ہوگا:

فَيَشْفَعُ لَهُ فَيُدْخِلُهُ الْجَنَّةَ۔ (وہ جنتی اس دوزخی کی شفاعت کر کے اسے جنت میں لے جائے گا)

قاتل جنت میں

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ بنی اسرائیل میں ایک شخص تھا جس نے ننانوے قتل کیے تھے۔ پھر توبہ

کا ارادہ کیا اور ایک راہب کے پاس گیا اور اس سے کہا کہ کیا میری توبہ قبول ہو سکتی ہے؟ میں نے ننانوے قتل کیے ہیں۔ اس نے کہا کہ تمہاری توبہ ہرگز قبول نہیں ہو سکتی۔ اس قاتل نے اس راہب کو بھی قتل کر ڈالا۔ اب پورے سو ہو گئے۔ پھر کسی سے پوچھا کہ کیا میری توبہ قبول ہو سکتی ہے، تو اس نے کہا:

اِنْطَلِقْ اِلٰی اَرْضِ کَذَا فَاِنَّ بِهَا اُنَاسًا يَعْبُدُوْنَ اللّٰهَ۔ (کہ فلاں بستی میں چلے جاؤ، وہاں کچھ لوگ رہتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں۔ (یعنی اولیاء اللہ ہیں)

(مسلم ج ۲ ص۳۵۹)

اس گناہگار شخص نے اس بستی کی طرف سفر کرنا شروع کر دیا تاکہ اللہ والوں کی بارگاہ میں حاضر ہو اور توبہ کا سامان بن جائے۔ ابھی اس بستی میں پہنچا نہیں تھا کہ راستہ ہی میں فوت ہو گیا۔ اس شخص کی رُوح کو لینے کے لیے رحمت کے فرشتے بھی آگئے اور عذاب کے فرشتے بھی آگئے۔ عذاب کے فرشتے کہنے لگے کہ اس کی روح کو ہم لے کر جائیں گے کہ یہ سو انسانوں کا قاتل ہے۔ رحمت کے فرشتے کہنے لگے کہ اس کی رُوح کو ہم لے کر جائیں گے، بیشک یہ قاتل ہے، مگر یہ اللہ تعالیٰ کے ولیوں کی طرف توبہ کی نیت سے جا رہا تھا۔ جب فرشتوں کی یہ بحث ہوئی تو ربِّ کائنات نے فرمایا: جہاں سے یہ شخص چلا تھا اور جس طرف جا رہا تھا دونوں طرف سے ناپ لو، اگر اپنی بستی کے قریب ہے، تو دوزخ میں لے جاؤ اگر اولیاء اللہ کی بستی کے قریب ہے، تو جنت میں لے جاؤ، چنانچہ دونوں طرف ناپا گیا تو اولیاء اللہ کی بستی کے قریب وہ شخص فوت ہوا تھا (ادھر زمین کو سمٹ جانے کا حکم تھا) اللہ تعالیٰ نے پوچھا: اے فرشتو! کون سا حصہ کم ہوا؟ عرض کی مولا:

هٰذِهٖ اَقْرَبُ بِشِبْرٍ (کہ یہ بستی پچھلے حصہ سے ایک بالشت کم ہے)

یعنی ایک بالشت اولیاء اللہ کی بستی کی طرف داخل ہو گیا تھا۔ اللہ تعالیٰ کا دریائے رحمت موجزن ہو گیا اور اسے بخش دیا۔

بزرگو، دوستو! اگر سو انسانوں کا قاتل اولیاء اللہ کی طرف جا رہا ہو اور راستہ میں فوت ہو جائے تو اس کی بخشش ہو سکتی ہے، تو کیا جو اولیاء اللہ کے قدموں میں بیٹھے، ہاتھوں میں ہاتھ دے کر صحبت و رفاقت حاصل کرے تو کیا اس کی بخشش نہ ہوگی۔ یہی وجہ ہے کہ ہم اولیاء کرام کے پاس جاتے اور مزاراتِ مقدسہ پر حاضری دیتے ہیں۔

قرآنِ پاک کے پندرھویں پارہ میں اصحابِ کہف کے کتے کا ذکر بڑی تفصیل کے ساتھ موجود ہے جو اولیاء اللہ کی رفاقت سے جنتی بن گیا۔

سگِ اصحاب کہف

دقیانوس بادشاہ کے ظلم و ستم سے تنگ آکر اپنے ایمان کی حفاظت کی غرض سے کچھ اللہ والے شہر چھوڑنے کے لیے تیار ہوئے۔ جب جماعتِ اولیاء شہر سے جانے لگی، تو ایک کتا ان کے پیچھے ہو لیا اور انہوں نے ہر چند اسے پھیرا کہ وہ ان کا ساتھ چھوڑ دے۔ آخر کار کتے سے کہا کہ تیرا کام فقیروں کو بھونکنا ہے تو بھونکے گا اور ہم پکڑے جائیں گے۔ کتے نے کہا اے اللہ والو! مجھے اپنے سے دور نہ کرو۔ یہ درست ہے کہ میں کتا ہوں، مگر وہ اور کتے ہیں جو اللہ والوں کو بھونکتے ہیں ؎

نہ میں بھونکاں نہ میں ٹونکاں نہ میں شور مچاواں
نیکاں لوکاں دی صحبت تھیں مت میں وی بخشیا جاواں

وہ کتا ہو کر کہتا ہے کہ میں نہیں بھونکوں گا۔ پھر جو انسان ہو کر اولیاء اللہ کی شان میں زبان درازی کرے، وہ ابلیس نہیں تو اور کیا ہے؟ خدائے کریم کو اس کتے کی وفاداری ایسی پسند آئی کہ اس کا ذکر قرآن مجید میں کر دیا۔

وَكَلْبُهُمْ بَاسِطٌ ذِرَاعَيْهِ بِالْوَصِيْدِ ط (اور ان کا کتا اپنی کلائیاں پھیلائے ہوئے ہے، غار کی چوکھٹ پر)
(پ ۱۵- ع ۱۵)

سگِ اصحاب کہف روزے چند
پئے نیکاں گرفت مردم شد (سعدی شیرازیؒ)

(اصحاب کہف کا کتا چند روز نیکوں کی صحبت اختیار کرنے سے آدمی بن گیا)
اولیاء کرام کی صحبت سے کتا جنتی ہو گیا تو کیا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
کا امتی اس فیضانِ اولیاء سے محروم رہے گا ؎

نگاہِ ولی میں وہ تاثیر دیکھی
بدلتی ہزاروں کی تقدیر دیکھی

اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے ہمیں صادقین صالحین بزرگانِ دین کا دامن عطا فرمایا۔ حضرت علی شہنشاہِ ولایت ہیں، آپ ساری اُمّت کے ولی ہیں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اِنَّ عَلِیًّا مِنِّیْ وَ اَنَا مِنْہُ وَھُوَ وَلِیُّ کُلِّ مُؤْمِنٍ۔ (ترمذی ص۲۳ ج۲)
(بے شک علی مجھ سے ہے اور میں علی سے ہوں اور وہ ولی ہیں تمام مؤمنوں کے)

ولی کے معنی مددگار کے بھی آتے ہیں، الحمدللہ جو مومن ہیں، وہ انہیں اپنا مشکل کشا اور مددگار مانتے ہیں اور جو حضرت علی کو مشکل کشا نہیں مانتے، وہ مومن نہیں ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ شہنشاہِ ولایت اور قاسمِ ولایت ہیں، قادری، سہروردی، چشتی اور نقشبندی سبھی انہی کے ماتحت ہیں۔ قادری اپنا شجرہ پڑھیں، انتہا علی پہ، چشتی اور سہروردی پڑھیں تو انتہا علی تک ہو گی۔ اسی طرح نقشبندی اپنا شجرہ پڑھیں، ان کی انتہا بھی علی تک ہو گی، کیونکہ نقشبندی سلسلہ امام جعفر صادق سے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی طرف بھی جاتا ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف بھی۔ مولا کائنات نے ولایت کا انعام تقسیم کیا، تو سارا سنیوں کو دے دیا، اس لیے یہ فیض بھی ان کے ہی حصہ میں آیا کہ پانی ہمیشہ نیچے کی طرف بہتا ہے کہ اہل سنت بھی عجز و انکساری والے ہیں۔ جو اکڑتے ہیں، ان میں ولی پیدا نہیں ہوتا۔ ان متکبر لوگوں کا حال یہ ہے کہ کوئی مر جائے تو دُعا تک نہیں مانگتے۔ بات دراصل یہ ہے کہ یہ اپنی میت کے لیے دُعا اس لیے نہیں مانگتے تاکہ کہیں کوئی بخشا نہ جائے۔

فیض جھکنے والوں کو ملا، وفا داروں کو ملا۔ ہمارا دعویٰ ہے کہ مشرق سے مغرب تک شمال سے جنوب تک آپ کو جو بھی ولی اللہ ملے گا وہ اہل سنت ہی ہوگا۔ داتا علی ہجویری، خواجہ اجمیری، سلطان العارفین سلطان باہو، خواجہ فریدالدین گنج شکر، حضرت پیر کلیر، حضرت مجدد الف ثانی، پیر جماعت علی شاہ لاثانی، محدثِ اعظم پاکستان یہ سب سُنی تھے۔ منکرینِ اولیاء کو نہیں مانتے۔ لوگ کہتے ہیں کہ یہ بزرگان دین کو نہیں مانتے۔ میں کہتا ہوں کہ مانیں کس کو ان میں تو کوئی ولی پیدا ہی نہیں ہوا۔ الحمدللہ رسولِ اعظم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سُنیوں کے حصہ میں آئے صدیقِ اعظم، شہید اعظم، غوثِ اعظم سب اہل سنت کے حصہ میں آئے ؎

خدا کے فضل سے ہے ہم پہ سایہ غوثِ اعظم کا
ہمیں دونوں جہاں میں ہے سہارا غوثِ اعظم کا
کسی کو زمانے کی دولت ملی ہے کسی کو جہاں کی حکومت ملی ہے
میں اپنے مقدر پہ قربان جاؤں، مجھے غوث کا آستانہ ملا ہے

پیارے غوث اعظم فرماتے ہیں :

قَدَمِیْ هٰذَا عَلٰی رَقَبَةِ كُلِّ وَلِیِّ اللّٰهِ ۔ (بہجۃ الاسرار ص۱۵) (یہ میرا قدم تمام اولیاء اللہ کی گردن پر ہے)

جس کی ممبر بنی گردنِ اولیاء
اُس قدم کی کرامت پہ لاکھوں سلام

بزرگو، دوستو! ماں ہو ہاجرہ، تو بیٹا ہوگا، ذبیح اللہ علیہ السلام
ماں ہو مریم، تو بیٹا ہوگا، رُوح اللہ علیہ السلام
ماں ہو آمنہ، تو بیٹا ہوگا، سردارِ دوجہاں علیہ الصلوٰۃ والسلام
ماں ہو فاطمہ، تو بیٹا ہوگا شہیدِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ
ماں ہو ام الخیر، تو بیٹا ہوگا غوثِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ

شیخ ابوصالح

سرکارِ غوثِ پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے والد گرامی حضرت شیخ ابوصالح رضی اللہ تعالیٰ عنہ ولی کامل بزرگ تھے۔ ایک دن کہیں تشریف لے جا رہے تھے۔ راستہ میں ندی بہ رہی تھی، اس میں سے ایک سیب بہتا ہوا نظر آیا، آپ نے بڑھ کر وہ سیب اٹھالیا۔ وہ نہایت ہی خوش رنگ اور خوشبو دار تھا۔ شیخ کو کچھ ایسی کشش معلوم ہوئی کہ آپ نے وہ سیب کھالیا۔ کھانے کے بعد خیال آیا خدا جانے یہ سیب کس شخص کا تھا اور کیسے ندی میں بہ گیا۔ آپ کو اس سیب کے مالک کی اجازت کے بغیر کھالینا تقویٰ کے خلاف محسوس ہوا، اس لیے اُلٹے پاؤں واپس ہوئے تاکہ اس کے مالک کی تلاش کریں اور اسے سارا قصہ عرض کیا جائے اور اس غلطی کی اس معافی مانگی جائے۔ آپ آٹھ دس میل پیدل چلے، تو ایک باغ نظر آیا۔ وہ ندی جس میں یہ سیب بہ رہا تھا، اسی باغ سے گزرتی تھی۔ آپ نے باغ کے مالک کے بارے میں معلوم کیا، تو وہ بھی وہیں مل گیا۔ شیخ نے باغ کے مالک کو سارا قصہ سنایا اور معافی طلب کی کہ میں نے تمہارے باغ کا سیب تمہاری اجازت کے بغیر کھالیا ہے۔ باغ کے مالک حضرت عبداللہ صومعی ایک کامل بزرگ تھے۔ انہوں نے جب شیخ ابوصالح کی گفتگو سُنی تو زہد و تقویٰ کی اس داستان نے ان کے دل پر گہرا اثر کیا۔ انہوں نے ابوصالح کا شجرہ نسب پوچھا، تو وہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک نورٌ علیٰ نور پایا۔ کچھ دیر سوچنے کے بعد باغ کے مالک نے شیخ سے فرمایا کہ میں تمہیں یہ سیب معاف کرسکتا ہوں، مگر میری ایک شرط ہے۔ شیخ نے پوچھا وہ کونسی؟ سید عبداللہ صومعی نے فرمایا کہ پہلے وعدہ کرو کہ میں اس شرط کو بلاچون وچرا قبول کرلوں گا۔ شیخ نے کہا میں وعدہ کرتا ہوں کہ آپ سیب کی معافی کے لیے جو شرط بھی پیش کریں گے، اسے قبول کردوں گا۔ سید عبداللہ صومعی نے فرمایا کہ شرط یہ ہے کہ میری ایک لڑکی ہے، لیکن وہ اندھی، گونگی اور لُنجی ہے، نہ ہی وہ دیکھ سکتی ہے نہ بول سکتی ہے، نہ چل پھر سکتی ہے، تمہیں اس لڑکی کے ساتھ نکاح کرنا ہوگا۔

حضرت ابوصالح یہ سن کر سوچ وبچار میں پڑ گئے۔ ایک طرف تو سیب کی معافی کا سوال تھا،

اور دوسری طرف ایسی عورت سے نکاح کرنا جو اپاہج ہے ساری زندگی کا مسئلہ تھا۔ آخر ایسی عورت کے ساتھ ساری زندگی کیسے کٹے گی۔ اس تصور نے از حد پریشان کر دیا۔ ان کے ذہن میں خیالات ہجوم بن کر آئے۔ آخر فیصلہ کیا کہ زندگی فانی ہے ہوائی بھی چند دن کی مہمان ہے۔ شیخ ابو صالح نے کہا کہ مجھے منظور ہے، میں آپ کی اپاہج بیٹی کے ساتھ نکاح کرنے کو تیار ہوں۔ یہ سن کر سید عبداللہ صومعی نے سیب کی غلطی معاف کر دی۔ نکاح ہو گیا۔ پھر شیخ حرم سرا میں داخل ہوئے تو کیا دیکھتے ہیں ایک نہایت خوبصورت تندرست لڑکی بیٹھی ہے۔ اسے دیکھ کر خیال کیا شاید کوئی اور لڑکی ہے۔ اُلٹے پاؤں باہر نکل آئے اور عبداللہ صومعی سے کہا کہ یہ عورت منکوحہ کے سوا کوئی اور عورت ہے، چونکہ اس کے تمام اعضاء درست و سلامت ہیں۔ عبداللہ صومعی نے فرمایا یہ تیری منکوحہ ہے جو میں نے اپنی بچی کے اوصاف بیان کیے تھے کہ وہ اندھی ہے، اس کا مطلب یہ تھا کہ اس نے کبھی غیر محرم کو نہیں دیکھا اور گونگی اس لیے کہا تھا کہ اس نے زندگی بھر بدکلامی نہیں کی، لنجی اس لیے کہا کہ اس نے گھر سے باہر کبھی قدم نہیں نکالا۔ یہ عبداللہ صومعی کی صاحبزادی جن کا نکاح شیخ ابو صالح سے ہوا، یہ وہی ام الخیر فاطمہ تھیں۔ جو ولی کامل کی بیٹی اور ولی کامل کی بیوی بنیں اور پھر ان کے بطنِ پاک سے سرکار غوثِ پاک تولد ہوئے اور اس مقدس ماں کو شہنشاہِ بغداد کو گود میں لینے کا شرف حاصل ہوا۔

مادرزاد ولی

حضرت اُمّ الخیر فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ بادلوں کے سبب رمضان کے چاند میں لوگوں کو شک ہوا۔ صبح لوگوں نے مجھ سے پوچھا کہ آج روزہ ہے یا نہیں؟ میں نے کہا آج روزہ ہے۔ وہ کہنے لگے، کیا آپ نے چاند دیکھا ہے؟ میں نے کہا کہ میں نے چاند تو نہیں دیکھا، مگر صبح سے میرے چاند (عبدالقادر) نے دودھ نہیں پیا۔ سرکارِ غوثِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ کرامت شیر خوارگی کے زمانے میں ہی مشہور ہو گئی تھی ؎

غوثِ اعظم، متقی ہر آن میں،
چھوڑا ماں کا دودھ ماہِ رمضان میں

تحصیلِ علم

سرکار بغداد کا بچپن کا زمانہ تھا۔ اماں جان سے عرض کی کہ میں علمِ دین حاصل کرنے کے لیے بغداد چلا جاؤں ؟ ماں نے فرمایا، اے بیٹا! میں تیری فرقت تو برداشت کر سکتی ہوں، مگر تیری دین سے جُدائی گوارا نہیں کر سکتی۔ اجازت مل گئی۔ جب قافلے کی روانگی کا وقت آیا، تو آپ نے تیاری شروع فرمائی۔ آپ فرماتے ہیں جب میں چلنے لگا تو میری والدہ محترمہ کی آنکھوں میں آنسو آگئے، میرے والدِ گرامی کا وصال ہو چکا تھا اور وہ یہ سمجھ رہی تھیں کہ اپنی زندگی میں اپنے لختِ جگر سے پھر ملاقات نہ ہوگی۔ ماں اور بیٹے کی یہ آخری ملاقات تھی۔ ماں نے فرمایا، بیٹا! باپ کے ترکہ سے تیرے حصے میں چالیس دینار آئے ہیں، ان کو لے لو اور کسی مقام پر جھوٹ نہ بولنا، جاؤ بیٹا خدا حافظ۔

آپ قافلے کے ساتھ چل رہے تھے کہ جب قافلہ ہمدان سے آگے بڑھا تو راستے میں ڈاکوؤں نے حملہ کر دیا اور قافلے کو لوٹنا شروع کر دیا۔ ایک ڈاکو سرکارِ بغداد کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ کیا تمہارے پاس بھی کچھ ہے۔ آپ نے فرمایا، ہاں چالیس دینار ہیں جو میری بغل کے نیچے صدری میں سلے ہوئے ہیں۔ چور نے سوچا کہ شاید یہ بچہ ویسے ہی کہہ رہا ہے حتیٰ کہ باری باری سب ڈاکوؤں نے غوث پاک سے کہا کیا تیرے پاس کچھ ہے ؟ آپ نے فرمایا ہاں، میرے پاس چالیس دینار ہیں اور ڈاکوؤں نے سمجھا کہ اس کے پاس کچھ نہیں ہے۔ جب سارا قافلہ لوٹ چکے، تو اپنے سردار کے پاس پہنچے اور کہنے لگے، تمام قافلہ لوٹ لیا ہے، مگر ایک بچہ جو قافلے میں ہے، کہتا تھا میرے پاس چالیس دینار ہیں، ہم نے اسے چھوڑ دیا ہے۔ سردار نے کہا جاؤ اسے میرے پاس لے کر آؤ۔ آپ کی صدری کھولی گئی تو واقعی اس میں سے چالیس دینار نکلے۔ سردار نے کہا کہ تم نے اپنا مال کیوں نہ چھپایا۔ سرکارِ بغداد نے کہا کہ میری والدہ محترمہ نے مجھے گھر سے رخصت کرتے وقت فرمایا تھا کہ بیٹا جھوٹ ہرگز نہ بولنا۔ سردار نے جب یہ سنا تو بے اختیار رونے لگا اور کہا تم نے تو اپنی ماں سے کیا ہوا عہد نہیں توڑا اور ہم خدا سے کیے ہوئے عہد کی خلاف ورزی کر رہے ہیں۔ غوثِ اعظم کی نگاہ اٹھی

ڈاکو تائب ہوگئے اور انہوں نے سارا مال قافلے کو واپس کر دیا ؎

غوثِ اعظم کرم تھیں بھرے جھولیاں
دکوئی جھولی پھیلائے تے میں کی کراں

کیہڑا میراں دے دراتوں خالی گیا
تینوں منگنا نہ آوے تے میں کی کراں

غوث آیا اے مشکل کشائی لئی
نہیں اک لئی ساری خدائی لئی

چوراج دی اوہدے درتے بن دے ولی
چورا وتھے نہ جاوے تے میں کی کراں

مختصر یہ کہ آپ بغداد شریف پہنچ گئے اور علمِ دین پڑھنا شروع کر دیا آٹھ سال کی محنتِ شاقہ سے منزلِ مقصود تک پہنچ گئے۔ آخر وہ مبارک دن آگیا کہ آپ کے سر پر دستارِ فضیلت باندھی گئی۔ جب آپ حصولِ علم سے فارغ ہوئے، تو علمائے بغداد میں آپ کو بلند مقام حاصل ہو گیا، مگر آپ کی حالت عجیب تھی۔ آپ کہتے تھے کہ یہ سب کوشش کس مقصد کے لیے ہے۔ اس میں شک نہیں کہ علم نے میری رہبری کی ہے، مجھے راستہ دکھایا ہے، مگر میری منزل کہاں ہے؟ کاش مجھے بارگاہِ ایزدی تک رسائی نصیب ہوتی جو میرے نانا سید عبداللہ صومعی کو حاصل تھی۔ مجھے وہ ذوق حاصل ہو جو میرے والدِ محترم کو حاصل تھا۔ اس روحانی علم کے حصول کے لیے شیخِ کامل کے دامن کو پکڑا عرصہ دراز عبادت و ریاضت میں گزارا۔ بالآخر خدا کے فضل اور اُسکے حبیب پاک کے صدقے مرشدِ کامل کی نگاہ نے آپ کو مقامِ غوثیت پر فائز فرمایا۔

حضرات سرکارِ غوثِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پہلے ظاہری علم حاصل کیا اور اس کے بعد باطنی علوم کے منازل طے کیے۔ آج کل کے جہلاء پیروں کو آپ کی سیرت پاک

سے سبق حاصل کرنا چاہیے، جن کو نماز پڑھنا بھی نہیں آتی اور لوگوں کو نمازیں معاف کرتے پھر رہے ہیں۔ حضرت سلطان العارفین فرماتے ہیں ؎

ع علموں باہجہ جو کرے فقیری کافر مرے دیوانہ ہُو
سے دریاں دی کرے عبادت رہے اللہ کنوں بیگانہ ہُو

پیر وہ ہے جو مسجد کا نمازی ہو، قرآن کا قاری ہو، میدان کا غازی ہو، کعبے کا حاجی ہو جس کی صورت و سیرت، اقوال و افعال خدا اور رسول کے فرمان کے مطابق ہو۔

سرکارِ بغداد نے ظاہری و باطنی دونوں علوم حاصل کر کے پھر ظاہری و باطنی دونوں طرح کی ریاضتیں و عبادتیں کیں۔ آپ نے چالیس سال عشاء کے وضو سے فجر کی نماز پڑھی، ساری زندگی دینِ مصطفےٰ کی تبلیغ میں گزاری، ہزاروں گم گشتگانِ راہ کو صراطِ مستقیم کا درس دیا۔

چور قطب بن گیا

رات کے وقت ایک چور چوری کی نیت سے آستانۂ غوث اعظم میں داخل ہوا، مگر چوری کرنے میں ناکام رہا اور خوف سے ایک مصلیٰ میں چھپ کر بیٹھ گیا تاکہ جونہی موقعہ ملے تو یہاں سے فرار ہو جاؤں۔ ابھی وہ موقع کی تاک میں تھا کہ حضرت خضر علیہ السلام تشریف لائے اور جناب غوث اعظم رضی اللہ عنہ سے کہا کہ فلاں علاقے کا قطب فوت ہو گیا ہے، وہاں کسی کی ڈیوٹی لگا دیجیے۔ آپ نے کہا کہ صبح انتظام ہو جائے گا۔ انہوں نے اسی وقت اصرار کیا تو آپ نے فرمایا اگر جلدی ہے تو پھر وہ مصلیٰ میں چھپا ہے اسے لے جاؤ

جس تے پیر میرے دی نگاہ ہووے، اس دی کیوں نہ معاف خطا ہووے
جس بیڑے دا میراں ملاح ہووے، اونہوں پانی کدے وی روڑدا نئیں
جاناں صدقے غوث الاعظم توں، جہڑا در توں خالی موڑدا نئیں
مینوں قسم خدا دی اسے پیر میرا، جیدی بانہہ پھڑدا اونہوں چھوڑدا نئیں

عیسائی مسلمان ہو گیا

ایک دفعہ بغداد شریف میں ایک عیسائی پادری نے لوگوں سے یہ کہہ کر گمراہ کرنا شروع کر دیا کہ ہمارے نبی علیہ السلام

تمہارے نبی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل ہیں، چونکہ عیسیٰ علیہ السلام نے مردے زندہ کیے اور تمہارے نبی نے کوئی مردہ زندہ نہیں کیا۔ یہ بات حضرت غوثِ اعظم تک پہنچی تو آپ اس پادری کے پاس تشریف لے گئے اور اس سے کہا کہ تم لوگوں کو کیا کہہ رہے ہو، اس نے دوبارہ وہی بات کہی یہ سن کر سرکار غوثِ پاک جلال میں آگئے اور فرمایا، پادری! میں نبی نہیں ہوں، نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا نواسہ ہوں اور ان کا غلام ہوں، اگر میں مردہ زندہ کر دوں تو کیا تو میرے نانے کا کلمہ پڑھ لے گا؟ پادری نے کہا، ہاں! تب آپ نے فرمایا، مجھے کسی پرانی قبر پر لے جاؤ تاکہ میں تم کو مردہ زندہ کر کے دکھا دوں۔ پادری آپ کو ایک پرانی قبر پر لے گیا، تو پیرانِ پیر دستگیر نے فرمایا: یہ ایک گویے کی قبر ہے، اگر کہو تو یہ گاتا ہوا اٹھے۔ پادری نے کہا ٹھیک ہے۔ پھر آپ نے فرمایا کہ تمہارے نبی مردہ زندہ کرتے وقت کیا کہتے تھے۔ پادری نے کہا قُمْ بِاِذْنِ اللّٰہ کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے اٹھ۔ پھر غوث پاک نے جلال میں آکر قبر کو پاؤں سے ٹھوکر لگائی اور کہا قُمْ بِاِذْنِیْ میرے حکم سے اٹھ۔ وہ مردہ قبر سے گاتا ہوا باہر نکل آیا۔ غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ عظیم کرامت دیکھ کر وہ عیسائی مسلمان ہو گیا۔ (تفریح الخواطر)

دھوبی بخشا گیا

سرکار غوث پاک کا ایک دھوبی تھا جو آپ کے کپڑے دھویا کرتا تھا! وہ فوت ہو گیا، تو قبر میں منکر نکیر نے سوالات کیے تو اس دھوبی نے جواب دیا کہ میں سرکار غوثِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا دھوبی ہوں۔ فرشتوں نے عرض کی یا مولا! اس کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے؟ حکم آیا بخش دیا جائے۔ (الافاضات الیومیہ ج ۲ ص ۲۹)

میرے بزرگو، دوستو! بارگاہِ غوثِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں چور آیا ولی بن گیا، عیسائی آیا تو مسلمان ہو گیا، دھوبی آیا بخشا گیا، ناقص آیا کامل ہو گیا، برا آیا اچھا ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ کے حضور دعا ہے کہ وہ اپنے حبیب پاک صاحب لولاک صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقہ سے ہمیں اولیاء اللہ کی محبت عطا فرمائے وَکُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ پر عمل کرنے کی توفیق بخشے۔

وما علینا الا البلاغ المبین

منشورِ حیات

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ ہ وَالْعَاقِبَۃُ لِلْمُتَّقِیْنَ ہ
وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ ہ وَعَلٰی اٰلِہٖ
وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ ہ اَمَّا بَعْدُ ہ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ
الرَّجِیْمِ ہ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ہ یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ
اعْبُدُوْا رَبَّکُمُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ وَالَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ لَعَلَّکُمْ
تَتَّقُوْنَ ہ الَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً
وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِہٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا
لَّکُمْ فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰہِ اَنْدَادًا وَّاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ہ صَدَقَ
اللّٰہُ مَوْلٰنَا الْعَظِیْمُ ہ وَصَدَقَ رَسُوْلُہُ النَّبِیُّ الْکَرِیْمُ الْاَمِیْنُ ہ

معززِ سامعین کرام ! میں نے آپ کے سامنے قرآن مجید فرقان حمید کے پہلے پارے سے دو آیاتِ بیّنات تلاوت کی ہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے ،

یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّکُمُ الَّذِیْ
خَلَقَکُمْ وَالَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ لَعَلَّکُمْ
تَتَّقُوْنَ ہ الَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ الْاَرْضَ
فِرَاشًا وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِہٖ
مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّکُمْ فَلَا تَجْعَلُوْا
لِلّٰہِ اَنْدَادًا وَّاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ہ (پ۱ ع۳)

اے لوگو! اپنے رب کی عبادت کرو جس نے
تمہیں اور تم سے پہلوں کو پیدا فرمایا۔ یہ امید
کرتے ہوئے کہ تمہیں پرہیز گاری ملے۔ وہ جس نے
تمہارے لیے زمین کو بچھونا بنایا اور آسمان کو
عمارت بنایا اور آسمان سے پانی اتارا تو اس سے کچھ پھل
نکالے تمہارے کھانے کو تو جان بوجھ کر اللہ کے برابر والے نہ ٹھہراؤ۔

حضرات! ان آیاتِ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو عبادت کرنے کا حکم فرمایا۔ اے لوگو! تم اپنے رب کی عبادت کرو، اس کے حضور سربسجود ہو جاؤ۔ عبادت کے لائق وہی ہوتا ہے جو عظمت و قدرت میں سب سے بڑا ہو۔ اس خالقِ کائنات کی عبادت کرو جس نے تمہیں اور تمہارے آباؤ اجداد کو پیدا فرمایا، اس لیے اس کی عبادت کرو کہ تمہیں تقویٰ و پرہیزگاری مل جائے۔ مفسرینِ کرام زیرِ آیت فرماتے ہیں کہ اس خدائے بزرگ و برتر نے تمہارے آرام کے ایک ٹکڑے کو پانی سے باہر پھینک ڈالا۔ پھر اس کو گارے کی طرح نرم اور لوہے کی طرح سخت نہ بنایا اور نہ ہی اس کی گولائی ایسی رکھی جس کی وجہ سے تم اس پہ ٹھہر نہ سکو، بلکہ تمہارے آرام کی خاطر بستر کی طرح بچھونا بنایا۔ پھر تم پر اپنے فضل و کرم سے آسمان کو چھت کی طرح بنایا جہاں ایک گھر کی طرح ہو گیا۔ پھر تمہاری روزانہ دعوت کے لیے آسمان سے پانی برسایا جس سے رنگا رنگ کے پھلوں اور پھولوں کو پیدا فرمایا۔ اب تم خود ہی سوچو اگر کوئی شخص تم کو معمولی تنخواہ پر ہی ملازم رکھ لے، تو تم اس کی خدمت و اطاعت کرتے ہو جس خالق و مالک نے تم پر اتنے احسانات کیے، اس کو چھوڑ کر اوروں کی عبادت کرنا، اس کا شریک ٹھہرانا کہاں کی انسانیت ہے۔

انسان کی وجہِ تخلیق

آؤ انسان کو ذرا غور سے دیکھیں جو بظاہر چلتا پھرتا اٹھتا بیٹھتا کھاتا پیتا زندگی بسر کرتا اور پھر مر جاتا ہے۔ کیا اس کی زندگی کا مقصد اسی قدر ہے؟ اگر یہی ہے تو انسان اور حیوان میں کیا فرق؟ انسان اور حیوان کی کیا پہچان؟ ذی ارادہ اور غیر ذی ارادہ میں کیا امتیاز؟ صاحبِ عقل اور بے عقل میں کیا تمیز؟ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا (پ ۱۸ ع ۶) کیا تم گمان کرتے ہو کہ ہم نے تمہیں بیکار اور عبث پیدا فرمایا

اَیَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَنْ یُّتْرَكَ سُدًى کیا انسان یہ گمان کرتا ہے کہ وہ بے کار چھوڑ دیا جائے گا۔

(پ ۲۹ ع ۱۸)

بزرگو دوستو! ان آیات سے معلوم ہوا کہ انسان کو بھی اللہ تعالیٰ نے کسی کام کے لیے پیدا فرمایا ہے۔ انسان کی ہستی پوری کائنات سے ختم ہوجائے تو سورج چمکتا رہے گا، دریا بہتے رہیں گے، لیکن اگر سورج نہ چمکے، دریا نہ بہے، ہوا نہ چلے، پانی نہ برسے تو اس کا اثر انسانی زندگی پر ضرور پڑے گا۔ معلوم ہوا کہ یہ تمام چیزیں چاند کی چمک، کہکشاں کی دمک، رات کا اندھیرا، صبح کا سویرا، نسیم سحر، فضا معطر، پھولوں کی لطافت، شاخوں کی نزاکت، کلیوں کا تبسم، بلبل کا ترنم، مثل موتی نظر آنے والی شبنم، سورج کی تپش، زمین کی کشش، بارش کی ٹپک سب انسان ہی کے لیے ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا۔ (پ ۱۔ ع ۳)	وہی ہے جس نے تمہارے لیے بنایا جو کچھ زمین میں ہے۔
سَخَّرَ لَكُمُ الَّیْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمَ مُسَخَّرٰتٌ بِاَمْرِهٖ۔ (پ ۴۔ ع ۸)	اس نے تمہارے لیے مسخر کیے رات اور دن اور سورج اور چاند اور ستارے اس کے حکم کے باندھے ہوتے ہیں۔
اَلَمْ تَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ۔ (پ ۲۱۔ ع ۱۲)	کیا تم نے نہ دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے کام میں لگائے جو کچھ آسمانوں اور زمینوں میں ہے۔

ان آیاتِ مبارکہ سے معلوم ہوا کہ تمام چیزیں اللہ تعالیٰ نے انسان کے لیے بنائیں۔

جانور پیدا کیے تیری وفا کے واسطے
چاند سورج اور ستارے ہیں ضیاء کے واسطے
کھیتیاں سرسبز ہیں تیری غذا کے واسطے
سب جہاں تیرے لیے ہے تو خدا کے واسطے

اللہ تعالیٰ کا ارشادِ گرامی ہے:

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنَ ۔ (پ ۲۷ ع ۲) اور میں نے جن اور انسان اس لیے بنائے کہ بندگی کریں۔

زندگی آمد برائے بندگی
زندگی بے بندگی شرمندگی

بندہ وہ ہے جو بندگی کرتا ہے ۔ جو یادِ الٰہی سے غافل ہے، وہ مُردہ ہے۔ انسان جب مرتا ہے تو اس پر کوئی عبادت فرض نہیں، اس لیے کہ وہ مرگیا ہے، مگر جو زندہ رہ کر عبادت نہیں کرتا اسے خود کو مردہ تصور کرنا چاہیے۔ عبادتِ الٰہی سے غافل چلتا پھرتا بازار میں مُردہ اللہ اللہ کرنے والا مرنے کے بعد مزار میں بھی زندہ ہے۔

عبادت کسے کہتے ہیں؟

یہ تو ہمیں معلوم ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اپنی عبادت کے لیے پیدا فرمایا۔ اب یہ بھی جاننا ضروری ہے کہ عبادت کسے کہتے ہیں؟ کچھ لوگ سمجھتے ہیں ہاتھ باندھ کر کھڑے ہو جانا پھر گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر جھکنا پھر زمین پر ماتھا رکھ کر سجدہ کر لینا چند افعال حرکات و سکنات کا بجالانا عبادت ہے۔ ماہِ رمضان میں صبح و شام تک بھوکا پیاسا رہنا ہی عبادت ہے یا قرآن کریم کا ایک ورق پڑھ لینا کعبے کے گرد چکر لگانا صرف یہی عبادت ہے۔ غرضیکہ صرف چند ظاہری اعمال کا نام ہی عبادت ہے۔ ان کاموں کے کرلینے سے وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنَ کا مقصد پورا ہو گیا۔ اب وہ ہر طرح سے آزاد ہے، جو چاہے سو کرے۔ لیکن حقیقتِ حال یہ نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ نے جس عبادت کے لیے ہمیں پیدا فرمایا ہے، وہ صرف اسی قدر نہیں جو ہم نے سمجھ رکھا ہے۔ بزرگو دوستو! عبادت نام ہے اپنی زندگی کے ہر لمحہ کو قانونِ خداوندی کا پابند کرنا۔ اگر یہ بات ہم میں پیدا ہو گئی، تو ہماری ہر جنبش و ہر حرکت عبادت ہوگی۔

اسلام نے عبادت کے مفہوم کو بڑی وسعت کے ساتھ بیان کیا ہے۔ جن کاموں کو آپ بالکل دنیا داری سمجھتے ہیں، اگر ان کو رضائے الٰہی کے مطابق کیا جائے تو وہی عبادت بن جاتے ہیں۔

مثلاً آپ کاروبار کے لیے گھر سے نکلتے ہیں۔ اگر آپ جائز طریقہ سے رزقِ حلال کما کر لائیں گے تو یہ بھی عبادت ہے۔ حتیٰ کہ چلتے چلتے راستہ سے ایک کانٹا ہٹا دینا بھی عبادت ہے۔

حضرات! اب آپ کو عبادت کا مفہوم بخوبی معلوم ہو گیا کہ زندگی کا ہر ہر لمحہ فرمانِ خداوندی کے مطابق گزارنا عبادت ہے۔ اب آپ کے ذہن میں سوال ہو گا کہ پھر نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ کیا ہیں، جنہیں اسلام کی بنا قرار دیا گیا ہے۔ تو سنیے میں عرض کرتا ہوں ان عبادات کے فرض کرنے کا مقصد ہم کو اس عبادت کے لیے تیار کرنا ہے جو ہم کو ہر لمحہ ادا کرنا ہوتی ہے۔

نماز ہمیں دن میں پانچ مرتبہ یہ سبق دیتی ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کے بندے ہو، اسی کی بندگی تمہیں کرنا ہے۔ جب اذان ہوتی ہے تو ہمارا ذہن اس بات کی طرف جاتا ہے، کیا میرا جسم پاک ہے، لباس پاک ہے؟ جسم و لباس کی پاکیزگی کے بعد وضو کیا جاتا ہے، حالانکہ بے وضو نماز پڑھتے دیکھ کر کوئی شخص بھی کچھ نہیں کہتا، لیکن ہم بے وضو نماز نہیں پڑھتے، کیونکہ ہمارے ذہن میں یہ بات ہے کہ خدا تعالیٰ ہم کو دیکھ رہا ہے۔ اگر بے وضو نماز پڑھی تو میرا خالق و مالک مجھ سے ناراض ہو جائے گا۔ نماز آہستہ آہستہ پڑھتے ہیں تو یہ یقین پکا ہوتا ہے کہ میرا خدا تعالیٰ سن رہا ہے۔ اگر یہی کیفیت ہماری ہر وقت رہے جو نماز ہمارے اندر پیدا کر دیتی ہے تو یقیناً ہم کوئی بھی کام خدا تعالیٰ کی منشار کے خلاف نہ کریں۔ نماز ہمارے اندر خدا تعالیٰ کے حلیم و خبیر، سمیع و بصیر ہونے کا پختہ یقین پیدا کرتی ہے۔ اسی طرح روزہ ہم کو سال میں ایک ماہ کے اندر خوفِ خدا تقویٰ و پرہیزگاری کی یاد دلاتا ہے۔ بھوک و پیاس کی شدت ہوتی ہے کھانا اور پینا سامنے موجود ہوتا ہے، مگر روزہ کی حالت میں انسان کھاتا نہیں۔ نفس اسے کہتا ہے کھا لے تجھے کون دیکھ رہا ہے، مگر روزہ سے انسان کے اندر خشیتِ الٰہی اور خوفِ خداوندی اس طرح رچ بس جاتا ہے کہ وہ یہ کہتا ہے یہ تو درست ہے کہ مجھے کوئی نہیں دیکھ رہا، مگر میرا خالق و مالک دیکھ رہا ہے۔

حج خدا تعالیٰ کی محبت اور بزرگی کا ایسا نقش بٹھاتا ہے کہ ایک مرتبہ اگر وہ دل پر نقش

ہو جائے تو عمر بھر اس کا اثر زائل نہیں ہوتا۔ ان عبادات کے ادا کرنے کے بعد اب آپ اس قابل ہو گئے کہ آپ کی ساری زندگی عبادت بن جائے، تو بلاشبہ آپ کی نماز نماز ہے، روزہ روزہ ہے، حج حج ہے، زکوٰۃ زکوٰۃ ہے، لیکن اگر یہ مقصد پورا نہیں ہوا تو محض رکوع و سجود بھوک و پیاس برداشت کر لینے سے زکوٰۃ ادا کر لینے سے حج کے مناسک پورے کرنے سے عبادت کا مقصد پورا نہیں ہوتا۔ ان ظاہری طریقوں کی مثال تو ایسی ہے اگر ایک جسم ہے اور اس میں جان ہے، وہ چلتا پھرتا کام کرتا ہے، وہ زندہ ہے۔ اگر ایک جسم سلامت ہے جان نہیں تو وہ ہاتھ پاؤں سر آنکھیں کس کام کے ہیں، انہیں دفن کر دیا جاتا ہے۔ اسی طرح اگر نماز کے ارکان پورے ادا ہوں یا روزے کی پوری پوری شرائط ادا کر دی جائیں، مگر خداوند عالم کی محبت اس کی وفاداری اس کے حکم کی پابندی نہ ہو تو نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ کے فرائض ادا کرے، تو وہ ایک بے جان عبادت ہے۔

نماز کی اہمیت

جملہ عبادات میں نماز کو امتیازی حیثیت حاصل ہے، دیکھئے حج زندگی میں ایک مرتبہ صاحب استطاعت پر فرض ہے، زکوٰۃ بھی سال میں ایک مرتبہ صاحب نصاب کو ادا کرنا ہوتی ہے، رمضان شریف بھی گیارہ ماہ بعد آتا ہے، مگر نماز وہ عبادت ہے جو ایک دن میں پانچ مرتبہ ادا کرنا ہوتی ہے۔ یہی وہ عبادت ہے جو ہر امیر و غریب، پیر و صغیر، مفلس و امیر، عربی اور عجمی، گورے اور کالے جوان اور بوڑھے، بیمار اور تندرست، شاہ و گدا، مریض و حکیم، مسافر اور مقیم، ہر عاقل و بالغ پر فرض ہے۔ یہی وہ عبادت ہے جس کے متعلق حکم ہے کہ جب بچہ سات برس کا ہو جائے تو اسے نماز پڑھنے کا حکم دو، جب دس برس کا ہو جائے تو اسے مار کر بھی پڑھاؤ۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمانِ عالیہ ہے:

اِنَّ اَوَّلَ مَا یُحَاسَبُ بِهِ الْعَبْدُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ صَلَاتُهٗ (نسائی ص۸۰)	قیامت کے روز سب سے پہلے بندے کا حساب نماز سے شروع ہوگا)

روزِ محشر کہ جاں گداز بود
اوّلیں پرسشِ نماز بود

حضرات محترم! نماز ہی وہ عبادت ہے جس کا حساب روزِ محشر سب سے پہلے ہوگا، نماز ہی وہ عبادت ہے جو گناہوں سے بچنے کے لیے ڈھال ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ جل مجدہٗ کا ارشادِ گرامی ہے:

اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ (پ ۲۱ - ع ۱)
بے شک نماز برائیوں اور بے حیائیوں سے روکتی ہے۔

گناہ جھڑتے ہیں پتوں کی طرح

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم موسمِ خزاں میں سیر کے لیے باہر تشریف لے گئے تو دیکھا کہ خزاں رسیدہ پتے درختوں سے نیچے خود بخود گر رہے ہیں۔ آپ نے ایک درخت کی دو شاخوں کو اپنے مقدس ہاتھوں میں پکڑ کر ارشاد فرمایا، اے ابوذر! انہوں نے عرض کی لبیک یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ آپ نے فرمایا بندہ جب اللہ تبارک و تعالیٰ کی رضا کی خاطر نماز پڑھتا ہے، تو اس کے جسم سے گناہ ایسے جھڑ جاتے ہیں:

کَمَا تَھَافَتَ ھٰذَا الْوَرَقُ عَنْ ھٰذِہِ الشَّجَرَۃِ - (مشکوٰۃ شریف)
جیسا کہ اس درخت سے یہ پتے جھڑ رہے ہیں۔

دوسرے مقام پر سید المرسلین رحمۃ اللعالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے کہ نمازی جب نماز پڑھتا ہے، تو اس کے جسم پر گناہوں کی میل باقی نہیں رہتی۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد سنا کہ تم میں سے کسی کے دروازے پر نہر جاری ہو اور وہ پانچ مرتبہ اس میں غسل کرتا ہو تو کیا اس کے جسم پر کوئی میل باقی رہے گی؟ صحابہ کرام نے عرض کیا اس کے بدن پر کچھ میل نہ

رہے گی۔ تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

فَذَالِكَ مَثَلُ الصَّلَوَاتِ الْخَمْسِ   یہی مثال نماز پنجگانہ کی ہے۔ اللہ تعالیٰ

يَمْحُو اللّٰهُ بِهِنَّ الْخَطَايَا - (مشکوٰۃ ص۵۷)   ان نمازوں کی برکت سے گناہ مٹا دیتا ہے

بزرگو اور دوستو! اس حدیث پاک سے معلوم ہوا کہ اگر کسی کے دروازے پر نہر جاری ہو

اور وہ روزانہ پانچ مرتبہ اس میں نہائے، تو اس کے جسم پر میل نہیں رہتی۔ اسی طرح جو دن

میں پانچ مرتبہ نماز ادا کرتا ہے، وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کی بارش سے ایسے پاک صاف ہو جاتا

ہے کہ اس کے جسم پر گناہ کی میل نہیں رہتی؛ چنانچہ شاعر اس مقام پر کہتا ہے ؎

ایہہ نماز نیاز کمال تحفہ تکھاں اُوگناں تے پردہ پا دیوے

ایہہ نماز مکالیاں گندیاں نوں دھو مانج کے صیقل بنا دیوے

حضرات! نماز ہی وہ عبادت ہے جو انسان کو گناہوں سے پاک کرتی ہے۔ یہی وہ عبادت

ہے جو بدن اور لباس کو پاکیزہ رکھتی ہے۔ نماز ہی پیامِ نفاست و طہارت اور مغفرت و رحمت ہے،

نماز ہی سرکار دوجہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔ سید المرسلین رحمۃ اللعالمین

علیہ الصلوٰۃ والتسلیم فرماتے ہیں:

وَقُرَّةُ عَيْنِيْ فِي الصَّلٰوةِ-   میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز ہے۔

حضرات! اصول ہے کہ محبوب کی ہر چیز محبوب ہوتی ہے تو اب اپنے آقا و مولا صلی اللہ علیہ وسلم

کی محبوب عبادت سے ہمیں بھی محبت رکھنا چاہیے اور ہمیں بھی نماز پڑھنا چاہیے۔ نماز ہی کی برکت

سے مسجدوں کی تعمیر ہے۔ صوتِ اذان اور صدائے تکبیر ہے۔ نماز ہی کی وجہ سے محراب و منبر کی

تنویر ہے، نماز ہی سے خطیب کو عظمت ملی، امام کو رفعت ملی، حفاظ کو قدر و منزلت ملی، نمازی

کو پاکیزگی و نفاست ملی، مسلمانوں کو ایک جگہ جمع ہونے کی سعادت ملی، نماز ہی نے شاہ و گدا

کو ایک ہی صف میں لا کھڑا کیا ؎

ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز   نہ کوئی بندہ رہا اور نہ کوئی بندہ نواز

نماز ہی کمالِ عبودیت ہے، نماز ہی تکمیلِ انسانیت ہے، نماز ہی اخلاقِ حسنہ کی ہادی ہے۔ نماز ہی نے پیار اور محبت، الفت و مروت، اتحاد و یگانگت کا درس دیا۔ نماز ہی نے قوم کے پسندیدہ امیر کی اطاعت کا سبق دیا۔ نماز ہی خدا تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو راضی کرنے کا ذریعہ ہے۔

نماز کیا ہے؛ مخلوق کا اپنے خالق کے حضورِ عبودیت کا اظہار اس کی یکتائی اور بڑائی کا اقرار، اس کے رحمٰن اور رحیم ہونے کی یاد، حُسنِ ازل کی حمد و ثنا، اس خالقِ کائنات کے بے لاتنہا احسانات کا شکریہ، یہ ہمارے اندرونی احساسات کا عرضِ نیاز، یہ فطرت کی آواز، بیقرار روح کی تسلی و تشفی، مضطرب قلب کی راحت، مایوس دل کی آس، زندگی کا حاصل، ہستی کا خلاصہ اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ کا فطری جواب، تحفہ معراجِ دین کا ستون، کامیابی کا راز۔

معراجِ مومنین: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اَلصَّلٰوۃُ مِعْرَاجُ الْمُؤْمِنِیْنَ — نماز مومنوں کی معراج ہے۔

مولیٰ سے اپنے ملتا ہے بندہ نماز میں
اُٹھ جاتا ہے جدائی کا پردہ نماز میں
مولیٰ میں اور بندے میں رہتا نہیں حجاب
بے پردہ ہے تجلیٔ مولیٰ نماز میں

نماز میں بندے کو اللہ تعالیٰ کا اتنا قرب حاصل ہوتا ہے کہ جب انسان اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا ہے تو رب تعالیٰ کا فرمانِ مقدس ہے کہ میں اسے یاد کرتا ہوں:

فَاذْکُرُوْنِیْٓ اَذْکُرْکُمْ وَاشْکُرُوْا لِیْ وَلَا تَکْفُرُوْنَ۔ (پ ۲ ع ۲) — تم میری یاد کرو، میں تمہارا چرچا کروں گا اور میرا حق مانو اور میری ناشکری نہ کرو۔

بخاری شریف کتاب الایمان میں ہے ایک روز ایک شخص سائل کی صورت میں بارگاہِ رسالت

میں حاضر ہوا اور عرض کیا احسان کیا ہے ؟ آپ نے ارشاد فرمایا تم اپنے پروردگار کی اس طرح عبادت کرو، گویا تم اس کو دیکھ رہے ہو یا اگر تم اس کو نہیں دیکھ رہے ہو تو وہ تم کو دیکھ رہا ہے۔ اسی طرح ایک شخص کو تعلیم فرماتے ہوئے فرمایا نماز کی حالت میں کوئی شخص سامنے نہ تھوکے، کیونکہ وہ اپنے رب سے راز و نیاز کی باتوں میں مصروف ہوتا ہے، اسی طرح نماز کے آگے سے گزرنا بھی منع فرمایا۔

دین کا ستون : رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،

اَلصَّلٰوۃُ عِمَادُ الدِّیْنِ — نماز دین کا ستون ہے

جس طرح ستونوں کے گرنے سے عمارت گر جاتی ہے، اسی طرح اس کے ترک کرنے سے دینداری رُخصت ہو جاتی ہے۔

کامیابی کا راز : اللہ تعالیٰ کا ارشادِ مبارک ہے،

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَکّٰی وَذَکَرَ اسْمَ رَبِّہٖ فَصَلّٰی۔ (پ ۳۰ ع ۱۶) — کامیاب وہ ہے جس نے پاکیزگی حاصل کی اور خدا تعالیٰ کا نام یاد کیا، پس نماز پڑھی

معلوم ہوا کہ بے نماز ہر مرحلہ میں ناکام ہے، خواہ اس کے پاس دنیا کا کتنا ہی مال جمع ہو جائے۔ کامیاب وہ ہے جو اپنے خالق و مالک کے حضور سر بسجود رہے۔

گر تو خواہی زیستن باآبرو

یادِ اُو کن ، یاد اُو کن، یادِ اُو

آپ بیشک بے نماز مالدار سے دریافت کر لیں، وہ ہر وقت پریشان ہی ہوگا، سکونِ قلب اسے نصیب نہ ہوگا۔ اس لیے جب انسان کو اپنی روحانی تڑپ اور دل بے چینی، قلبی اضطراب اور ذہنی شورش کے عالم میں دنیا کی ہر چیز فانی عقل کی ہر تدبیر

میں ناکامی، جسم کی ہر قوت و سلامتی کا راستہ بند نظر آتا ہے تو اطمینان و سکون صرف خالقِ کائنات کے ذکر سے حاصل ہوتا جس کو لاریب کتاب قرآن مجید نے یوں بیان کیا ہے:

اَلَا بِذِکْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ۔ خبردار! اللہ تعالیٰ کے ذکر کے ساتھ دل تسکین پاتے ہیں۔ (پ ۱۳ - ع ۱۰)

یہی وجہ ہے کہ جب مصیبتوں کا ہجوم اور تکلیفوں کی شدت ہو تو ان سے نجات حاصل کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ مدد مانگو صبر اور نماز سے

یہی وجہ تھی کہ جناب سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کو جب کوئی مشکل امر پیش آتا تو آپ نماز کی طرف رجوع فرماتے تھے۔ حدیث پاک میں آتا ہے:

كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا حَزَنَهٗ أَمْرٌ صَلّٰى (مشکوٰۃ ص۱۱۷)
حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جب کوئی سخت امر پیش آتا تو آپ نماز کی طرف متوجہ ہوتے

حضراتِ محترم! نماز ہی وہ بابرکت عمل ہے جس سے دنیا و آخرت میں چین نصیب ہوتا ہے۔ یہی وہ عبادت ہے جس سے بندے کے گناہ معاف ہوجاتے ہیں اور پروانہ جنت مل جاتا ہے اور یہی وہ عبادت ہے جس کے ترک کرنے سے انسان عذابِ جہنم میں گرفتار ہو جاتا ہے۔

قرآنِ کریم میں ارشادِ خداوندی ہے کہ جب جنتی لوگ جنت میں اور جہنمی دوزخ میں جائیں گے، تو اہلِ جنت جہنم والوں پر سوال کریں گے۔

مَا سَلَكَكُمْ فِيْ سَقَرَ ۝ کہ تم کو کس چیز نے جہنم میں ڈال دیا

تو دوزخی جواب دیں گے:

لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّيْنَ۔ (پ ۲۹ ع ۱۶) کہ ہم نماز نہیں پڑھا کرتے تھے

حضراتِ محترم! نماز وہ مخصوص عبادت ہے جس کو ترک کرنے والے کی سزا تو آپ نے سن لی۔ اب ذرا نماز میں سستی کرنے والوں کے متعلق خالقِ دو جہان کا فرمانِ عالیہ سنیے۔ ارشاد

خداوندی یوں ہے:

اَضَاعُوا الصَّلٰوۃَ وَاتَّبَعُوا الشَّھَوٰتِ فَسَوْفَ یَلْقَوْنَ غَیًّا ۞ (پ ۱۶ ع ۷) جنہوں نے نماز کو ضائع کیا اور نفسانی خواہش کے پیچھے پڑ گئے۔ سو یہ لوگ عنقریب خرابی پائیں گے

اس آیۂ مقدسہ میں اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی سزا کا ذکر فرمایا جنہوں نے خواہشاتِ نفس کی تکمیل کے لیے نمازوں کو ضائع کیا۔ مفسرین کرام نے نماز ضائع کرنے سے یہ مطلب لیا ہے کہ نماز کو اپنے وقت میں نہ پڑھا۔ صاحبِ تفسیر مظہری نے حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا قول نقل فرمایا کہ اَضَاعُوا الصَّلٰوۃَ کا مطلب یہ ہے کہ نماز کو وقت گزار کر پڑھا، یعنی نماز کو اپنے وقت میں ادا نہ کیا

حضرات! جن لوگوں نے نماز کو بے وقت پڑھا، ایسے لوگوں کے لیے اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے: فَسَوْفَ یَلْقَوْنَ غَیًّا یعنی وہ عنقریب قیامت میں اپنے لیے خرابی پائیں گے غی کونسا مقام ہے؟ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ جہنم کے اندر یہ ایک ایسی وادی ہے کہ جہنم کی گرمی اس سے پناہ مانگتی ہے۔ بیہقی نے لکھا ہے کہ براء ابن عازبؓ نے فرمایا غی جہنم کے اندر ایک بہت بدبودار گہری وادی ہے۔ (مظہری)

بزرگو دوستو! نماز کو ٹھیک وقت پر ادا نہ کرنے والا شخص فرمانِ خداوندی کے مطابق جہنم کی گہری اور بدبودار وادی میں جھونک دیا جائے گا، تو آپ خود ہی اندازہ فرمائیں جو نماز کا سرے سے ہی تارک ہو، اس کی سزا کیا ہو گی؟ قرآن کریم میں ایک اور جگہ فرمانِ خداوندی ہے:

وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِکْرِیْ فَاِنَّ لَہٗ مَعِیْشَۃً ضَنْکًا۔ (پ ۱۶ ع ۱۶) اور جو شخص میرے ذکر سے روگردانی کرے گا تو اس کے لیے تنگی کا جینا ہے۔

اس آیۂ مقدسہ کے ضمن میں مفسرین کرام رحمہم اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جس شخص نے اللہ تبارک و تعالیٰ کے حکم کی نافرمانی اور اس کے ذکر سے روگردانی کی تو وہ شخص عذاب قبر و حشر میں یوں گرفتار ہو گا کہ اس کی قبر کی زندگی مَعِیْشَۃً ضَنْکًا ہو گی۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا معیشۃ ضنکا سے مراد عذاب قبر ہے۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ زمین اس کو یوں دبائے گی کہ اس کی پسلیاں اِدھر اُدھر نکل جائیں گی (مظہری)

اللہ تعالیٰ کا ارشادِ گرامی ہے:

نَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى ہم اسے قیامت کے روز اندھا کرکے اٹھائیں گے۔

حضرات محترم! ان مذکورہ بالا آیاتِ مبارکہ اور احادیثِ مقدسہ سے یہ بات واضح ہوگئی کہ نماز کو ترک کرنے والا اور نماز میں سستی کرنے والا اور اللہ تعالیٰ کے ذکرِ پاک سے روگردانی کرنے والا مستحقِ عذاب ہوگا، مگر ہماری حالت اس قدر خراب ہو چکی ہے کہ مذہب سے بیگانگی اور دین سے لاپرواہی اپنے عروج پر پہنچ چکی ہے کہ نماز تمام عبادات میں نہایت اہم فریضہ ہے جسے ہم چھوڑ چکے ہیں۔ آپ سب جانتے ہیں کہ مسلمانوں کی دس دس ہزار آبادی کی بستیوں میں جب اللہ تعالیٰ کے گھر میں سے حَيَّ عَلَى الصَّلٰوةِ حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ۔ کی صدا آتی ہے تو اس فلاحِ عظیم کے حصول کے لیے ہزاروں افراد سے بمشکل تیس چالیس نمازی مسجد میں جمع ہوتے ہیں اور ان میں بھی اکثریت ان بوڑھوں اور کمزوروں کی ہوتی ہے جن کی کمر سیدھی نہیں ہوسکتی، جن کی بینائی کا یہ عالم ہوتا ہے کہ اگر خدانخواستہ مسجد میں تشریف لاتے ہوئے ان کی عینک راستے میں گم ہوجائے یا گر کر ٹوٹ جائے، تو ان کے لیے مسجد میں پہنچنا تو درکنار، واپس گھر جانا مشکل ہوجاتا ہے۔ مسجدوں میں اکثر ایسے بوڑھے نظر آتے ہیں جن کا وجود ان کے گھر والے بھی برداشت نہیں کرتے اور وہ لاٹھی لیے ٹھوکریں کھاتے اور کھانستے ہوئے خانۂ خدا میں پناہ حاصل کرنے کے لیے تشریف لے آتے ہیں اور پھر خدا تعالیٰ کا عظیم گھر جسے ہم مسجد کے نام سے یاد کرتے ہیں، ان کے لیے اپنی شفقت بھری باہیں کھولے ان کے لیے بھی فلاحِ دارین کی بشارت دیتا ہے۔

جو اپنا پورا شباب سرکشی اور طغیانی میں گزار کر زندگی کے تھکے ہوئے لمحات میں خانۂ خدا کی

طرف پلٹ آتے گو یہ بھی ان کی خوش قسمتی ہے۔ خداوند قدوس تو توبہ کا دروازہ ہر وقت کھولے ہوئے ہیں، اس کی رحمت تو گناہ گاروں کو ہمیشہ صدائیں دیتی ہے۔ خواہ بھولا بھٹکا انسان زندگی کے کسی حصّہ میں توبہ کرنے کا شرف حاصل کرلے، لیکن بڑھاپے کی توبہ آخرت کی سینکڑوں مصیبتوں سے نجات دلانے کے باوجود اس توبہ کے مقابلے میں صفر کی حیثیت رکھتی ہے جو توبہ اس وقت کی جائے کہ جبکہ انسان گناہ کرنے کی پوری طاقت موجود ہونے کے باوجود گناہ سے بچنے کی سعی کرے۔ عالم شباب میں کی ہوئی توبہ انسان کو ولایت کے درجہ تک پہنچا دیتی ہے اور ایسے شخص کی توبہ دوسرے ہزاروں انسانوں کی زندگیاں تبدیل کردینے کا فریضہ بھی ادا کرسکتی ہے، جبھی تو کہا جاتا ہے ؎

درجوانی توبہ کردن شیوۂ پیغمبری
وقتِ پیری گرگ ظالم مے شود پرہیزگار

بڑھاپے میں جب ناتوانی اپنے پنجے گاڑ چکی ہو اور شکار کرنے کی قوت سلب ہو چکی ہو تو ایسے وقت میں بھیڑیا بھی پرہیزگاری کا لبادہ اوڑھ لیتا ہے۔ درحقیقت توبہ صحیح معنوں میں وہی توبہ کہلا سکتی ہے جو اس وقت کی جائے جب انسان پورے طور پر قادر ہونے کے باوجود خوفِ خداوندی غالب رکھے اور اپنی تمام ناجائز خواہشات کو احکاماتِ خداوندی پر قربان کرتے ہوئے دین کو دنیا پر ترجیح دے۔ بڑھاپے کے وقت نمازیں پڑھنے کا لطف صحیح معنوں میں وہی اٹھا سکتا ہے جس نے جوانی کے وقت نمازیں پڑھنے کی برکات کا مشاہدہ کیا ہو۔

حضرات! میرے اس بیان کا ہرگز یہ مطلب نہ سمجھا جائے کہ میں ان بوڑھوں کا مخالف ہوں جو بڑھاپے میں نمازیں پڑھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے گھر کی آبادی جن کے دم قدم سے ہے، بلکہ یہ تو خوش قسمت ہیں جو عالم پیری میں خدا تعالیٰ کے گھر کی طرف چلے آتے، ورنہ کئی ایسے بوڑھے دیکھے ہیں کہ جو بستر مرگ پر بھی اللہ تعالیٰ کا نام نہیں لیتے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ ہم سب کو ہدایت نصیب فرماتے۔ میرے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ آج کل کا نوجوان بڑھاپے کا منتظر

ہے کہ بوڑھے ہوں گے تو نمازیں پڑھ لیں گے۔ تو میرے نوجوان ساتھیو! کیا تمہیں معلوم ہے کہ تم اتنی دیر زندہ رہ سکو گے کہ بوڑھے ہو جاؤ۔ نامعلوم جوانی میں ہی پیامِ اجل آجائے اور یوُں ہی خالی ہاتھ اس دارِ فانی سے رخصت ہونا پڑے۔

حضرات! میں عرض کر رہا تھا کہ مسجدوں میں اکثریت بوڑھے نمازیوں کی ہوتی ہے۔ کتنے افسوس کی بات ہے کہ آجکل کا نوجوان مسجد میں جانا فیشن کے خلاف تصور کرتا ہے اور سینما بینی بڑے شوق سے کرتا ہے۔ آج سینما آباد نظر آتے ہیں اور مساجد ویران ہیں اور ان کے در و دیوار سے رونے کی صدائیں بلند ہو رہی ہیں۔ علامہ اقبال علیہ الرحمہ یوں منظر پیش کرتے ہیں ؎

مسجدیں مرثیہ خواں ہیں کہ نمازی نہ رہے
یعنی وہ صاحبِ اوصافِ حجازی نہ رہے

برادرانِ اسلام! یہ کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ ہم نے مسجدوں کو تو ویران کر دیا اور سیناؤں کو آباد کر دیا ہے۔ بتایئے آپ روزِ محشر اپنے اس جرمِ عظیم کا خدا تعالیٰ کو کیا جواب دیں گے ——— اے غافل مسلمانو! تم اس محبوبِ کبریا صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی ہو کہ جس نے اللہ تبارک و تعالیٰ کا پیغام آپ تک پہنچانے کے لیے پتھر کھائے۔ تم اس نبی کے امتی ہو جس نے مسجدِ نبوی کی تعمیر کے لیے گورے گورے اور نرم و نازک ہاتھوں سے مسجد کی اینٹیں اٹھا کر مسجد کا احترام اور مسجد کا مقام بتلایا۔ تم اس نبی کا کلمہ پڑھنے والے ہو جو پوری پوری رات قیام اور رکوع، سجدے اور قعدے میں گزارتے تھے۔ تم اس علی المرتضیٰ شیرِ خدا رضی اللہ عنہ کے محب ہو جن کی ایک نماز قضا ہونے سے ان کی آنکھیں اشکبار ہو گئی تھیں۔

تم اس سید الشہداء شہید کربلا امام عالی مقام حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے محب اور غلام ہو جس نے میدانِ کربلا میں اس وقت بھی نماز قضا نہ کی جس وقت ایک طرف اٹھارہ سال کے نوجوان بیٹے کی بے گور و کفن لاش نظر آ رہی تھی، حضرت قاسم کی جوانی لٹ چکی تھی—

عون و محمد میدانِ کربلا میں جامِ شہادت نوش فرما چکے تھے۔ عباس بھائی کے بازو کٹ چکے تھے، چھ ماہ کا بیٹا علی اصغر حلق پر تیر کھا کر کوفیوں کے ظلم وستم کا نشانہ بن چکا تھا۔ حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جسم اطہر بھی تیروں، تلواروں، نیزوں اور بھالوں سے زخمی ہو چکا تھا۔ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا اپنے بھائی کو خون میں نہایا ہوا دیکھ رہی تھی۔ حضرت زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیمار کی حالت ناقابلِ برداشت ہو چکی تھی۔ بچی سکینہ کی آہ وزاری اور بے قراری عرشِ الٰہی کو لرزا رہی تھی۔ سارے کا سارا کنبہ شہید ہو چکا تھا۔ آپ زخمی ہو کر زخموں کی تاب نہ لاتے ہوئے اپنے مرکب سے کربلا کی تپتی ہوئی زمین پر گرتے ہیں۔

شمر لعین خنجر بکف ہو کر آپ کے سینۂ منور پر بیٹھ جاتا ہے تو آپ فرماتے ہیں او لعین! اب تیرا کیا ارادہ ہے ؟ اس نے کہا شہید کرنے کا! تو شہیدِ کربلا نے فرمایا تو پھر ذرا میرے سینے سے اتر جا، مجھے اپنے رب کی نماز پڑھ لینے دے اور پھر جیسے بھی ہو سکا آپ نے آخری سجدہ بھی ادا فرمالیا۔ محترم دوستو! تم اس حسین کے ماننے والے ہو جس نے تلواروں کے سائے، تیروں کی بارش میں خنجر تلے سجدے میں سر کٹوا کر اپنے نانے کے امتیوں کو یہ سبق دیا ؎

نہ مسجد میں نہ بیت اللہ کی دیواروں کے سائے میں
نمازِ عشق ادا ہوتی ہے تلواروں کے سائے میں

میرے دوستو! تم تلواروں کے سائے میں نماز ادا کرنے والے سیدالشہدا شہیدِ کربلا کے صاحبزادے حضرت زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے غلام ہو جو ایک روز مسجد میں نماز پڑھ رہے تھے کہ اچانک مسجد کے چھپر میں آگ لگ گئی اور پھر چند ہی لمحوں میں شعلے بھڑکنے لگے، مگر آپ مسجد کے اندر نماز میں مشغول رہے۔ یہ واقعہ دیکھ کر مخلوقِ خدا اکٹھی ہو گئی۔ بہت شور و غل ہوا مگر آپ کو خبر نہ ہوئی۔ جب خود نماز سے فارغ ہوئے اور باہر تشریف لائے تو لوگوں نے عرض کیا کہ حضرت آپ نے ہماری آواز نہیں سنی۔ فرمایا تم کیا کہتے تھے ؟ عرض کیا کہ مسجد میں آگ لگ گئی تھی۔ ہم نے بہت کوشش کی تھی، مگر آپ نے کچھ نہ سنا۔ آپ نے فرمایا تم مجھے دنیا کی آگ سے بچانے

کی کوشش کر رہے تھے، میں اس وقت اللہ تعالیٰ کے قہر کی آگ سے بچنے کی کوشش کر رہا تھا، اس لیے مجھے دنیا کی آگ سے بچنے کی پرواہ نہ ہوئی۔ (روض الریاحین)

میرے دوستو! تم ان مقدس و مطہر ہستیوں کے ماننے والے ہو جنہوں نے کبھی ایک نماز بھی ترک نہ کی تھی اور اس عالم میں بھی فریضہ نماز ادا کیا، جبکہ دشمنوں کی فوجیں مقابل کھڑی ہیں، تیروں کی بارش ہو رہی ہے تلواروں کی دھاریں چل رہی ہیں، نیزوں کی انیاں چبھ رہی ہیں، گردن اور دست و پا کٹ کٹ کر گر رہے ہیں اور اس ہولناک جنگ میں نماز کا وقت آجاتا ہے تو فوراً صفیں بن جاتی ہیں اور اللہ اکبر کی ایک آواز کے ساتھ موت و حیات سے بے پرواہ گردنیں بارگاہِ خداوندی میں پورے عجز و نیاز کے ساتھ جھکنے اور اٹھنے لگتی ہیں۔ علامہ اقبال علیہ الرحمہ مسلمانوں کے اسی طرزِ عمل کو یوں بیان کرتے ہیں ؎

آگیا عین لڑائی میں اگر وقتِ نماز
قبلہ رُو ہو کے زمیں بوس ہوئی قومِ حجاز

حضراتِ محترم! اس قسم کے سینکڑوں واقعات کتب احادیث و سیر میں ہماری رہنمائی کے لیے موجود ہیں جن سے سبق حاصل کر کے ہم اپنی زندگیوں میں انقلاب برپا کر سکتے ہیں جس کے ذریعے سے ہمیں دونوں جہان کی سرخروئی حاصل ہو سکتی ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کی بارگاہِ مقدس میں دعا ہے کہ وہ ہمیں قرآن کریم کے بتائے ہوئے اصولوں پر زندگی بسر کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

وَمَا عَلَيْنَا إِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِيْنُ۔

حُبِّ رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی ۝ وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰی اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی ۝ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِنَا وَسَیِّدِ الْاَنْبِیَآءِ مُحَمَّدِنِ الْمُصْطَفٰی وَعَلٰی اٰلِهِ التُّقٰی وَصَحْبِهِ الْهُدٰی وَذُرِّیَّتِهٖ اَجْمَعِیْنَ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ اَبَدًا اَبَدًا ۝ اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ۝ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝ قُلْ اِنْ کَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِیْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ نِ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ کَسَادَهَا وَمَسٰکِنُ تَرْضَوْنَهَا اَحَبَّ اِلَیْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِیْ سَبِیْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰی یَاْتِیَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ وَاللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الْفٰسِقِیْنَ ۝ صَدَقَ اللّٰهُ مَوْلٰنَا الْعَظِیْمُ وَصَدَقَ رَسُوْلُهُ النَّبِیُّ الْکَرِیْمُ الْاَمِیْنُ

قُلْ اِنْ کَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَعَشِیْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ نِ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ کَسَادَهَا وَمَسٰکِنُ تَرْضَوْنَهَا اَحَبَّ اِلَیْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ

(اے میرے محبوب فرما دیجئے اے لوگو! تمہارے باپ، تمہارے بیٹے، تمہارے بھائی، تمہاری بیویاں، تمہارا کنبہ، تمہاری کمائی کے وہ مال جس کے نقصان کا تمہیں ڈر رہتا ہے اور تمہاری پسند کے مکان ان میں سے کوئی بھی چیز تمہیں اللہ تعالیٰ

فِیْ سَبِیْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰی یَاْتِیَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ وَاللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الْفٰسِقِیْنَ ○

اس کے رسول اور اس کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ پیاری ہو تو انتظار کرو کہ اللہ تعالیٰ اپنا حکم لے آئے اور اللہ تعالیٰ فاسقوں کو ہدایت نہیں دیتا۔

(پ ۱۰ ع ۹ - سورۂ توبہ)

میرے محترم بزرگو اور دوستو! اس آیۂ کریمہ میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے اہلِ ایمان کے لیے دنیا و مافیہا کی ہر چیز سے بڑھ کر محبت کرنے کے لیے جو معیار قائم فرمایا ہے، وہ ہے محبتِ خدا، عشقِ مصطفیٰ، اور جہاد فی سبیل اللہ۔ ان کے مقابلہ میں فطری طور پر دُنیا کی جس چیز یا جس رشتے سے بھی انسان محبت کرنے پر مجبور ہے۔ خالقِ کائنات نے مکمل طور پر اس کی نفی فرمادی ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے، اے میرے محبوب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! دُنیا والوں پر واضح طور پر یہ اعلان فرمادیجیے کہ اے لوگو! تمہارے باپ، تمہارے بیٹے، تمہارے بھائی، تمہاری بیویاں، تمہارے قریبی رشتہ دار اور کنبے والے اور تمہارا وہ مال جس کے نقصان و زیاں سے تم ڈرتے ہو اور تمہارے پسندیدہ مکانات اگر تمہیں اللہ تبارک تعالیٰ اور اس کے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ پیارے ہیں، تو اللہ تبارک تعالیٰ کے عذاب و عتاب کا انتظار کرو۔

اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتے ہیں: "میرا پسندیدہ دین اسلام ہے"۔ یہی وجہ ہے کہ دینِ اسلام تمام ادیانِ عالم پر ہر لحاظ سے فوقیت رکھتا ہے۔

اسلام کے تمام قوانین و ضوابطِ فطرت کے عین مطابق ہیں۔ اسلام میں ایک بھی قانون ایسا نہیں جسے عقلِ سلیم تسلیم کرنے سے انکار کرسکے۔

جس آیتِ کریمہ کا مفہوم میں نے پیش کیا ہے اس میں یہ نہیں فرمایا گیا کہ تم اپنے والدین سے محبت کرنا چھوڑ دو اور یہ بھی نہیں فرمایا کہ تم اپنے بہن بھائیوں، بیوی بچوں اور عزیز و اقارب کی محبت

ے دستبردار ہو جاؤ، حتیٰ کہ یہ بھی نہیں فرمایا کہ تم اپنے مال و دولت اور مکانات وغیرہ سے محبت کرنا چھوڑ دو بلکہ فرمایا کہ جن سب چیزوں سے تمہیں محبت ہے، ان سے محبت رکھو، مگر اس محبت کو اس قدر نہ بڑھاؤ کہ یہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی محبت پر غالب آجائے، تم دنیاوی رشتوں اور اپنے اموال سے محبت کرو، مگر آمنہ کے لال حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کو اس پر غالب کر کے رکھو۔

حضور تاجدارِ انبیاء احمد مجتبےٰ، شبِ اسریٰ کے دولہا، حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے مومن ہونے کا معیار ہی یہ رکھا ہے کہ دُنیا کی ہر چیز پر آپ کی محبت غالب ہو۔

آپ فرماتے ہیں: تم میں سے کوئی شخص بھی اس وقت تک ایمان دار نہیں ہو سکتا جب تک اس کے دل میں ہماری محبت اس کے والدین اس کی اولاد حتیٰ کہ تمام کائنات سے زیادہ نہ ہو۔

لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی اَکُوْنَ	(تم میں سے کوئی مومن نہیں ہوگا، جب تک کہ
اَحَبَّ اِلَیْہِ مِنْ وَّالِدِہٖ وَوَلَدِہٖ	میں اس کے نزدیک اس کے والدین اس کی
وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ ۔ (بخاری جلد اول)	اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں)

جناب حفیظ جالندھری اس حدیث مبارکہ کا مفہوم اپنے الفاظ میں اس طرح ادا کرتے ہیں ؎

محمدؐ کی محبت دینِ حق کی شرطِ اوّل ہے
اسی میں ہو اگر خامی تو ایماں نامکمل ہے
محمدؐ کی غلامی ہے سَنَد آزاد ہونے کی
خدا کے دامنِ توحید میں آباد ہونے کی

شاعر نے بات تو بڑے پتے کی کہی ہے، مگر سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق بات کچھ اور آگے بڑھے گی۔ شاعر کہتا ہے کہ محبت مصطفےٰ میں اگر ناپختگی اور خامی ہے تو ایمان مکمل نہیں ہوتا، جبکہ حضور سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان مبارک ہے کہ اگر ہماری محبت و عقیدت میں کوئی کوتاہی اور خامی رہ گئی تو تمہارے ایمان کا ہی بیخ کنی ہو جائے گا۔

محترم بزرگو اور دوستو! ہمیشہ یاد رکھو کہ کوئی شخص خواہ کتنا ہی عابد و زاہد کتنے ہی مجاہدے اور ریاضتیں کرتا ہو، جب تک اس کے دل میں مدینہ کے تاجدار احمد مختار محمد عربی علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی محبت دنیا کی ہر چیز سے زیادہ نہیں ہوگی، اس کی ہر عبادت ریاضت اور زہد و اتقاء بے کار محض ہے۔

ایسی نمازیں جو بغیر عشقِ مصطفےٰ کے ادا کی جائیں، غلیظ کپڑوں میں لپیٹ کر منہ پر ماری جائیں گی، اس لیے کہ ایسی نمازیں عبادتِ خداوندی کا حق کبھی ادا نہیں کرسکتیں۔ نماز تو وہ ہے جو محبتِ محبوب میں مستغرق ہوکر محبوبِ پاک کی مقدس و متبرک ادا سمجھ کر ادا کی جائے۔

اگر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت دل میں نہیں ہوگی، تو ان کی ادا کے ساتھ کیسے محبت کی جائے گی، نتیجہ یہ نکلا کہ وہ نماز جس میں محبتِ مصطفےٰ علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی نورانیت جلوہ گر نہ ہو، نماز کہلانے کی مستحق ہی نہیں، بلکہ سراسر ریاکاری، دکھلاوا اور دوسرے لوگوں کو دھوکہ دینے کے علاوہ اپنے آپ کو بھی دھوکہ دینے کے مترادف ہے۔ اسی قسم کی نمازوں کے متعلق خداوند قدوس جل مجدہ الکریم قرآن مجید فرقان حمید میں ارشاد فرماتے ہیں،

فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّينَ الَّذِينَ هُمْ عَن صَلَاتِهِمْ سَاهُونَ خرابی ہے ان نمازیوں کیلئے جو اپنی نماز سے بے خبر ہیں

حضرات محترم! حضورِ اقدس علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا ارشادِ گرامی ہے اَلصَّلٰوۃُ مِعْرَاجُ الْمُؤْمِنِیْنَ یعنی نماز مومن کی معراج ہے۔ بلاشک و ریب خدا کے پیارے محبوب دانائے کلِ غیوب حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمانِ مقدس کے مطابق نماز مومن کی معراج ہے۔ نماز ہی وہ شاہراہِ عظیم ہے جو مومن کی معراج اور مقامِ عروج ہے۔ نماز ہی وہ عظیم نعمت ہے جو عابد و معبود کے درمیان واسطے اور وسیلے کی حیثیت رکھتی ہے۔ نماز ہی وہ مخصوص عبادت ہے جس سے انسان اپنے خالق و مالک کی معرفت کرسکتا ہے۔ حضور فخرِ کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز کی اہمیت پر لاتعداد خطبے ارشاد فرمائے۔ قرآن مجید میں اللہ تبارک و تعالیٰ جل مجدہ الکریم نے نماز کے بارے میں نہ صرف تاکید اور تاکیدِ مزید ہی تک معاملہ رکھا، بلکہ مسلسل کئی بار ارشاد

فرمایا کہ نماز قائم کرو، یعنی نماز پڑھو۔

ایک گروہ نے یُقِیمُونَ الصَّلٰوۃَ کا مطلب یہ بھی مقرر کر رکھا ہے کہ چونکہ اللہ تعالیٰ نے نماز قائم کرنے کا حکم فرمایا ہے، اس لیے ہم نے نماز کو ایک ہی بار اچھی طرح قائم کرلیا ہے، تاکہ روز روز کے نماز پڑھنے کا جھنجھٹ ہی ختم ہو جائے۔

گھوٹ گھوٹ پیتیاں تےسب نال گلاں کیتیاں

وہ کہتے ہیں ہماری یہ نماز ایسی نہیں جو مولویوں کی طرح سارا دن ٹوٹتی رہے اور سارا دن مسجد کو ہی دوڑتے رہیں۔

ہم ایسی نماز پڑھنے کے قائل نہیں، بلکہ درویش دی ہر ویلے نماز ہندی اے"

ایسے کلمات عموماً آپ نے جہلا، پیروں سے سُنے ہوں گے، تارکِ نماز ہوتے ہوتے ولایت کا دعویٰ کرتے، اپنی غیر شرعی باتوں کو حقیقت و معرفت کہتے ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ کہاں کی معرفت اور کہاں کی حقیقت ہے جو ترکِ نماز کا درس دیتی ہے۔ امام الاولیاء جناب علی المرتضےٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو کہ سرچشمہ ولایت ہیں، منبع معرفت و حقیقت ہیں، ان کی ایک نماز قضا ہو گئی تھی، تو ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے تھے، مگر یہ لوگ عمر بھر میں ایک نماز بھی نہیں پڑھتے، پھر بھی حقیقت و معرفت کے دعویدار ہیں، "رنگڑی تے پیتی نہ نیتی نہ قضا کیتی"
دعا کریں کہ خداوند تعالیٰ مسلمانوں کو ان لوگوں کے شر سے محفوظ رکھے۔

بات یہ ہو رہی تھی کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے قرآن مجید میں نماز کے متعلق اس قدر شدید تاکید فرمائی ہے کہ ایک ہی بات کو کئی دفعہ دہرایا گیا، حالانکہ اللہ تبارک و تعالیٰ جل مجدہٗ الکریم کا ایک ہی مرتبہ بھی کسی امر کے متعلق ارشاد فرما دینا ابدالآباد تک کے لیے کافی ہے۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ نماز نہایت ہی اہم چیز اور دین کا بنیادی رکن ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے، مومن اور کافر کے مابین اگر کوئی چیز فرق کرتی ہے، تو وہ نماز ہے۔

میرے محترم بزرگو! اگر نماز کی اہمیت کے بارے میں وضاحت کی جائے، تو پوری زندگی صرف کر دینے کے باوجود بھی نماز کی عظمت و رفعت اور رموز و اسرار کے بحر بے کراں سے ایک قطرہ بھی بیان نہیں کیا جا سکتا۔ سبحان اللہ! کیا شان ہے نماز کی، جو طالب و مطلوب کی ملاقات کا واسطہ، عابد و معبود کے تقرب کا وسیلہ، ساجد و مسجود کی گفتگو کا ذریعہ اور معرفتِ الٰہیہ کے حصول کا پہلا زینہ ہے۔

مگر قربان جائیں اس محبوبِ پاک کی شان و عظمت پر، جس کی نیند پر اس کی نماز قربان ہو رہی ہے جس نے پوری زندگی میں ایک بھی نماز قضا نہیں کی۔

حضرات محترم! صرف حیدرِ کرار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نماز کی بات ہی نہیں، بلکہ یہ امر منصوص بالنص ہے کہ ـــ یہ ٹھیک ہے کہ نماز مومن کی معراج ہے، یہ درست ہے کہ نماز خالق و مخلوق کے درمیان رابطے کا عظیم ترین ذریعہ ہے، مگر یاد رکھو اگر تمہیں نماز پڑھتے وقت محبوبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا بلاوا آ جائے تو فوراً نماز توڑ دو اور دربارِ محبوب میں حاضر ہو جاؤ۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اگرچہ لذتِ سجود بھی زبردست اہمیت کی حامل ہے، مگر زیارتِ محبوب کا درجہ اس سے بلند تر ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کی اطاعت کا حق بھی جبھی ادا ہو سکتا ہے جبکہ پورے خلوص کے ساتھ اطاعتِ رسول کا فریضہ ادا کیا جائے۔ اس لیے کہ اطاعتِ مصطفیٰ ہی حقیقت میں اطاعتِ خدا ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ خود ارشاد فرماتے ہیں، مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ اطاعتِ رسول کا حق کس طرح ادا کیا جا سکتا ہے۔ کچھ لوگوں کا یہ وطیرہ ہے کہ اطاعتِ مصطفوی کا ڈھنڈورا بھی پیٹتے رہتے ہیں اور شانِ مصطفیٰ میں تنقیص کے پہلو بھی تلاش کرتے رہتے ہیں۔ بلبع ہو کر مطاع پر نکتہ چینی اور محب بن کر محبوب میں خامیاں نکالنا نہ تو حق اطاعت ادا کرنے میں مدد دے سکتا ہے اور نہ ہی محبت کے تقاضوں کو پورا کرتا ہے۔

محب اگر محبوب کی خامیاں تلاش کرے گا تو محبت کی موت واقع ہو جائے گی۔ حقیقت یہ ہے

کہ محبوب پر نکتہ چینی کرنے والا شخص ہرگز محب نہیں ہو سکتا، بلکہ وہ پکا منافق اور بددیانت ہے اس کا دعویٰ محبت قطعی طور پر غلط اور فریب کاری ہے۔

عزیزانِ گرامی! محبت کوئی بازاری جنس نہیں، جسے جب چاہا خرید لیا اور جب چاہا فروخت کر دیا، محبت تو ایک لازوال اور غیر فانی جذبہ ہے جس میں تغیراتِ زمانہ کسی بھی صورت میں حائل نہیں ہو سکتے۔

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا محبت ہمیشہ ایک ہی مقام پر قائم رہتی ہے یا گھٹتی بڑھتی بھی ہے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ ہاں محبت گھٹتی بھی ہے اور بڑھتی بھی ہے اور یہ اس وقت ہوتا ہے، جب محبوب کو دیکھنے والی نظر کا معیار بدل جائے۔

اگر قلب و نظر میں محبوب کی جلوہ آفرینیاں بڑھتی جائیں گی، تو محبت میں مسلسل اضافہ ہوگا اور اگر دل و نگاہ کی دنیا ان تابانیوں کو سمیٹنے کے قابل نہیں ہوں گی تو نتیجہ اس کے برعکس ہوگا، یعنی محبت کم ہوتی جائے گی جو شخص محبوب کے زیادہ سے زیادہ کمالات کا معترف ہوگا، اس کی محبت میں اضافہ ہوگا اور وہ مسلسل محبوب کے قریب تر بھی ہوتا جائے گا۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ، اور دیگر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین پر محبوب کے حسن و جمال کے مظاہر اور محبوب کے کمالاتِ رسالت جس قدر زیادہ ظاہر ہوتے گئے، اسی قدر ان کی محبت ترقی کرتی گئی، اسی قدر وہ محبوب کے قریب تر ہوتے گئے۔

اور وہ لوگ جو حسنِ محبوب اور کمالاتِ نبوت کو دیکھنے کی صلاحیت نہیں رکھتے، وہ یا تو ابو جہل کی طرح قریب آنے سے ہی گریزاں رہے اور یا عبداللہ بن ابیّ کی طرح قریب ہونے کے باوجود دُور سے دُور تر ہو گئے۔

عزیزانِ گرامی! مختصر یہ ہے کہ محبت اعتراف کا تقاضا کرتی ہے اعتراض کا نہیں۔

محبت دل نشینی مانگتی ہے، نکتہ چینی نہیں۔

محبت حضوری چاہتی ہے، دُوری نہیں۔

محبت حال طلب کرتی ہے، قال نہیں۔

دُعا کریں کہ اللہ تبارک و تعالیٰ ہمیں اس محبوب پاک کی سچی اور پکی محبت عطا فرمائے جس سے وہ خود بھی محبت کرتا ہے۔ مخلوق کی بات چھوڑیئے، خود خالقِ کائنات نے اپنے محبوب سے اپنی محبت کا معیار یہ قائم فرمایا کہ اے لوگو! اگر تم مجھ سے محبت کرنا چاہتے ہو تو میرے محبوب کی اطاعت کرو۔ تم میرے محبوب کی اطاعت کرو گے، تو نہ صرف یہ کہ تم نے مجھ سے محبت کرنے کی دلیل پیش کر دی، بلکہ میں خود بھی تم سے محبت کروں، گویا میرے محبوب کو اپنا محبوب بنا کر تم بھی میرے محبوب بن جاؤ گے۔ قرآن مجید میں ارشادِ خداوندی ہے:

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ	(اے محبوب! فرما دیجیے، اے لوگو! اگر تم
فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ ۔	اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو میری اتباع کرو،
(پ ۳ - ع ۱۲)	(پھر) اللہ تعالیٰ بھی تم سے محبت کرے گا)

یہی نہیں بلکہ خداوندِ قدوس اپنے محبوب سے اپنی محبت کو "من تو شدم تو من شدی" کی مثال بنا کر یوں پیش فرماتے ہیں کہ محبوب جس نے تمہاری بیعت کی، اس نے ہماری بیعت کی۔ اور لوگوں سے فرمایا جس نے میرے محبوب کے احکام کی تعمیل کی، حقیقت میں اس نے میرے ہی حکم کو مانا ہے۔

اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ	(وہ جو تمہاری بیعت کرتے ہیں، وہ اللہ کی بیعت کرتے ہیں۔
مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ	جس نے رسول اللہ کا حکم
اَطَاعَ اللّٰهَ (پ ۵ - ع ۸)	مانا، بے شک اُس نے اللہ تعالیٰ کا حکم مانا)

شفا شریف میں قاضی عیاض مالکی رحمۃ اللہ علیہ ایک حدیث قدسی نقل فرماتے ہیں جس میں اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے محبوب کو ارشاد فرماتے ہیں۔ محبوب! ہم آپ کے ذکر کو بھی اپنا ہی ذکر سمجھتے ہیں، چنانچہ جو شخص آپ کا ذکر کرتا ہے، درحقیقت وہ میرا ہی ذکر کرتا ہے۔

جَعَلْتُكَ ذِكْرًا مِّنْ ذِكْرِيْ فَمَنْ ذَكَرَكَ	(اے محبوب! میں نے تمہارے ذکر کو اپنا ذکر بنایا
ذَكَرَنِيْ ۔ (شفا شریف ج ۱ ص ۱۲)	سو جس نے آپ کا ذکر کیا، اس نے میرا ذکر کیا۔)

ان آیات و آثار سے صاف طور پر پتہ چل جاتا ہے کہ محبت کے وہ کونسے تقاضے ہیں جن کو پورا کیے بغیر حق محبت ادا نہیں ہو سکتا۔ اللہ تبارک و تعالیٰ جل مجدہٗ الکریم لا یحتاج ہونے کے باوجود اپنے محبوب پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اپنی محبت کو ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں،

مجھ سے محبت کرنا ہے تو میرے محبوب کی اطاعت کرو۔

میرے محبوب کا ذکر میرا ذکر اور میرے محبوب کی بیعت میری بیعت ہے۔

حضراتِ گرامی! خدا تعالیٰ کے اس اندازِ محبت کو سامنے رکھتے ہوئے ہمیں غور کرنا چاہیئے کہ جس مقدس ہستی سے اللہ تبارک و تعالیٰ اور تمام جہانوں کے خالق و مالک کی محبت کا یہ عالم ہے اس کی محبت کا حق ہمیں کس طرح ادا کرنا چاہیئے۔

ظاہر ہے کہ خدا کے محبوب کی خامیاں تلاش کرنے سے تو حقِ محبت ہرگز ادا نہیں ہوسکے گا۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی محبت جزوِ ایمان نہیں، بلکہ اصل ایمان اور جانِ ایمان ہے سے

مغزِ قرآں، رُوحِ ایماں جانِ دیں
ہست حُبِّ رحمۃ اللعالمیں

سرکارِ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ فرماتے ہیں سے

اللہ کی سر تا بقدم شان ہیں یہ!
ان سا نہیں انسان، وہ انسان ہیں یہ
قرآں تو بتاتا ہے۔ ایماں ان کو
ایمان یہ کہتا ہے میری جان ہیں یہ

محترم بزرگو اور دوستو! یہ تو پتہ چل گیا کہ حضور سرورِ کائنات فخرِ موجودات تاجدارِ مدینہ سرورِ سینہ، احمدِ مجتبےٰ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت پر ہی مومن ہونے کا دارومدار ہے اگر محبت میں زبردستی نہیں ہو سکتی، اس لیے کہ محبت کی نہیں جاتی، ہوجاتی ہے، لیکن خداوند تعالیٰ چاہے ... کہ میرے محبوب سے محبت کرو، اب سوال یہ پیدا ہوگا کہ خدا تعالیٰ

نے جس مقدس ہستی سے محبت کرنے کا حکم فرمایا ہے، اس میں وہ شان محبوبیت موجود ہے یا نہیں جس کی طرف محبت کی دنیا خود بخود کھنچی چلی جائے، اور دل اس کے دام نظر میں خود بخود گرفتار رہنے لگیں تو اس کا جواب ہے کہ ہاں! خدا تعالیٰ نے اتنا بڑا اعلان فرمانے سے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان تمام ترخوبیوں سے آراستہ و پیراستہ کر کے دنیا میں بھیجا ہے جن پر محبت فدا ہو سکتی ہے۔
حضرت محسن کاکوروی فرماتے ہیں ؎

بہت پُر زور تھا خامہ اگرچہ دستِ قدرت کا
نہ تھا آسان، لیکن کھینچنا محبوب کا نقشہ
مٹا ڈالیں بنا کر صورتیں آدم سے تا عیسےٰ!
تب آیا راست نقشہ کلکِ قدرت سے تیرے قد کا

شاعر نے یہاں ایک انتہائی لطیفہ بیان فرمایا ہے کہ محبوب کی تصویر بنانے کے سلسلے میں قلمِ قدرت نے جن تصاویر کے خاکے ترتیب دے کر چھوڑ دیے، انہیں بھی خلعتِ پیغمبری اور تاجِ نبوت سے سرفراز فرما دیا، اس لیے کہ وہ تصویریں محبوب کی تصویر کے تصور سے منصۂ شہود پر آئی ہیں۔

عزیزانِ من! یہ درست ہے کہ خود بخود محبت صرف اسی سے ہو سکتی ہے جو حُسن و خوبی کا دلنشیں مرقع ہو۔ محبت حُسن کی متلاشی ہے، جہاں حُسن ہوگا، وہاں محبت ہوگی، بغیر حُسن کے محبت ہو ہی نہیں سکتی، مگر سب لوگوں کے لیے معیارِ حُسن ایک جیسا نہیں، بعض کا خیال ہے جیسا کہ کسی شاعر نے کہا ہے ؎

سیرت کے ہم غلام ہیں، صورت ہوئی تو کیا
سُرخ و سفید مٹی کی مورت ہوئی تو کیا

اور میرے محبوب کریم کی سیرت کو قرآن مجید اسوۂ حسنہ کے نام سے یاد کرتا ہے۔
بعض کے نزدیک حُسن کا معیار خوبصورت چہرہ ہے۔

میرے محبوب کے رُخِ منور کو قرآن، والشمس، والضحیٰ کے نام سے یاد کرتا ہے۔

بعض کے نزدیک حُسن کا معیار اعلیٰ اخلاق اور اچھا کردار ہے۔

محبوب کبریا کے اخلاق کریمہ کو ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا خلقہ القرآن سے موسوم کرتی ہیں۔

بعض کے نزدیک حُسن، شجاعت و جوانمردی ہے۔

میرے محبوب اشجع الناس کے نام سے یاد کیے جاتے ہیں۔

بعض کے نزدیک حُسن فصاحت و بلاغت ہے۔

میرا محبوب افصح الناس اور منبعِ بلاغت ہے۔

بعض کے نزدیک "حُسن" چہرے کی ملاحت و صباحت ہے۔

میرے محبوب کا حسن ملاحت و صباحت کا حسین امتزاج ہے، آپ ملیح بھی ہیں اور صبیح بھی۔

الغرض دُنیا و جہان کی ایسی کوئی چیز جسے حُسن و خوبی کے نام سے تعبیر کیا جا سکتا ہے پیدا ہی نہیں کی گئی، جو محبوب کبریا علیہ الصلوٰۃ والسلام میں موجود نہ ہو۔ حتیٰ کہ تمام انبیاء و مرسلین کے مقدس طائفہ کو بھی جو محاسن عطا کیے گئے۔ میرے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں ان تمام کو بیک وقت جمع فرما دیا گیا ؎

حُسنِ یوسف دمِ عیسےٰ یدِ بیضا داری
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

شاعر اہلِ سنت جناب صائم چشتی فرماتے ہیں ؎

ماہی میرا سب توں سوہنا زلفاں چھلے ای چھلے
لوکی لبھدے سب توں اوہنوں لب سنہرے گھلے
شاناں اس دیاں سب توں اچیاں بُتے بُتے بُتے
صائم سوہنے ہور دی ہوسن پراس توں تھلے ای تھلے

میرے محبوب کریم کی جلوہ آفرینیوں کا اندازہ کون کر سکتا ہے؛

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، فرماتے ہیں،

مَا رَأَیْتُ شَیْئًا اَحْسَنَ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَاَنَّ الشَّمْسَ تَجْرِیْ فِیْ وَجْھِہٖ۔ (مشکوٰۃ ص۵۱۷)

(میں نے کوئی چیز بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ حسین وجمیل نہیں دیکھی) گویا کہ آپ کے چہرے میں گردش کر رہا ہے۔

حضرت یوسف علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے حُسن وصباحت کا یہ عالم تھا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ جل مجدہٗ الکریم نے ان کی داستانِ حیات کو بھی قرآن مجید میں احسن القصص کے نام سے یاد فرمایا۔ کیوں نہ ہوتا اللہ تعالیٰ نے انہیں بنایا ہی مرقعِ حسن وجمال تھا۔" ان کے حسنِ تابدار کا یہ معمولی کرشمہ نہیں کہ جب زنانِ مصر نے آپ کے جمالِ جہاں آرا کا بے نقاب مشاہدہ کیا تو پھل کاٹتے وقت انہوں نے اپنے ہی ہاتھوں پر چھریاں چلادیں۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا؛ وَقَطَّعْنَ اَیْدِیَھُنَّ (اور انہوں نے اپنے ہاتھ کاٹ ڈالے)

مگر تاجدار انبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حسن وصباحت پر تو حسنِ یوسف بھی فدا ہے۔

جناب یوسف علیہ السلام کا حسنِ عالمتاب تو میرے محبوب کے جمالِ دل نشین کے بحرِ بیکراں کا ایک قطرہ ہے۔

زنانِ مصر کا حسنِ یوسف علیہ السلام کی رعنائیوں میں گم ہو کر اپنی انگلیاں کاٹ لینا بڑی بات ہے، مگر میرے محبوب کے چہرے پر غیرتِ الٰہیہ کے ستر ہزار پردے ہونے کے باوجود بھی جلوہ آفرینیوں کا یہ عالم تھا ؎

حسنِ یوسف پہ کٹیں مصر میں انگشتِ زناں،
سر کٹاتے ہیں تیرے نام پہ مردانِ عرب

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین جب آپ کے رُخِ انور کی تجلیات سے بہرہ اندوز ہوتے، تو دیوانہ وار جنگ کی بھڑکتی ہوئی آگ کے شعلوں میں کود پڑتے۔

یہ حسنِ مصطفائی کا کمال ہی تو تھا کہ ایک صحابی کے بازو پر دشمنوں نے وار کیا، تو ان کا بازو شانے سے الگ لٹکنے لگا۔ محبوب پاک سامنے تھے۔ تکلیف کا احساس ہوا تو اپنے لٹکے ہوئے بازو کو اپنے ہی پاؤں تلے دبا کر کھینچ کر جسم سے الگ کر دیا اور پھر مصروفِ جہاد ہو گیا۔

محبوب کی جلوہ ریزیوں میں گم ہونے کا ہی نتیجہ تھا کہ حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ باہر نکلی ہوئی آنکھ کو بغیر کسی اضطراب کے ہاتھوں پر رکھے ہوئے بارگاہ بیکس پناہ میں حاضر ہو گئے۔

بلا شک وزیب حُسنِ یوسف کا یہ بڑا کمال تھا کہ آپ کو بے نقاب دیکھ کر مصر کی عورتوں نے اپنی انگلیاں کاٹ لیں، مگر محبوبِ پاک کے جلوؤں کا تو یہ عالم ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام جیسے حسین بھی آپ کے رخِ انور کی تجلیات میں خود کو گم کر دینے میں ہی عافیت سمجھتے ہیں۔ مولانا حسن رضا خاں نے کیا خوب کہا ہے ؎

ایسا تجھے خالق نے طرحدار بنایا
یوسف کو تیرا طالبِ دیدار بنایا!

یوسف علیہ السلام کی بات ہی کیا، خود خالقِ کائنات جل مجدہٗ الکریم حسین محبوب کا طالب ہے ؎

واہ کیا حُسن ہے اے سیدِ ابرار تمہارا
اللہ بھی ہے خود طالبِ دیدار تمہارا

آپ کے حُسن وجمال کا تذکرہ جو بھی کرے گا، اُسے بالآخر یہی کہنا پڑے گا،

لَمْ اَرَ قَبْلَهٗ وَلَا بَعْدَهٗ مِثْلَهٗ۔ (یعنی ایسا حسین وجمیل آپ سے پہلے کبھی دیکھا اور نہ اس کے بعد)

(مشکوٰۃ ص۵۱۷)

حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حُسن وجمال کی طلعت باریوں کے متعلق پوچھا گیا، تو محبوبِ انور کو مخاطب کر کے عرض کیا ؎

وَاَحْسَنُ مِنْكَ لَمْ تَرَ قَطُّ عَيْنِيْ
وَاَجْمَلُ مِنْكَ لَمْ تَلِدِ النِّسَاءُ

خُلِقْتَ مُبَرَّءً مِّنْ كُلِّ عَيْبٍ ؎
كَاَنَّكَ قَدْ خُلِقْتَ كَمَا تَشَاءُ

(میرے محبوب! میری آنکھ نے آپ جیسا حسین کبھی دیکھا ہی نہیں، اور صرف میری آنکھ کے دیکھنے پر ہی موقوف نہیں، آپ جیسا حسین وجمیل کسی ماں نے جنا ہی نہیں۔)

(یارسول اللہ) آپ کو ہر عیب سے پاک پیدا فرمایا گیا ہے، گویا جیسا کہ آپ نے چاہا ویسا ہی پیدا فرمایا)

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی بتقلیدِ حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کرتے ہوئے بارگاہِ محبوب میں عرض کرتے ہیں،

لَمْ يَاتِ نَظِيْرُكَ فِيْ نَظَرٍ مثلِ تو نہ شد پیدا جاناں

حُسنِ محبوب کی تعریف کا حق کیسے ادا کیا جا سکتا ہے، جبکہ آپ مظہرِ ذات وصفاتِ خداوندی ہیں، آپ کے جلوے خدا کے جلوے، آپ کی ادائیں خدا کی ادائیں۔
اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ بھی تو فرماتے ہیں ؎

وہی ہے اوّل، وہی ہے آخر، وہی ہے ظاہر وہی ہے باطن
اسی کے جلوے اسی سے ملنے اسی سے اس کی طرف گئے تھے

اعلیٰ حضرت عظیم البرکت کا یہ شعر کسی مبالغہ پر مبنی نہیں، بلکہ خود تاجدارِ انبیاء کا ارشاد ہے،
مَنْ رَاٰنِیْ فَقَدْ رَاَی الْحَقَّ (جس نے میری زیارت کی، اس نے حق ہی کو دیکھا)
مولانا حسن بریلوی نے کیا خوب کہا ہے ؎

دیکھنے والے کہا کرتے ہیں اللہ اللہ
یاد آتا ہے خدا دیکھ کے صورت تیری

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں، ایک مرتبہ چاند کی چودہ تاریخ تھی، چاند پورے شباب کے ساتھ چمک دمک رہا تھا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سرخ رنگ کا دھاری دار

لباس زیب تن فرمائے محوِ استراحت تھے، میں کبھی آسمان کی طرف دیکھتا اور کبھی مدینے کے چاند کے رُخِ انور کو دیکھتا اور موازنہ کرتا، آخر یہ کہنے پر مجبور ہونا پڑا۔

فَاِذَا هُوَ اَحْسَنُ عِنْدِیْ مِنَ الْقَمَرِ۔ (مشکوٰۃ۔ ص ۵۱۸) (میرے نزدیک حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم چاند سے بھی زیادہ حسین ہیں)

اسی لیے کسی عاشق نے یوں کہا ہے ؎

چاند سے تشبیہ دینا یہ کہاں انصاف ہے
اس کے مُنہ پر داغ ہے احمد کا چہرہ صاف ہے

سرکارِ اعلیٰ حضرت عظیم البرکت رحمۃ اللہ علیہ اس مقام کی یوں وضاحت فرماتے ہیں ؎

ہے جو مہر و ماہ پہ اطلاق آتا نور کا
بھیک تیرے نام کی ہے استعارہ نور کا

حقیقت یہ ہے کہ آپ کا حسن و جمال لوگوں پر ظاہر ہی نہیں فرمایا گیا تھا، ورنہ کس کی تاب و طاقت تھی کہ جمالِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے جمالِ جہاں آرا کے نظاروں کی تاب لا سکتا ؎

اک جھلک دیکھنے کی تاب نہیں عالم کو
وہ اگر جلوہ کریں کون تماشائی ہو!

حضرت شاہ عبدالرحیم محدث دہلوی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ خواب میں حضور اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دیدار سے مشرف ہوا اور عرض کی کہ اے آقا! یوسف علیہ السلام کا حسن و جمال دیکھ کر مصری عورتوں نے ہاتھ کاٹ لیے تھے، مگر آپ کو دیکھ کر کسی کی حالت ایسی نہیں ہوئی۔

فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَمَالِیْ مَسْتُوْرٌ عَنْ اَعْيُنِ النَّاسِ غَيْرَةً مِّنَ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ وَلَوْ ظَهَرَ لَفَعَلَ النَّاسُ اَكْثَرَ مِمَّا فَعَلُوْا حِيْنَ رَاَی يُوْسُفَ۔ (تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرا جمال لوگوں کی آنکھوں سے اللہ تعالیٰ نے غیرت کی وجہ سے چھپا رکھا ہے، اگر وہ ظاہر ہو جاتے تو لوگوں کی حالت اس سے بھی زیادہ ہوتی

جیسا کہ یوسف علیہ السلام کو دیکھ کر ہوتی تھی)

(الدر ثمین فی مبشرات النبی الامین ص ۲۷)

یعنی فرمایا کہ میں خالقِ دو جہاں رب العالمین کا محبوب ہوں اور محب کی غیرت کا یہ تقاضا ہے کہ اس کے محبوب کو اس کے سوا کوئی نہ دیکھے۔ بایں ہمہ محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جلووں کا یہ عالم تھا کہ جو بھی ایک مرتبہ آپ کی زیارت کر لیتا، وہ یا تو تیغ ناز کا شہید ہو کر ابدی زندگی حاصل کر لیتا اور یا آپ پر نثار ہو کر حیاتِ دوام کا مالک بن جاتا۔ جبکہ حسنِ یوسف دیکھنے والی عورتیں نہ تو شہادت کے مرتبہ پر فائز ہو سکیں اور نہ ہی دوبارہ اپنی زندگیاں نثار کر سکیں۔

ہاں تو میں عرض کر رہا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو سب سے زیادہ حسین و جمیل بنایا اور آپ کا چہرۂ انور چاند سے بھی زیادہ خوبصورت بنایا۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَزْهَرَ اللَّوْنِ كَانَ عَرَقُهُ اللُّؤْلُؤُ۔ (مسلم ج ۲ ص ۲۵۷)

(رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا رنگ سفید اور روشن تھا اور پسینے کا قطرہ آپ کے رُخِ اقدس پر اس طرح معلوم ہوتا تھا جیسے موتی چمک رہا ہو)

جناب ام سلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہا جو حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی والدہ مکرمہ تھیں نہایت نیک سیرت اور خوش نصیب بی بی تھیں۔ حضور سرورِ کائنات علیہ التحیۃ والتسلیم کبھی کبھی ان کے گھر میں دوپہر کے وقت استراحت فرمایا کرتے تھے۔ چمڑے کا بستر ہونے کی وجہ سے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو کثرت سے پسینہ آیا کرتا تھا، چنانچہ حضرت ام سلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہا آپ کے مقدس پسینہ کے قطراتِ مبارکہ کو نہایت احتیاط اور حفاظت سے جمع کیا کرتیں۔ حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حسنِ ذوق کو ملاحظہ فرما کر ارشاد فرمایا، اے ام سلیم اس پسینہ کا کیا کرو گی؟ تو انہوں نے عرض کیا،

عَرَقُكَ نَجْعَلُهُ فِي طِيْبِنَا وَهُوَ مِنْ أَطْيَبِ الطِّيْبِ۔ (مشکوٰۃ ص ۵۱۱)

آپ کا پسینہ مبارک ہے، اس کو ہم عطر میں ملا لیں گے اور یہ تو سب عطروں سے بڑھ کر عطر ہے۔

ایسی خوشبو نہیں ہے، کسی پھول میں!
جیسی میرے نبی کے پسینے میں ہے

بلکہ محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم جس راستے سے گزر جاتے تھے، اُدھر سے خوشبوؤں کے جھلّے آیا کرتے تھے ؎

ان کی مہک نے دل کے غنچے کھلا دیے ہیں
جس راہ چل دیے ہیں کوچے بسا دیے ہیں

حضرت عتبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، جنہوں نے حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ، کے دور میں موصل فتح کیا تھا۔ ان کی زوجہ محترمہ حضرت ام عاصم رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ عتبہ کی چار بیویاں تھیں، لہٰذا ہم میں سے ہر ایک کی یہ خواہش ہوتی تھی کہ دوسری بیوی سے زیادہ خوشبودار رہنے کی کوشش کی جائے، اس کے باوجود جو فرحت بار خوشبو حضرت عتبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جسم سے آتی تھی اور جب وہ لوگوں میں بیٹھتے تو لوگ کہتے کہ ہم نے کوئی بھی ایسی خوشبو نہیں سونگھی جو عتبہ سے آنے والی خوشبو سے اچھی ہو۔

ایک دن ہم نے حضرت عتبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ان کے جسم سے آنے والی خوشبو کے متعلق سوال کیا، تو انہوں نے بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ اقدس میں میرے جسم پر آبلے اور پھنسیاں نکل آئی تھیں۔ میں نے آپ کی خدمت میں ان سے نجات حاصل کرنے کی درخواست کی تو آپ نے فرمایا اے عتبہ! کپڑے اتار دے۔ میں نے کپڑے اتار دیے اور اپنا ستر چھپا کر آپ کے سامنے بیٹھ گیا۔ پھر آپ نے اپنا لعاب دہن مبارک اپنے دستِ انور پر لیا اور میرے جسم پر مل دیا اور اس دن سے مجھ میں یہ خوشبو پیدا ہو گئی۔ (خصائص کبریٰ ج ۳ ص ۸۲)

شجاعت کا حسن

میں عرض کر رہا تھا کہ تم حسن کے جس جلوے کو دیکھنا چاہو تو وہ تمہیں ذاتِ محمدی میں بدرجہ اتم ملے گا۔ مکہ مکرمہ میں رکانہ نامی ایک مشرک پہلوان تھا۔ وہ فنِ کشتی میں اس قدر ماہر تھا کہ کبھی کسی پہلوان نے اسے شکست نہیں

دی تھی۔ اس کی ملاقات ایک روز جنگل میں محبوب دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم سے ہو گئی تو آپ سے کہنے لگا کہ تم وہ ہی ہو جو ہمارے لات و منات عزیٰ، ہبل کو برا کہتے ہو اور ایک خدا کی دعوت دیتے ہو، آؤ میرے ساتھ کشتی کرو اور تم اپنے خدا کو پکارو اور میں اپنے خداؤں کو پکارتا ہوں پھر دیکھیں گے کہ تمہارے خداؤں میں کتنی قوت ہے۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اگر یہ بات ہے تو ہمیں تمہارا چیلنج منظور ہے۔

بزرگو دوستو! بہادری اور شجاعت بھی ایک حسن ہے۔ اس پہلوان کے نزدیک بہادر اور شجاع ہونا ہی حسن کی دلیل تھی۔ اگر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اس پہلوان سے فرما دیتے کہ میں تو لوگوں کو راہِ ہدایت دکھانے کے لیے مبعوث کیا گیا ہوں، دنگل اور کشتیاں لڑنے کے لیے نہیں، کیونکہ نبی کا کام تبلیغ کرنا ہے، دنگل اور کشتیاں لڑنا نہیں ہے۔ تو کوئی بھی آپ کے اس جواب پر اعتراض نہیں کر سکتا تھا، مگر اس پہلوان کے دل میں یہ خیال ضرور آ سکتا تھا کہ آپ میں شجاعت کا حسن نہیں ہے، لیکن قربان جاؤں اس تمام محاسن کے پیکر اور تمام تر خوبیوں کے مجسمے پر جس نے بلا جھجک فرما دیا کہ مجھے خدائے یکتا کی وحدانیت کا پرچم بلند کرنے کے لیے کشتی لڑنا بھی منظور ہے، چنانچہ کشتی شروع ہوئی، امام الاشجعین نے عرب کے بہادر ترین پہلوان رکانہ کو ایک ہی جھٹکے میں نیچے گرا دیا اور اس کے سینے پر سوار ہو گئے۔ رکانہ زندگی میں پہلی بار زیر ہوا تھا، لہٰذا شرمندہ بھی ہوا اور متحیر بھی۔ اپنی شرمندگی و ندامت کو چھپانے کے لیے کہنے لگا، آپ، ذرا میرے سینے سے اُٹھیے، شاید میرے لات و عزیٰ نے میری طرف توجہ نہیں کی، اس لیے کشتی دوبارہ ہو گی، چنانچہ اسی طرح تین مرتبہ کشتی ہوئی، آپ نے تینوں مرتبہ ہی اسے زمین پر گرا دیا۔

اسی طرح ابوالاسد جمحی ایک بڑا شہ زور شخص تھا، وہ اتنی طاقت والا تھا کہ اگر وہ گائے کی کھال پر کھڑا ہو جاتا اور لوگ مل کر اس کے نیچے سے کھینچنے میں پوری قوت صرف کرتے تو کھال سمٹ جاتی تھی، مگر وہ اس کے قدموں سے نہ نکال سکتے تھے۔ ایک روز اس پہلوان نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں عرض کی کیا آپ میرے ساتھ کشتی لڑینگے ؟ اگر آپ مجھے

گرانے میں کامیاب ہوگئے، تو میں آپ کا کلمہ پڑھ لوں گا۔ چنانچہ سرورِ کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کی شرط منظور فرمالی، اور چشم زدن میں اسے زمین پر چت گرادیا، مگر اس کی شقاوت ازل نے اسے دولتِ ایمان سے سرفراز نہ ہونے دیا۔ (مدارج النبوۃ ج ۱ ص ۱۵)

جس کے آگے کھچی گردنیں جھک گئیں
اس خداداد شوکت پہ لاکھوں سلام

اخلاق کا حسن اللہ تعالیٰ جل مجدہٗ الکریم قرآن کریم میں محبوب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے حسن اخلاق کے بارے میں ارشاد فرماتا ہے۔

اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ۔ (بلاشبہ آپ بڑے ہی صاحبِ اخلاق ہیں)

تیرے خُلق کو حق نے عظیم کہا، تیری خَلق کو حق نے جمیل کیا
کوئی تجھ سا ہوا ہے نہ ہوگا شہا، تیرے خالقِ حُسن و ادا کی قسم

دیکھئے قرآن مجید میں رب تعالیٰ کا ارشادِ گرامی ہے۔

قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيْلٌ (اے محبوب کہہ دو ساری دنیا کا مال قلیل ہے۔)

مگر۔ وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا۔ (اگر تم اللہ تعالیٰ نعمتوں کو شمار کرنا چاہو، تو انہیں شمار نہیں کرسکتے۔)

بزرگو، دوستو! ساری دنیا کا مال متاع قلیل ہے، تھوڑا ہے اور ہم اس کو شمار میں نہیں لاسکتے، تو جس کے خُلق کو اللہ تعالیٰ عظیم کہے، بھلا اس کی عظمت کا کون احاطہ کرسکتا ہے ؎

کوئی تجھ سا ہوا ہے نہ ہوگا شہا
تیرے خالق حسن وادا کی قسم

محبوبۂ محبوب رب العالمین حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے ارشاد فرمایا:

كَانَ خُلُقُهُ الْقُرْاٰنُ (آپ کا خلق قرآن تھا)

یعنی محبوب دو جہاں کا خلق پوچھنے والو! میرے محبوب کا خلق قرآن ہے، اس لیے کہ قرآن کریم سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی مبارکہ کی خاموش تصویر ہے۔ قرآن قال ہے اور محبوبِ دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم اس کا حال ہیں۔ قربان جاؤں! نہ کوئی قرآنِ مقدس کی حد کو پا سکا ہے اور نہ ہی آپ کے خلقِ عظیم کا احاطہ کر سکا ہے۔ میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے ایسے خلقِ عظیم سے مزین فرمایا کہ ؎

گالیاں دیتا تھا کوئی تو دعا دیتے تھے

دشمن آ جاتے، تو کمبل بھی بچھا دیتے تھے

جنگِ احد میں آپ کے دندانِ مبارک بھی متاثر ہوئے اور آپ کا سر انور بھی شدید زخمی ہوا، حتیٰ کہ آپ کا چہرۂ انور بھی خون سے تر ہو گیا۔ آپ کو اس حال میں دیکھ کر صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے عرض کی کہ کاش آپ ان کافروں کے لیے بد دعا فرماتے تاکہ وہ اپنے کیے کی سزا پا سکیں ؎

یہ سن کر رحمۃ اللعالمیں نے ہنس کے فرمایا

کہ میں اس دہر میں قہر و غضب بن کر نہیں آیا

کسی پنجابی شاعر نے اس کی ترجمانی یوں کی ہے،

پتھر مارن والیا یارا جے میرے دل آویں

لاواں سینے نال میں تینوں سنگھا جنت جاویں

سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان ستمگروں اور اذیت پہنچانے والوں کے لیے یہ دعا فرمائی،

اَللّٰھُمَّ اھْدِ قَوْمِیْ فَاِنَّھُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ۔ (مدارج النبوت ج ا۔ ص ۳۶)

(اے اللہ! میری قوم کو ہدایت نصیب فرما، کیونکہ وہ مجھے جانتے نہیں ہیں)

ایک مرتبہ نبی کریم صاحبِ خلقِ عظیم، سید المرسلین، خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم دوپہر کے وقت ایک درخت کے نیچے آرام فرما رہے تھے کہ آپ نے بیدار ہو کر چشمِ مبارک کھولی تو

دیکھا کہ ایک اعرابی تلوار کھینچے آپ کے سرِانور کی جانب کھڑا ہے اور کہہ رہا ہے بتایئے اب آپ کو میری تلوار سے کون بچائے گا ؟ آپ نے بغیر کسی اضطراب کے پورے اطمینان وسکون کے ساتھ فرمایا؛ اللہ تعالیٰ! آپ نے "اللہ" کہا ہی تھا کہ اس کے ہاتھ سے تلوار گر گئی۔ آپ نے فوراً ہی تلوار اٹھالی اور فرمایا؛ اب تجھے اس تلوار سے کون بچائے گا؟ آپ کے اس ارشادِ گرامی سے وہ لرزنے اور کانپنے لگا، مگر رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا کہ اب تم کہہ دو "اللہ" اور اسے بالکل ہی معاف فرمادیا۔

(مدارج النبوۃ، ج ۱۔ ص ۳۸)

جدوں اکھیاں دی چمکاری، اُس اعرابی دی ڈگ تلواری
کافراں کلمہ پڑھا دینداں، احمد مختار دیاں اکھیاں

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے دس سال تاجدارِ انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کی، مگر آپ نے

فَمَا قَالَ لِیْ اُفٍّ (کبھی بھی مجھے اُف تک نہ فرمایا)

مختصر یہ کہ خصائص و کمالاتِ مصطفویہ کا احاطہ کرنا ممکن نہیں اور نہ ہی کبھی ممکن ہو سکے گا۔ خلاصۃ المقال حاصل کلام یہ ہے کہ آپ ایسی عظمت و رفعت کے حامل ہیں کہ آپ کے زہد و تقویٰ، عدل و انصاف، عفو و درگذر، تواضع و انکساری، جود و سخاوت، بہادری و شجاعت، شفقت و رحمت، حیا، عفت، خاموشی و مروت، ایفائے عہد، صلہ رحمی، خشیتِ الٰہی، صدق کلامی کی مثال نہیں مل سکتی، اس لیے کہ آپ کی مثل تو خدا نے بزرگ و برتر نے کسی کو پیدا کیا ہی نہیں بلکہ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے ارشاد فرماتے ہیں،

اَیُّکُمْ مِثْلِیْ (تم میں سے کون ہے میری مثل)

تو اب جو اس ہستیِ عظیم، رؤف و رحیم، ہادیِ کائنات، معلمِ انسانیت، رہبرِ اعظم، روحِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت و الفت نہیں رکھتا، تو وہ فی الحقیقت ان جملہ اخلاق اور صفاتِ عالیہ سے محبت نہیں رکھتا۔ خداوند قدوس جل وعلا نے اپنے محبوب کو تمام تر کمالات و محاسن

کا جامع اور جمیع بنا کر خود بھی اس سے محبت فرمائی اور اہلِ ایمان کو بھی ان سے محبت کرنے کا حکم فرمایا۔ تو آیئے۔ اس ہادیٔ دو جہاں محبوبِ یزداں صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کریں جن سے محبت کرنا جانِ ایمان اور روحِ اسلام ہے۔ اُن سے محبت کرنے کے آداب سیکھیں جو ہدایت کے درخشاں و تاباں ستارے ہیں۔

توشۂ آخرت: حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے:

اَنَّ رَجُلًا اَتَی النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مَتَی السَّاعَۃُ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ قَالَ مَا اَعْدَدْتَ لَھَا قَالَ مَا اَعْدَدْتُ لَھَا مِنْ کَثِیْرِ صَلٰوۃٍ وَلَا صَوْمٍ وَلَا صَدَقَۃٍ وَلٰکِنِّیْ اُحِبُّ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ قَالَ اَنْتَ مَعَ مَنْ اَحْبَبْتَ۔

(بخاری ص۹۱۱)

(ایک شخص نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہ قیامت کب آئے گی؟ فرمایا، تو نے قیامت کے لیے کیا سامان اکٹھا کیا ہے؟ تو اس شخص نے عرض کیا نہ بہت نمازیں، نہ بہت روزے اور نہ بہت صدقات کو توشہ بنایا ہے، لیکن مجھے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ بہت محبت ہے، تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تیرا حشر اس کے ساتھ ہوگا جس کے ساتھ تیری محبت ہے۔

بزرگو، دوستو! صحابی رسول نے بارگاہِ رسالت مآب میں عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قیامت کب آئے گی؟ اس سوال سے معلوم ہو رہا ہے کہ اس کا عقیدہ تھا کہ میرے آقا کریم حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو قیامت کے بارے میں علم ہے کہ وہ کب آئے گی اور پھر حضور انور علیہ السلام نے بھی اس حقیقت کو واضح فرما دیا کہ ہمیں تو یہ معلوم ہے کہ قیامت کب آئے گی، مگر تم نے قیامت کے لیے کیا سامان اکٹھا کر رکھا ہے، ورنہ آپ فرما دیتے کہ ہمیں کیا معلوم قیامت کب آئے گی۔

بہرحال صحابی رسول کا عقیدہ دیکھو، عرض کی، محبوب کریم صلی اللہ علیہ وسلم نہ تو مجھے اپنی عبادات، نمازوں اور روزوں پہ ناز ہے اور نہ ہی اپنے صدقات وخیرات کو سامانِ آخرت سمجھتا ہوں، مجھے تو فقط ایک ہی سہارا ہے اُحِبُّ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ کہ آپ کی اور اللہ تعالیٰ کی محبت میرے سینے میں جلوہ گر ہے۔ تو آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ جس شخص کا جس سے پیار ہوگا، وہ روزِ قیامت اسی کے ساتھ اُٹھے گا، چونکہ تمہیں مجھ سے محبت ہے اس لیے قیامت کے دن تو ہمارے ساتھ ہوگا۔

اور یہ بات قطعی ہے کہ جو شخص بھی رحمت دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہوگا، وہ یقیناً جنت میں داخل ہوگا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ حضور اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی محبت ہی جنت حاصل کرنے کا ذریعہ ہے۔ ہمارا ایمان ہے کہ قیامت کے روز ربّ کائنات کا فرشتوں کو حکم ہوگا ؎

کہہ دیو سب لوکاں تائیں پاک خدا فرما دے
جس نوں حبّ حبیب میرے دی اوہ جنت وچہ جاوے

روزِ قیامت کلمہ، نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ وغیرہ تمام عبادات اسی کی قبول ہوں گی جس کے دل میں محبتِ مصطفےٰ علیہ التحیۃ والثناء کی جلوہ گر ہوگی ؎

بے حُبِّ مصطفےٰ تو عبادت حرام ہے
زاہد تیری نماز کو تیرا سلام ہے

پھر جن لوگوں کا عقیدہ یہ ہو کہ اگر نماز میں نبی پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کا خیال آجائے تو نماز ٹوٹ جاتی ہے، وہاں محبت کا کیا کام۔ نماز تو وہ نماز ہے جو تصورِ محبوب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں گم ہو کر پڑھی جائے۔ آیئے ذرا صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی سیرت مبارکہ کے چند اوراق پلٹیں کہ ان کی نماز کیسی تھی؟

صحابہ کرام کی نماز

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ دوشنبہ کو لوگ فجر کی نماز میں مشغول تھے اور سیدنا صدیق اکبر

رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کی امامت فرما رہے تھے کہ اچانک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ الصدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حجرہ مبارکہ کا پردہ اٹھا کر نمازیوں کی طرف دیکھا جو نماز کی صفوں میں تھے، انہیں دیکھ کر آپ نے تبسم فرمایا۔ اسی اثنار میں سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خیال کیا کہ شاید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لانا چاہتے ہیں، چنانچہ آپ فوراً پیچھے ہٹ گئے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ فرماتے ہیں کہ قریب تھا کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کی خوشی کے جذبہ میں لوگوں کی نماز میں انتشار پیدا ہو جاتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دستِ مبارک سے اشارہ فرمایا کہ اپنی نماز پوری کرلو، پھر حجرہ میں داخل ہو کر پردہ ڈال دیا اور ایک روایت میں ہے جس دن یہ واقعہ پیش آیا، اسی روز آپ کا وصال ہوا۔ (بخاری ج ۲ ص ۔۔)

غزوۂ اُحد میں حضرت عمارہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، عشقِ رسول اور ذوقِ شہادت میں سرشار ہو کر کفار و مشرکین سے برسرِ پیکار تھے، میدان کارزار میں آپ تلوار چلا بھی رہے تھے اور دشمنوں کی تلواروں سے زخمی بھی ہوتے جا رہے تھے، حتیٰ کہ آپ کا جسمِ اطہر اس قدر زخمی ہو گیا کہ آپ بیتاب ہو کر زمین پر گر گئے۔ زندگی کے کچھ سانس ابھی باقی تھے۔ دل میں خیال آیا، کاش! جس محبوبِ اقدس پر زندگی نثار کر رہا ہوں، آخری لمحات میں اس کے جلوہ سے نگاہوں کو آسودہ کر لوں۔ رُوح جسم کا ساتھ چھوڑ دینے پر تلی ہوئی ہے۔ رشتۂ حیات منقطع ہو رہا ہے اور آپ کے دل کی دھڑکنیں یہ صدا دے رہی ہیں ؎

دو گھڑیاں رُک جا تقدیرے، میتوں لگیاں توڑ نبھالین دے
خود جان حوالے کر دیساں، اس جان دا مالک آلین دے

محبوب کبریا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم قریب ہی تشریف فرما تھے۔ حضرت عمارہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے زخموں سے چُور چُور اپنے جسم کو گھسیٹتے ہوئے آپ کے مبارک قدموں تک پہنچ گئے۔ تاجدار انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے غلام کو اس حال میں دیکھا تو مضطرب ہو گئے۔ عمارہ کو زندگی کی قیمت وصول ہو گئی۔ سکراتِ موت سے بند ہوتی ہوئی آنکھوں کو محبوب کی آنکھوں میں ڈال کر زبان حال سے عرض کیا:

ہو جلّی ختم اسیری اے، میرے سوہنیا حجات اخیری اے
رُک جاویں سوہنیا دو گھڑیاں، اکھیاں نوں پیاس مکّھلین دے

ایک دفعہ مکہ معظمہ کے چند لوگوں نے حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہِ اقدس میں حاضر ہو کر عرض کی کہ "یا رسول اللہ! ہمارے ساتھ چند مبلغین بھیجیں تاکہ وہ ہمیں تبلیغ کریں۔"
آپ نے صحابہ کرام کی ایک جماعت ان کے ساتھ روانہ کر دی۔ مبلغین کی یہ جماعت نواحِ مکہ میں پہنچی تو وہاں پر کافروں کے پہلے سے متعین شدہ دو سو سپاہیوں نے انہیں گھیرے میں لے لیا۔ جان نثارانِ اسلام سمجھ گئے کہ ہمارے امتحان کا وقت قریب آگیا ہے، چنانچہ کفار کی طرف سے آواز آئی کہ یا تو اسلام سے روگردانی کا اعلان کر دو یا لڑنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔ شمع رسالت کے پروانوں نے یک زبان ہو کر بلند آواز سے کہا، دھوکے باز و ہم دین سکھانے کے لیے آئے ہیں، چنانچہ کفار کے ساتھ جنگ شروع ہو گئی۔ ایک ایک کر کے سوائے حضرت خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سب صحابہ کرام شہید ہو گئے، اور حضرت خبیب کو زندہ گرفتار کر لیا گیا۔ آپ قید و بند کی صعوبتیں برداشت کرتے ہوئے رہروانِ منزلِ محبت کو یہ سبق دے رہے تھے ؎

دل دے دیئے جد دلبر نوں پھر خود نوں مٹا دناں پیندا اے
اک پھُل دی خاطر خاراں نوں سینے نال لاوناں پیندا اے

ایک دن جناب حضرت خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایذائیں دیتے ہوئے کافروں نے کہا کہ اب بھی ہماری بات مان لو اور دینِ اسلام چھوڑ دو۔ حضرت خبیب نے زبانِ حال سے ارشاد فرمایا ؎

تو ہو کے ترش خو مجھے ایذا ہزار دے
یہ وہ نشہ نہیں جسے ترشی اتار دے

ظالمو! تم میری جان تو لے سکتے ہو، مگر ایمان نہیں چھین سکتے۔

رسول اللہ توں صدقے جان میری،
ایہہ فانی زندگی قربان میری،

پھر انہوں نے آپ کو شہید کرنے کے لیے سُولی لٹکا دی اور آپ کو بلا کر کہا، وہ دیکھو سامنے سولی لٹک رہی ہے۔ اگر آپ ہمارے ساتھ مل جاؤ تو تمہاری جان بچ سکتی ہے۔ آپ نے فرمایا، دینِ اسلام کی بقا کے لیے سُولی پر چڑھ جانا موت نہیں، بلکہ حیات ہے۔ مشرکین نے کہا کہ اگر تمہاری کوئی آخری تمنا ہے، تو بتا دو تاکہ اسے پورا کر دیا جائے۔ آپ نے فرمایا، میں نماز پڑھنا چاہتا ہوں، چنانچہ ان کی اجازت سے آپ نے دو رکعت نماز شروع فرمائی۔ نماز ختم کر کے چاروں طرف دیکھا، ہر طرف دشمن ہی دشمن نظر آئے، جو ایک حق پرست کی شہادت کا منظر دیکھنے کے لیے جمع ہو گئے تھے۔ آپ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ مشرکین نے سمجھا، شاید کام بن گیا ہے۔ اس خیال کے تحت پوچھنے لگے، خبیب کیا ارادہ ہے؟ اب بھی وقت ہے، اگر اسلام کو چھوڑنے کا اعلان کر دو، تو ہم آپ کو اعلیٰ مقام دینے کے لیے تیار ہیں۔ آپ نے فرمایا، تم نے میرے آنسوؤں کا غلط مطلب لیا ہے، میری آنکھوں میں آنسو تمہاری سولی اور اپنی موت کی فکر سے نہیں آتے، بلکہ میں تو اس لیے رو رہا ہوں ؎ (مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۱۳۵)

مَردی واری یار نہ ڈٹھا ایہہ افسوس ودھیرا
نالا یار کدی ہن آکے یا دے قبر تے پھیرا

بلال حبشی

حضرت بلال حبشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھیے کہ آپ امیہ بن خلف کے غلام تھے۔ اس نے سنا کہ حضرت بلال کے دل میں محبتِ رسول جلوہ گر ہے اور اس نے اسلام قبول کر لیا ہے۔ اُمیّہ نے آپ کو طرح طرح کی تکلیفیں دیں، آگ کی طرح جلتی ہوئی ریت پر لٹایا، سخت ترین دھوپ میں بٹھایا، گرم گرم پتھروں کو سینۂ بلال پر رکھوایا، گلے میں رسی ڈال کر گلیوں میں گھسیٹا، مگر یہ سب ظلم و ستم برداشت کرنے کے باوجود آپ نے بزبانِ حال یہ فرمایا ؎

حلق پہ تیغ رہے، سینہ پہ جلاد رہے
لب پہ تیرا نام رہے، دل میں تیری یاد رہے

چنانچہ جب اس شہیدِ عشق پروانۂ شمعِ رسالت کی وفات کا وقت آیا تو ان کی زوجہ محترمہ نے رونا شروع کر دیا۔ اس عاشقِ صادق نے جب اپنی بیوی کو روتے ہوئے دیکھا، تو کہا کہ یہ کتنی خوشی و مسرت کا مقام ہے کہ میں کل آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے اصحاب پاک سے ملاقات کر دوں گا۔

(مدارج النبوۃ ج ۱۔ ص ۱۹۷)

حضرات محترم! یہ تھی صحابہ کرام کی محبت کہ ان کو مرتے وقت بھی خوشی ہوتی تھی کہ قبر میں محبوب دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم زیارت نصیب ہو جائے گی، یعنی ان کی تمنا یہ تھی کہ اگر زندگی ہو تو سرکار کے قدموں میں اور اگر موت آئے تو پھر بھی آپ کے قدموں میں گویا ان کا عقیدہ یہ تھا۔

تیری آرزو میں جینا، تیری جستجو میں مرنا
یہی میری زندگی ہے، یہی بندگی ہے

یہ تو انسان تھے جو محبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سرشار تھے۔ آیئے میں عرض کردوں، یہ تو وہ محبوب دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، جن کے فراق میں درخت روتے ہیں جن سے پتھر محبت رکھتے ہیں۔ اب اگر کسی انسان کے دل میں آپ کی محبت نہیں تو وہ پتھر دل ہے بلکہ اس سے بھی سخت ہے۔ مقام غور ہے کہ درخت بھی آپ سے محبت رکھتے ہیں

استنِ حنانہ

منبر شریف تیار ہونے سے قبل مسجد شریف میں کھجور کا ایک ستون تھا جس سے امام الانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پشت انور لگا کر وعظ فرمایا کرتے تھے، پھر جب منبر شریف تیار ہوا تو اس کھجور کے درخت نے جب محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے سے جدا ہوتے دیکھا، تو رونے لگا ؎

بنیا منبر تے اُجڑی شان والے ٹیکہ اوس تھیں گئے ہٹا کے تے
تھم لکڑی دا دھاہیں مار رُنا اندر مجرے رسول کُرلا کے تے
مار مار کوکاں پھٹ جان لگا آقا ویکھیا نظر فرما کے تے
اُتر منبروں لا لیا نال سینے، پھیریا ہتھ کرم کما کے تے

معیارِ محبت

کچھ لوگ دعویٔ محبت تو کرتے ہیں اور ساتھ ہی محبوبِ دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم کے عیوب و نقائص بیان کرتے ہیں حالانکہ یہ ایک ناقابلِ تردید حقیقت ہے کہ جہاں محبت ہوگی، وہاں تنقید و تنقیص نہیں ہوگی اور جہاں تنقید ہو، وہاں محبت نہیں ہوگی۔ یہ تو عام لوگوں کی محبت کا معیار ہے اور یہ اس محبوب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی بات ہے جس میں عیوب و نقائص کا ہونا ممکن ہی نہیں، مگر محبت کا تقاضا یہ ہے کہ وہ لوگوں کی نظر میں عیب دار بھی ہو تو اس کے محب کو اس کا ہر نقص خوبی بن کر نظر آئے۔ جیسے کسی شخص کا محبوب یک چشم گل تھا، یعنی اس کی ایک ہی آنکھ تھی، لوگوں نے اس عاشق کا مذاق اڑاتے ہوئے کہا، واہ بھئی! تونے ایسا محبوب تلاش کیا ہے جس کی ایک آنکھ ہی غائب ہے۔ عاشق نے جواب دیا، اگر تم میری محبت والی آنکھ سے دیکھو تو تمہیں میرے محبوب کے یک چشم ہونے کی خوبی معلوم ہو جائے۔ ارے نادانو! جس چیز کو لوگوں کی دو آنکھوں کی نظر اکٹھا ہو کر دیکھتی ہے، میرا محبوب اس چیز کو ایک آنکھ کی نظر سے دیکھ لیتا ہے۔

بہرحال محبت ہو تو عیب میں بھی حسن نظر آتا ہے، تو پھر جن کو بے عیب میں عیب نظر آئے، وہ لوگ اپنے دعویٔ محبت میں کیسے سچے ہو سکتے ہیں۔ حضرات گرامی! ہم میں کون ایسا ہے جو اپنے آگے پیچھے ایک جیسا دیکھتا ہو۔ اگر کسی کو اپنی پشت کی طرف سے نظر آتا ہو تو بتایئے؛ ہاں یہ تو ہو سکتا ہے کہ کسی کو آگے سے نظر نہ آتا ہو، مگر آپ کو ایسا کوئی نہ ملے گا جو پیچھے سے بھی دیکھ سکتا ہو، مگر بے عیب محبوب صلی اللہ علیہ وسلم ہی وہ منبعِ بصیرت و بصارت ہیں جو نہ صرف آگے اور پیچھے بلکہ کائناتِ عالم کا مشاہدہ فرما رہے ہیں۔ آپ نے ایک مرتبہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو فرمایا: میں تمہیں اپنے پیچھے سے بھی نماز پڑھتے ہوئے اس طرح دیکھ رہا ہوں جیسا اپنے سامنے سے دیکھتا ہوں۔

حضراتِ محترم! آیئے اللہ تعالیٰ کی بارگاہِ عالیہ میں دعا کریں۔ اے اللہ! ہمیں اپنے محبوب دوجہاں کا محبِ صادق اور طالب بنا، ہمیں تائید کرنے والا بنا، تنقید کرنے والا نہیں

حضرت علامہ اقبال علیہ الرحمہ فرماتے ہیں ؎

ذرۂ عشق نبی از حق طلب

سوزِ صدیق و علی از حق طلب

بزرگو دوستو اگر ہمارے دل محبتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سرشار ہوں گے، تو پھر محبوب پاک کی ہر ادا پسند آئے گی، پھر اسی محبت کی بدولت سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت و فرماں برداری کا جذبہ پیدا ہو جائے گا۔ ہم لوگوں کو تبلیغ کرتے ہیں کہ نماز پڑھو، روزہ رکھو، زکوٰۃ دو، حج کرو، اپنے لباس، سیرت و کردار کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے مطابق بناؤ مگر جب حبِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دلوں میں موجزن ہو جائے تو پھر یہ کہنے کی ضرورت نہیں پڑتی، بلکہ عاشق خود بخود اپنے محبوب کا مطیع ہو جاتا ہے، وہ اپنی زندگی کے ہر شعبے میں فرمانِ محبوب کو مقدم رکھتا ہے، حتیٰ کہ اپنی جان کو بھی اپنے محبوب پر قربان کر دیتا ہے سرکارِ اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں ؎

کروں تیرے نام پہ جاں فدا نہ بس ایک جاں دو جہاں فدا

نہیں دو جہاں سے بھی جی بھرا کروں کیا کروڑوں جہاں نہیں

محبت کرنے والا تو محبوب کی دل نشیں اداؤں پر ہر آن قربان ہوتا ہے۔ محب اہل دنیا کی ملامت طعنہ و تشنیع سے نہیں ڈرتا۔ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ اگر داڑھی رکھ لی تو لوگ مذاق اڑائیں گے لیکن اگر سنتِ مصطفیٰ سے محبت ہو تو اس مذاق میں بھی کیف محسوس ہوتا ہے۔

ایک شخص منڈی میں کاروبار کیا کرتا تھا، مولوی صاحب نے اسے کہا کہ میاں تم داڑھی رکھ لو تو کہنے لگا، منڈی میں میرا اعتبار بنا ہوا ہے، وہ جاتا رہے گا، یعنی اس کے کہنے کا مطلب یہ تھا کہ لوگ کہتے ہیں کہ داڑھی والے جھوٹ بولتے ہیں۔ دیکھئے اگر کوئی داڑھی رکھ کر جھوٹ بولتا ہے تو اس میں داڑھی کا کیا قصور ہے؟ داڑھی تو جھوٹ بولنے کی ترغیب نہیں دیتی، بلکہ یہ تو سینکڑوں گناہوں سے بچاتی ہے۔ لوگ داڑھی کو اپنی جہالت کی وجہ سے مذاق کرتے ہیں لیکن وہ یہ نہیں سمجھتے

کہ ان کا یہ مذاق براہِ راست حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے جزوِ حسن کی توہین کرنے کے مترادف ہے۔ حضرات زیادہ رکھیں داڑھی کا تمسخر اڑانا سنتِ مصطفیٰ کی اہانت کرنا ہے۔ اس قسم کی شرانگیز حرکات ان لوگوں کے ہی دلوں میں پیدا ہوتی ہیں، جن کے دل محبوبِ دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت سے خالی ہوتے ہیں ؎

عشق جس دل میں نہیں وہ دل نہیں
یار کے رہنے کی وہ منزل نہیں

یاد رکھو اگر ہم دنیا والوں کو خوش کرنا چاہیں، تو یہ کبھی خوش نہ ہوں گے۔ مثال کے طور پر کسی شخص کے ہاں شادی ہو اور وہ لوگوں کی پرتکلف دعوت کرے، بہترین سے بہترین کھانے کھلائے کہ لوگ راضی ہو جائیں، مگر یہ دنیا والے جی بھر کر کھا تو لیں گے، مگر جاتے وقت راستے ہی میں یہ کہیں گے چھوڑو یار حرام اور بلیک کی کمائی ہے جتنا جی چاہے خرچ کرے اور اگر کوئی ان طعنوں سے بچنے کے لیے کفایت شعاری سے کام لے اور سادہ سی دعوت کا اہتمام کرے تو لوگ پھر بھی خوش نہیں ہوں گے بلکہ اس کے لیے اس قسم کی باتیں کریں گے کہ دیکھو یار خدا نے اسے اس قدر دولت عطا کر رکھی ہے کہ اس کا حساب ہی نہیں، مگر یہ ایسا کنجوس مکھی چوس ہے کہ کام کی روٹی بھی نہیں کھلا سکا۔ اس کا باپ بھی کنجوس اور بخیل تھا۔ دیکھا دنیا کسی طرح بھی راضی نہیں۔ ہمیں چاہیئے کہ ہم اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو راضی کریں، خواہ دنیا والے راضی ہوں یا ناراض۔ اعلیٰ حضرت بریلوی کا عقیدہ سنو اور اپنے ایمانوں کو تازہ کرو ؎

انہیں جانا انہیں مانا، نہ رکھا غیر سے کام
للہ الحمد! میں دُنیا سے مسلمان گیا

کسی پنجابی شاعر نے کہا ہے ؎

جے چھڈ دیویں دُنیا ہو سکدا اے گذارا
مگر یار چھڈیاں گزارہ نہیں ہونا

بارگاہِ خداوندی میں التجا ہے کہ اللہ تعالیٰ جل مجدہ الکریم ہمیں محبتِ محبوبِ دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم عطا فرمائے۔ آمین!

وما علینا الا البلاغ المبین۔

رسولِ غیب داں

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِی ارْتَضٰی حَبِیْبَهٗ فِی الْاَرْضِ وَالسَّمَآءِ
مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِي مِنْ
رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ۔ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِنَا وَسَیِّدِ
الْاَنْبِیَآءِ ۔ مُحَمَّدِنِ الْمُصْطَفٰی وَالْمُجْتَبٰی وَالْمُرْتَضٰی وَعَلٰی
اٰلِهِ التُّقٰی وَصَحْبِهِ الْهُدٰی اَجْمَعِیْنَ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ اَبَدًا اَبَدًا ۔
اَمَّا بَعْدُ ہ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ۔ بِسْمِ اللّٰهِ
الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۔ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ
رَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِیْۤ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ ؕ صَدَقَ اللّٰهُ مَوْلٰنَا
الْعَظِیْمُ ہ وَصَدَقَ رَسُوْلُهُ النَّبِیُّ الْكَرِیْمُ الْاَمِیْنُ ہ

معزز سامعین کرام! آج میں نے آپ کے سامنے جو آیۂ مقدسہ تلاوت کی ہے اس میں اللہ تعالیٰ جل مجدہٗ الکریم کا ارشادِ گرامی ہے:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اٰمِنُوْا	(اے ایمان والو! ایمان لاؤ اللہ تعالیٰ
بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِیْ	اور اس کے رسول پر اور اس کی کتاب پر
نَزَّلَ عَلٰی رَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ	جو اس نے اپنے رسول پر اتاری اور اُن
الَّذِیْۤ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ ہ	کتابوں پر جو اس سے پہلے اس نے نازل
(پ ۵ ۔ ع ۱۷)	فرمائی ہیں)

حضرات! اس آیتِ مقدسہ میں ارشاد ہوتا ہے کہ اے ایمان والو! ایمان لاؤ اپنے خالق و مالک رب تبارک و تعالیٰ پر اور اس کے محبوبِ مکرم، رسولِ معظم، تاجدارِ عرب و عجم صلی اللہ علیہ وسلم پر پھر اسی لاریب کتابِ مقدس و مطہر قرآن مجید پر ایمان لاؤ جو اللہ تبارک تعالیٰ نے اپنے پیارے رسول جناب محمد مصطفےٰ احمد مجتبےٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمائی۔ قرآن اور صاحبِ قرآن کو دل و جان سے تسلیم کرنے کے بعد ان کتابوں پر بھی ایمان لاؤ جو پہلے انبیاء کرام علیہم السلام پر نازل ہوئیں۔

بزرگو، دوستو! اس آیہ مقدسہ میں یہ بات قابلِ غور ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ ایمان والوں سے ارشاد فرمایا ہے، ایمان لے آؤ۔ سوال یہ ہے کہ جو لوگ پہلے ہی مومن ہیں، وہ اب کس قسم کا ایمان لائیں؟ اس کے جواب میں مفسرین کرام نے بہت سے اقوال نقل فرمائے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں کن لوگوں سے فرمایا ہے کہ ایمان لے آؤ۔ بہرحال ان تمام اقوال سے راجح قول آپ حضرات کی خدمت میں پیش کر کے آگے بڑھتا ہوں۔

صاحبِ تفسیر مظہری نقل فرماتے ہیں کہ آیتِ مذکورہ میں اہلِ ایمان سے جو خطاب ہوا ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ ایمان والو! تم اپنے اس ایمان پر استقلال و استقامت اور مضبوطی کے ساتھ قائم رہو۔ (تفسیر مظہری)

حضرات! اس آیتِ مقدسہ میں صاحبِ ایمان لوگوں سے خطاب ہو رہا ہے۔ اے ایمان والو! کمالِ ایمان کا درجہ حاصل کرلو اور حقیقی مومن بن جاؤ۔

حضرات! اس آیہ مقدسہ کا مفہوم سمجھنے کے لیے سورۂ فاتحہ کی آیہ مقدسہ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ سے رہبری حاصل کی جائے۔ دیکھیے ہر نمازی نماز میں اللہ تعالیٰ کے حضور میں دست بستہ ہو کر عرض کرتا ہے، اے اللہ! ہمیں سیدھے راستے پر چلا۔ تو کیا جو نماز پڑھ رہا ہے، وہ پہلے سیدھے راستے پر نہیں؟ نمازی بجا طور پر صراطِ مستقیم پر گامزن ہے، مگر اس دعا کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اے اللہ! مجھے صراطِ مستقیم پر استقامت عطا فرما۔ اسی طرح اس آیتِ مذکورہ میں رب تعالیٰ مومنوں سے فرما رہا ہے:

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اٰمِنُوْا (ایمان والو! ایمان پر استقامت اختیار کرو)

حضرات! اب یہ معلوم کرنا چاہیئے کہ ایمان کسے کہتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

قَالَ وَالْاِیْمَانُ التَّصْدِیْقُ (وہ فرماتے ہیں ایمان تصدیق کو کہتے ہیں)

(درمنثور ج ۱ ص۳۵)

ایمان تصدیق کو کہتے ہیں اور اصطلاحِ شریعت میں ایمان اس کو کہتے ہیں کہ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تبارک وتعالیٰ کی بارگاہِ مقدسہ سے جو کچھ لے کر آئے ہیں، اس کو قطعی طور پر درست تسلیم کرتے ہوئے زبان سے اقرار اور دل سے تصدیق کرنا۔

"اِقْرَارٌ بِاللِّسَانِ وَتَصْدِیْقٌ بِالْقَلْبِ"

حضرات! صاحبِ ایمان وہ ہے جس کی زبان پہ اقرار اور دل میں اس کی تصدیق ہو، مومن کے مقابلے میں کافر وہ ہوتا ہے جس کی زبان پر انکار اور دل میں اس کی تکذیب ہوتی۔ مومن اور کافر کی پہچان بالکل آسان ہے، اس لیے کہ اس کا ظاہر باطن ایک ہوتا ہے اور ایک جنس مومن وکافر کے درمیان ہوتی ہے جیسے مرد کے مقابلے میں عورت اور ایک ان کے درمیان جنس ہوتی ہے، یعنی نہ ہی وہ مرد ہوتا ہے اور نہ ہی وہ عورت ہوتی ہے وہ کیا ہے؟ آپ اسے جانتے ہی ہیں۔

حضرات! اسی طرح مومن وکافر کے درمیان جو جنس ہوتی ہے۔ اس کو اصطلاحِ شریعت میں منافق کہتے ہیں۔ منافق کی زبان پر تو اقرار ہوتا ہے، مگر دل میں اس کا انکار ہوتا ہے۔ اس کا ظاہر کچھ اور باطن کچھ اور ہوتا ہے۔ قرآن کریم اس گروہ کے متعلق فرماتا ہے:

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰہِ وَبِالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا ھُمْ بِمُؤْمِنِیْنَ ٥ (پ ۱ ع ۱)

(لوگوں میں سے کچھ ایسے لوگ ہیں جو کہتے ہیں، ہم ایمان لائے اللہ پر اور قیامت کے دن پر، اور وہ ایمان والے نہیں ہیں)

حضرات! اللہ تبارک و تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ میری مخلوق میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو زبان سے دعوی کرتے ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے مگر وہ ایمان والے نہیں۔ دوسرے مقام پر انہیں لوگوں کے متعلق اپنے محبوب پاک صاحب لولاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ارشاد فرمایا۔

اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ ؕ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ۔ (پ ۲۸ - ع ۱۲)

(جب منافق تمہارے حضور حاضر ہوتے ہیں کہتے ہیں کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ حضور آپ بے شک یقیناً اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور اللہ جانتا ہے کہ تم اس کے رسول ہو اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ منافق ضرور جھوٹے ہیں۔)

رب تبارک و تعالیٰ جل مجدہٗ الکریم فرماتے ہیں کہ اے پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم یہ منافق لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہتے ہیں کہ آپ بلا شک و شبہ اللہ کے رسول ہیں۔ یہ آپ کے رسول برحق ہونے کی گواہی دیتے ہیں، مگر اے محبوب! میں خدا ہو کر گواہی دیتا ہوں کہ منافق ضرور جھوٹے ہیں۔

حضرات محترم! قرآن حکیم کے اسلوب بیان کی طرف غور فرمایئے۔ منافقوں نے حضور کی بارگاہ میں عرض کیا، نَشْهَدُ اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا، يَشْهَدُ منافقوں نے کہا، اِنَّكَ۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ منافقوں نے کہا، لَرَسُوْلُ اللّٰهِ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا، لَكٰذِبُوْنَ۔ یعنی اے پیارے محبوب! جیسے تمہارے سچے ہونے میں شک نہیں۔ ایسے ہی ان کے جھوٹے ہونے میں کوئی شک نہیں۔

حضرات! آیئے خداوند عالم کی بارگاہِ مقدسہ میں عرض کریں، یا اللہ! جب یہ لوگ تیری توحید کے بھی قائل ہیں۔ تیرے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت کا بھی اقرار کرتے ہیں، روزِ قیامت پر بھی ایمان رکھتے ہیں۔ بظاہر نماز روزے کے بھی پابند ہیں

پھر ان کا ایمان مقبول کیوں نہیں ؟ ان کے روزے کیوں مردود ہیں؟ ان کی نمازیں کیوں بیکار ہیں ؟ یہ جھوٹے کس لیے ہیں ؟ چنانچہ ان سوالات کا جواب قرآن کریم میں اس طرح ہے ،

فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ بِمَا كَانُوْا یَكْذِبُوْنَ۔ (پ ۱ - ع ۲)

(ان کے دلوں میں مرض ہے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے مرض کو اور بڑھایا اور اُن کے لیے دردناک عذاب ہے بدلہ اُن کے جھوٹ کا)

اللہ تبارک و تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ منافقوں کا ایمان اس لیے نامقبول اور ان کے اعمال اس لیے برباد و بے کار ہیں کہ ان کے دلوں میں بیماری ہے، وہ دل کے مریض ہیں۔ اے اللہ! اگر منافقوں کے دلوں میں مرض ہے، تو مومنوں کے دلوں میں کیا ہے؟

اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے ،

اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِیْ قُلُوْبِهِمُ الْاِیْمَانَ ط (پ ۲۸ ع ۳)

(یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ تعالیٰ نے ایمان کو نقش کر دیا ہے)

مومنوں کے دلوں میں نورِ ایمان ہے اور منافقوں کے دلوں میں بیماری ہے۔

حضرات! اب معلوم کرنا چاہیے کہ منافقوں کے دل میں جو مرض تھا وہ کیا تھا؟ کیا ان کو اختلاجِ قلب کی بیماری تھی؟ کیا ان کے دل پر آبلے پڑ گئے تھے؟ نہیں، نہیں منافقوں کو ہرگز یہ بیماریاں نہ تھیں، وہ تو ایسے تندرست و توانا تھے کہ اللہ کریم نے قرآن مجید میں اپنے محبوب صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم سے فرمایا،

وَاِذَا رَاَیْتَهُمْ تُعْجِبُكَ اَجْسَامُهُمْ ط (منافقون)

(جب تم انہیں دیکھو تو ان کے جسم تمہیں خوشنما معلوم ہوں)

حضرات! ان کے دلوں کا مرض جسمانی نہ تھا، بلکہ ان کے دل کا عارضہ رُوحانی تھا

ان کے قلبی تصورات نظریات درست نہ تھے، جس کو ہم عقیدہ کہتے ہیں، یعنی منافقوں کے دلوں کا مرض یہ تھا کہ ان کے عقیدے درست نہ تھے۔ معلوم ہوا ایمان نام ہے عقیدہ درست ہونے کا۔ جس کا عقیدہ درست ہے، اس کا ایمان درست ہے اور جس کا عقیدہ درست نہیں، اس کا ایمان بھی درست نہیں۔

دیکھیے قادیانی مرزائی جو بظاہر کلمہ بھی پڑھتے ہیں، نمازیں بھی ادا کرتے تھے۔ اہل قبلہ بھی ہیں، ان کے نام بھی اسلامی ہیں، مگر تمام امت کے انہیں کافر و مرتد قرار دیا نہ ان کے کلمے کو دیکھا، نہ ان کی نمازوں، روزوں کو دیکھا اور تمام کی تمام امتِ مسلمہ نے ان کو کافر قرار دے دیا کیوں؟ اس لیے کہ ان کا عقیدہ درست نہیں۔ حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری نبی ہونا، آپ کو خاتم النبیین ماننا یہ عقیدہ ہے۔

حضرات عقیدہ درست ہے اہل سنت وجماعت کا۔ یہ میں نہیں کہتا، بلکہ فرمانِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے:

وَاِنَّ بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ تَفَرَّقَتْ عَلٰی ثِنْتَیْنِ وَسَبْعِیْنَ مِلَّةً وَ تَفْتَرِقُ اُمَّتِیْ عَلٰی ثَلٰثٍ وَ سَبْعِیْنَ مِلَّةً كُلُّهُمْ فِی النَّارِ اِلَّا مِلَّةً وَّاحِدَةً (مشکوٰۃ ص۳۰)	(یقیناً بنی اسرائیل بہتر فرقوں میں بٹ گئے تھے، اور میری امت تہتر فرقوں میں بٹ جائے گی۔ سوائے ایک ملت کے سب دوزخی ہیں۔)

مخبرِ صادق سرورِ کائنات فخرِ موجودات صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بنی اسرائیل میں بہتر فرقے ہوئے تھے اور میری امت میں تہتر فرقے ہوں گے اور ان میں سے صرف ایک ایسی جماعت ہوگی جو حق پر ہوگی جو جنتی ملت ہوگی اور اس کے سوا باقی تمام فرقے باطل اور دوزخی ہوں گے۔ صحابہ کرام نے تاجدارِ مدینہ سرورِ سینہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں عرض کیا کہ اس ایک جنتی جماعت کی پہچان کیا ہوگی؟ تو سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَا اَنَا عَلَیْہِ وَ اَصْحَابِیْ (مشکوٰۃ ص۳۰) (جو میرے اور میرے صحابہ کے طریقہ پر ہوگی)

حضرات محترم! شہنشاہ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جنتی گروہ کی علامت یہ بیان فرمائی ہے مَا اَنَا عَلَیْہِ (یعنی جو میرے طریقے پر ہوگا) طریقہ کو سنت کہتے ہیں، یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو میری سنت پر چلنے والا ہوگا۔ اب سیدھی سی بات ہے جو سنت پر چلنے والا ہوگا، وہ اہل سنت ہوگا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وَ اَصْحَابِیْ اور جنتی گروہ کی علامت یہ ہوگی کہ وہ میرے صحابہ کی جماعت کے طریقہ پر ہوگا۔ یعنی گروہ وہ ہوگا جو سنتِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر چلنے والا ہوگا۔ جماعتِ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے طریقے پر چلنے والا ہوگا، یعنی اہل سنت و جماعت ہوگا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جنتی جماعت کی۔ ایک علامت یہ بھی بیان فرمائی، وھی الجماعۃ وہ بڑی جماعت ہوگی۔

ہمارا یہ دعویٰ ہے کہ تم تمام دنیا کی مردم شماری کر کے دیکھ لو، کوئی فرقہ تمہیں دو فیصد ملے گا، کوئی چار فیصد اور کوئی پانچ فیصد غرضیکہ تمام فرقے مل کر زیادہ بیس یا تیس فیصد ہوں گے، مگر الحمد للہ اہل سنت ستر یا اسی فیصد ہیں، تو سب سے بڑی جماعت بھی اہل سنت ہے۔ باقی سب فرقے ہیں، اہل سنت و جماعت ملت ہے۔

حضراتِ محترم! مسلکِ اہل سنت کی صداقت و حقانیت کی سب سے بڑی شہادت یہ ہے کہ یہی وہ جماعت ہے جس کو تمام اولیاء اللہ نے پسند فرمایا ہے۔ ہمارا دعویٰ ہے کہ آپ مشرق و مغرب تک، شمال سے جنوب تک دیکھ لیں۔ آپ کو جو بھی ولی اللہ ملے گا، وہ تو اہل سنت ہوگا۔ دوسرے فرقوں میں کرنل دکھا سکتے ہو، جنرل دکھا سکتے ہو۔ ریفارمر دکھا سکتے ہو، حساب دان، ریاضی دان دکھا سکتے ہو۔ مجسٹریٹ اور ایڈووکیٹ دکھا سکتے ہو۔ قاضی اور وکیل دکھا سکتے ہو۔ پروفیسر اور لیکچرار دکھا سکتے ہو، معلم اور مدرس دکھا سکتے ہو، مصنف اور مؤلف دکھا سکتے ہو، ذاکر اور خطیب دکھا سکتے ہو، مقرر اور مفتی دکھا سکتے ہو۔ ہاں ہاں! دوسرے فرقوں میں نام نہاد مدقق اور محقق مفکرِ اسلام اور مدبرِ قرآن دکھ

سکتے ہو، مفسر قرآن دکھا سکتے ہو، جن کے بارے میں مخبر صادق سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم
نے آج سے چودہ سال پہلے ہی فرمایا تھا کہ کچھ لوگ قرآن پڑھیں گے۔ یہ ان کا قرآن حلق
سے نیچے نہیں جائے گا۔ ایسے ایسے قرآن کے پڑھنے والے مفسر دکھا سکتے ہو جن کو من
دُوْنِ اللّٰہِ والی آیات اولیاء اللہ پر چسپاں کرتے وقت ہرگز ہرگز حیا محسوس نہیں ہوتی
جو معاذ اللہ سرکار دو جہاں کے والدین کریمین کو کافر کہتے ہیں اور خود کو ایمان کا ٹھیکیدار
سمجھتے ہیں جو جد انبیاء حضرت ابراہیم علیہ السلام کو معاذ اللہ پنڈت زادہ کہنے میں کوئی شرم
محسوس نہیں کرتے جو محبوب کبریا صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے جیسا بشر کہنے میں اپنے ایمان
کی سلامتی سمجھتے ہیں جو مسلمانوں کو سرکار دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کے غلاموں کو مشرک اور بدعتی
بنانے کو بہت بڑی دینی خدمت تصور کرتے ہیں۔ ہاں ہاں! دوسرے فرقوں میں ایسے
نام نہاد ملاں، مفسر قرآن دکھا سکتے ہو جو ریاکاری کے جُبّہ و دستار میں ملبوس ہو کر عاشقانِ
مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایمانوں پر ڈاکہ ڈالنے کو بڑی کامیابی سمجھتے ہیں جو لمبی لمبی داڑھیوں
سے سادہ لوح مسلمانوں کو شکار کرتے اور انہیں اپنے دامِ فریب میں الجھا کر ان کا ایمان
لوٹتے ہیں۔ ہاں ہاں! دوسرے فرقوں میں ایسے مفسر دکھا سکتے ہو جن کے بے ذوق اور
بے حضور طویل سجدوں سے دلوں کے ساتھ ساتھ ان کی جبینیں بھی سیاہ ہو چکی ہیں۔

حضرات! دوسرے فرقوں میں منطقی دکھا سکتے ہو، فلسفی دکھا سکتے ہو، مناظر دکھا سکتے
ہو، مجتہد دکھا سکتے ہو، فقیہی دکھا سکتے ہو، جن کے اجتہاد بے لگام اور فقہ شریف نے ان کے
لیے کوّے کو حلال قرار دیا ہو، بلکہ اس کے کھانے کو ثواب بتایا ہو، گوہ اور بجو کو ان پر
حلال کر دیا ہو، چوہڑے کا پیشہ اُن کے لیے جائز اور جس جانور کا گوشت کھا سکتے ہیں، اس کا
پیشاب پاک کر دیا۔ غور فرمایئے کیسے کیسے عقدے ان کے فقہی اور مجتہدوں کے لیے
حل فرما دیے۔ حضرات! ایسے منطقی اور مجتہد دوسرے فرقوں میں دکھا سکتے ہو۔ نام نہاد
علامہ فہامہ، مبلغ اور مصلح دکھا سکتے ہو جو مومنوں کو مشرک و بدعتی بنانے میں بڑا زورِ علم

صرف کر دیتے ہیں، مگر دوسرے فرقوں میں خواجہ خواجگان سیّد معین الدین چشتی اجمیری نہیں دکھا سکتے جن کی نگاہِ فیض نے نوّے لاکھ ہندوؤں کو دولتِ ایمان سے مالا مال کیا۔ شاہ شمس تبریزی اور داتا علی ہجویری نہیں دکھا سکتے، حضرت شیخ الاسلام والمسلمین خواجہ بختیار کاکی، قطب الدین، حضرت گنج شکر بابا فریدالدین، خواجہ نظام الدین اولیاء نہیں دکھا سکتے۔ حضرت سلطان العارفین سلطان باہو، حضرت بایزید بسطامی اور مولانا عبدالرحمٰن جامی نہیں دکھا سکتے۔ نظامی، سعدی شیرازی، عارفِ رومی نہیں دکھا سکتے۔ حضرت مجدد الف ثانی اور حضرت پیر جماعت علی لاثانی نہیں دکھا سکتے۔ حضرت میاں شیر محمد شرقپوری اور حضرت صابر کلیری نہیں دکھا سکتے، حضرت بہاء الحق زکریا ملتانی، شاہبازِ لامکانی حضرت غوث الاعظم جیلانی (رحمہم اللہ تعالیٰ) نہیں دکھلا سکتے جنہوں نے عیسائیوں کو اسلام سے مشرّف کیا، جن کی نگاہِ ولایت نے رہزنوں کو ولایت بخشی، چوروں کو قطبیّت عطا کی، صراطِ مستقیم سے بھٹکے ہوئے انسانوں کو راہِ ہدایت دکھائی جن کی بارگاہِ اقدس سے ہر عقیدت مند کو مُرِیۡدِیۡ لَا تَخَفۡ اَللّٰہُ رَبِّیۡ کی بشارت ملی۔ حضرات تمام اولیاء اللہ اہلِ سنّت وجماعت ہیں اور ان کے ماننے والے بھی سُنّی ہیں۔

الحمدللہ! اولیاء اللہ کے ماننے والوں کی یہی جماعت جنّت کی کلید بردار ہے، یہی وہ جماعت ہے جس کے جنتی ہونے کی خبر سیّدالمرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے۔

مولانا رومی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں ؎

حُبِّ دُرویشاں کلیدِ جنّت است

دُشمنِ ایشاں سزائے لعنت است

حضراتِ محترم! میں عرض کر رہا تھا کہ منافقوں کے دلوں کا مرض یہ تھا کہ ان کے قلبی تصوّرات درست نہ تھے۔ اُن کے دل کی بیماری بدعقیدگی تھی۔

حضرات! اب یہ بات قابلِ غور ہے کہ تاجدارِ مدینہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حیاتِ ظاہری

کے زمانہ میں بھی کچھ لوگ منافق تھے۔ اس کے باوجود سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا، خَیْرُ الْقُرُوْنِ قَرْنِیْ (سارے زمانوں سے اچھا میرا زمانہ ہے)

اب سوال یہ ہے کہ جب اتنے اچھے زمانے میں منافق تھے، تو آج بھی منافق ضرور ہوں گے۔ اگر یہ کہا جائے کہ آج کا زمانہ منافقوں سے پاک ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ یہ زمانہ شہنشاہِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے اچھا ہے۔ بہرحال اس اچھے زمانے میں منافق تھے تو آج بھی منافق موجود ہیں، اس اچھے زمانہ سے زیادہ ہیں۔ اب ضروری ہے کہ حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ اقدس کے منافقوں کے عقائد معلوم کیے جائیں تاکہ آج کے منافق کی پہچان ہو سکے۔ مومن و منافق کے درمیان فرق کیا جا سکے۔ کھرے اور کھوٹے کا پتہ چل سکے۔ اصلی اور نقلی میں امتیاز ہو سکے، تو آیئے سنیئے کہ منافقوں کے دلوں میں جو مرضِ بدعقیدگی تھا، وہ کیا تھا؟

حضراتِ محترم! اللہ تبارک وتعالیٰ جل شانہٗ نے اپنے پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو ساری کائنات سے افضل و اعلیٰ بنایا۔ آپ کو تمام فضائل محاسن سے مزین فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو عظمتیں عطا فرمائیں، اُن میں ایک یہ بھی ہے کہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے علومِ غیبیہ عطا فرمائے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے،

فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖۤ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ (پ ۲۹ - ع ۱۲)

(پس اپنے غیب پر کسی کو مطلع نہیں فرماتا سوائے اسی رسول کے جسے وہ پسند کرلے۔)

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ۔ (پ ۴ - ع ۹)

(اللہ کی یہ شان نہیں کہ اے عام لوگو، تمہیں غیب پر مطلع کردے، لیکن چُن لیتا ہے، اپنے رسولوں میں سے جسے چاہے)

حضرات محترم! ان آیات بینات سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کسی کو اپنے غیب پر مطلع نہیں فرماتا، مگر اپنے چُنے رسولوں میں سے جسے چاہے علم غیب عطا فرما دیتا ہے، چنانچہ یہ بات مسلم ہے کہ ہمارے شہنشاہِ آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تبارک وتعالیٰ کے حبیب سب سے زیادہ پسندیدہ رسول ہیں۔ تو اب یہ ماننا پڑے گا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو علوم غیبیہ عطا فرمائے۔ رب تبارک وتعالیٰ کا ارشادِ گرامی ہے،

وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ (اور اے محبوب نے آپ کو سکھا دیا جو آپ نہ جانتے تھے)

حضرات! اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن مجید کی عظمت و شان بیان کرتے ہوئے فرمایا، اے محبوب! صلی اللہ علیہ وسلم!

وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِكُلِّ شَيْءٍ (پ ۱۴ - ع ۱۰) (ہم نے جو کتاب آپ کی طرف نازل کی ہے اس میں ہر چیز کا بیان ہے)

حضرات! قرآن مقدس میں رب تبارک وتعالیٰ نے کل شیٔ کا بیان فرمایا۔ پھر اس قرآن کو اپنے محبوب پاک صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرما کر خود اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو پڑھایا۔ قرآن میں ارشادِ خداوندی ہے:

اَلرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ۔ (رحمن نے سکھایا قرآن)

حضرات! جب پڑھانے والا رحمان اور رحیم ہو، پڑھنے والا رؤف و رحیم پڑھانے والا علیم و خبیر اور سمیع و بصیر ہو، پڑھنے والا وکیل و شہید ہو اور بشیر و نذیر ہو، پڑھانے والا رب العالمین، پڑھنے والا رحمۃ العالمین ہو، پڑھانے والا خدا ہو اور پڑھنے والا اس کا مصطفیٰ ہو، مرتضیٰ ہو، مجتبیٰ ہو تو پھر کمی کس علم کی ہوتی ہے۔ حضرات! پڑھانے والا فتاح و رزاق خالق کل ہو، پڑھنے والا فخر الانبیاء، ختم رسل، مولائے کل ہو۔ پڑھانے والا عظیم و حلیم ہو، پڑھنے والا غنی اور آمنہ کا دریتیم ہو۔ پڑھانے والا مجید و وُدود ہو، پڑھنے والا

حامد و محمود ہو، پڑھانے والا حی و قیوم ہو، پڑھنے والا سید و مخدوم ہو۔ پڑھانے والا وہاب و تواب ہو اور پڑھنے والا شافع روزِ حساب ہو۔ پڑھانے والا ذوالجلال والاکرام ہو، پڑھنے والا رسول خیر الانام ہو، پڑھانے والا لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ ہو، پڑھنے والا مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم ہو۔ پڑھانے والا ربِ جلیل ہو، پڑھنے والا اس کا خلیل ہو، پڑھانے والا کریم ہو، پڑھنے والا کلیم ہو، پڑھانے والا معطی ہو، پڑھنے والا قاسم ہو، پڑھانے والا احد ہو اور پڑھنے والا احمد ہو۔

حضرات! پڑھانے والا نور، پڑھنے والا بھی نور اور جو کتاب پڑھی گئی وہ بھی نور، اب جو علم مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں شک کرے یا کسی قسم کی کمی محسوس کرے، سمجھ لو کہ وہ شیطان کا ساتھی ہے اور اس کے ایمان میں بھی فتور ہے۔ بغضِ رسول کی وجہ سے وہ خدا تعالیٰ کی بارگاہ میں نامنظور ہے، وہ رحمتِ خداوندی سے دور ہے اور دنیا و آخرت میں خاسر و مقہور ہے۔

سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں:

قَامَ فِیْنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَقَامًا فَاَخْبَرَنَا عَنْ بَدْءِ الْخَلْقِ حَتّٰی دَخَلَ اَھْلُ الْجَنَّۃِ مَنَازِلَھُمْ وَاَھْلُ النَّارِ مَنَازِلَھُمْ۔	ایک جگہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے اور ہم بھی تھے کہ آپ نے مخلوق کی ابتدا سے کر اور جنتیوں کے جنت میں داخل ہونے تک اور دوزخیوں کے دوزخ میں داخل ہونے تک کے تمام حالات ارشاد فرماتے)
(بخاری و مشکوٰۃ۔ ص۵۰۶)	

حضرات! اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب پاک، صاحبِ لولاک صلی اللہ علیہ وسلم کو علمِ غیب عطا فرما کر عَالِمِ مَا یَکُوْن بنایا، چنانچہ شہنشاہِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ ارشادِ گرامی فرمایا:

عُرِضَتْ عَلَيَّ اُمَّتِيْ فِيْ صُوَرِهَا فِي الطِّيْنِ كَمَا عُرِضَتْ عَلٰى اٰدَمَ فَاُعْلِمْتُ مَنْ يُّؤْمِنُ بِيْ وَمَنْ يَّكْفُرُ بِيْ۔ (خازن ص۲۰۸)

(اپنی اپنی صورتوں میں مجھ پر میری تمام امت پیش کی گئی جیسا کہ حضرت آدم علیہ السلام پر پیش کی گئی تھی اور مجھے بتا دیا گیا کہ مجھ پر کون کون ایمان لائے گا اور کون کفر کرے گا)

حضرات محترم! اس فرمانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر غور فرمایئے کہ آپ کے اس فرمانِ عالی سے آپ کے علمِ غیب کا اظہار ہو رہا ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اعلان فرمایا کہ مجھے قیامت تک ہر اپنے وفادار امتی کی بھی خبر ہے اور ان کا بھی علم ہے۔ جو میرا انکار کریں گے۔

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمانِ عالیہ کو سن کر آپ کے صحابہ کرام نے دل وجان سے تسلیم کر لیا، مگر اب سنیئے منافقوں کا حال انہوں نے اس فرمانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو سن کر استہزاء کیا اور آپس میں ایک دوسرے سے کہنے لگے جس کا بیان تفسیروں میں یوں آتا ہے:

زَعَمَ مُحَمَّدٌ اَنَّهٗ يَعْلَمُ مَنْ يُّؤْمِنُ بِهٖ وَمَنْ يَّكْفُرُ بِهٖ

(محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا گمان ہے کہ وہ جانتے ہیں کہ کون ان پر ایمان لائے گا اور کون انکار کرے گا)

منافقوں نے آپس میں مل کر کہا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ہمیں قیامت تک کے ہر انسان کی خبر ہے کہ کون ہم پر ایمان لائے گا اور کون ایمان نہ لائے گا۔ آپ ان لوگوں کے ایمان وکفر کے متعلق تو جانتے ہیں جو ابھی پیدا بھی نہیں ہوئے، مگر ہم دن رات آپ کے پاس رہتے ہیں، ہم کو تو پہچانتے ہی نہیں کہ ہم کون ہیں:

وَنَحْنُ مَعَهٗ وَمَا يَعْرِفُنَا۔ (روح المعانی ص۱۲۲)

(اور ہم ان کے ساتھ ہیں اور ہمیں نہیں پہچانتے)

حضرات منافقوں کے عقیدے کا یہاں سے بخوبی علم ہو گیا کہ ان دلوں میں ایک مرض

یہ تھا کہ وہ مقامِ مصطفیٰ کے منکر تھے، وہ آپ کے علمِ غیب کا انکار کیا کرتے تھے،
حضرات محترم! ان منافقوں نے جب یہ باتیں آپس میں کیں، تو ان کی یہ باتیں چلتے چلتے
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچ گئیں۔ تفسیر مظہری میں ہے:

فَبَلَغَ ذَالِكَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (یہ خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچ گئی)

چنانچہ آپ نے سب لوگوں کو مسجد میں جمع فرمایا اور پھر منبر شریف پر جلوہ گر ہوئے اور
اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء بیان کرنے کے بعد فرمایا:

مَا بَالُ اَقْوَامٍ طَعَنُوْا فِیْ عِلْمِیْ لَا تَسْئَلُوْنِیْ عَنْ شَیْئٍ فِیْمَا بَیْنَکُمْ وَبَیْنَ السَّاعَۃِ اِلَّا نَبَّاْتُکُمْ بِہٖ۔ (مظہری پ ۴ ص ۱۷۵)

(ان قوموں کا کیا حال ہوگا جو ہمارے علم میں طعنہ کرتی ہیں، اس وقت سے لے کر قیامت تک ہونے والی جس چیز کے متعلق تمہارا جی چاہے پوچھو، ہم تمہیں اس کی خبر دے دیں گے)

حضرات! سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان قوموں کا کیا حال ہوگا جو میرے
علم میں طعنہ زنی کرتی ہیں۔ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے علم شریف پر اعتراض کرنے والی
اس وقت تو ایک ہی قوم تھی، مگر آپ نے فرمایا: مَا بَالُ اَقْوَامٍ (ان قوموں کا کیا حال ہوگا)
قوم نہیں اقوام فرمایا، اس لیے کہ آپ کو معلوم تھا کہ یہی ایک قوم ہی نہیں جو میرے علم شریف
میں طعنہ کرنے والی ہے، بلکہ ان کے بعد بھی ان کے پیروکار پیدا ہوں گے۔ شہنشاہِ دو عالم
صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! میرے علم میں اعتراض کرنے والو!

فَوَاللّٰهِ لَا تَسْئَلُوْنِیْ عَنْ شَیْئٍ اِلَّا اَخْبَرْتُکُمْ بِہٖ مَادُمْتُ فِیْ مَقَامِیْ ھٰذَا۔ (بخاری ج ۲ ص ۱۰۸۳)

(خدا کی قسم تم ہم سے کسی چیز کے متعلق پوچھو، مگر میں یہاں کھڑے کھڑے ہی اس کی خبر دوں گا)

آپ کے اس فرمانِ عالیہ پر چند سوالات آپ سے پوچھے گئے اور آپ نے ان کے جوابات
ارشاد فرمائے اور آپ کے چہرۂ انور پر جلال تھا۔ آپ کے جلال کو دیکھ کر سب لوگ رونے لگے۔

جنابِ فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ انور پر جلال دیکھا، تو گھٹنے ٹیک کر بیٹھ گئے اور بارگاہِ رسالت مآب میں عرض کیا، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم!

رَضِیْنَا بِاللّٰہِ رَبًّا وَّ بِالْاِسْلَامِ دِیْنًا وَّ بِمُحَمَّدٍ رَّسُوْلًا۔ (ہم اللہ تعالیٰ کی ربوبیت پر راضی اور اسلام کے دین ہونے پر راضی اور آپ کے رسول ہونے پر راضی)

حضرات! اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ ظاہری میں بھی منافقین حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے علم شریف پر اعتراض کیا کرتے ہیں۔ اسی مقام پر ایک شاعر کہتا ہے ؎

محبوباں تے نکتہ چینی کرن توں باز نہیں آوندا
اصل منافق جان اوسے نوں اوہ جھوٹا پیار رجاندا

حضرات! یہ منافق لوگ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے علم شریف میں طعنہ کیا کرتے تھے۔ پھر ان گستاخانِ رسول کو دنیا میں یہ سزا ملی کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان خبیث لوگوں کا اپنے محبوب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے پاکیزہ غلاموں کے ساتھ مل بیٹھنا پسند نہ فرمایا۔ یہ لوگ مومنوں میں مل بیٹھا کرتے تھے اور محبوب عالم ماکان و یکون ہونے کے باوجود شانِ رحمت کا اظہار فرماتے ہوئے ان کو اپنی مجلس سے نہ نکالتے اور نہ انہیں مومنوں سے جدا ہونے کے لیے فرماتے اور منافق لوگ خیال کرتے کہ شہنشاہِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہمارا علم نہیں اور وہ پاکیزہ لوگوں کی محفل میں بیٹھتے۔ بالآخر ان منافقوں کا مومنوں سے علیحدہ ہونے کا وقت آگیا۔ اللہ تعالیٰ نے سیدنا جبرائیل علیہ السلام کو حکم ارشاد فرما کر بھیجا؛

مَا کَانَ اللّٰہُ لِیَذَرَ الْمُؤْمِنِیْنَ عَلٰی مَآ اَنْتُمْ عَلَیْہِ حَتّٰی یَمِیْزَ الْخَبِیْثَ مِنَ الطَّیِّبِ۔ (پ ۴ ع ۹) (اللہ تعالیٰ مومنین کو اس حال پر نہیں چھوڑے گا جس پر تم ہو، جب تک غلیظ لوگوں کو پاکیزہ سے الگ نہ کر دے)

اس آیت مقدسہ میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ منافقوں کا مومنوں کے ساتھ مل بیٹھنا رب تبارک و تعالیٰ کو پسند نہیں۔

منافقین کو مسجد سے نکل جانے کا حکم

جب غلیظ لوگوں کو طیب و طاہر لوگوں سے الگ ہونے کا وقت آیا۔ جمعہ شریف کا دن تھا۔ نمازِ جمعہ ادا کرنے کے لیے مسجد بھری ہوتی تھی۔ خطیب الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ ارشاد فرمانے کے لیے منبر پر جلوہ افروز ہوئے اور پھر ارشاد فرمایا: منافقو! آج تم میری مسجد سے نکل جاؤ۔ سرکارِ دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی سننے کے باوجود منافقین مسجد میں بیٹھے رہے، اس لیے کہ ان کا عقیدہ یہ تھا کہ تاجدارِ مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی خبر نہیں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر فرمایا: منافقو! مسجد سے نکل جاؤ، ورنہ تمہارے نام لے کر نکالوں گا۔ چنانچہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب منافقین نہ اٹھے، تو سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے نام لینے شروع فرمائے اور فرمایا:

اخرج یا فلان فانك منافق (فلاں نکل جا تو منافق ہے،

اخرج یا فلان فانك منافق (تفسیر کبیر) فلاں نکل جا، تو منافق ہے)

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ شرح شفا میں لکھتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جن منافقوں مردوں اور عورتوں کا نکالا تھا، ان میں

کَانَ الْمُنَافِقُوْنَ مِنَ الرِّجَالِ ثلثة (منافق مرد جو نکالے گئے، ان کی تعداد

مائة و من النساء و مائة سبعین تین سو تھی اور عورتیں ایک سو ستر)

حضرات سید المطہرین صلی اللہ علیہ وسلم نے ان خبیثوں کو ذلیل و رسوا کر کے مسجد سے نکال دیا۔ یہاں سے معلوم ہوا کہ مومن پاک ہے اور منافق پلید ہے۔

مسجدِ ضرار

چنانچہ منافقین نے مل کر ایک مسجد تیار کی، جہاں یہ خبیث لوگ ظاہری ریاکاری کی نماز پڑھنے کے لیے جمع ہوتے اور مجھنہ

کبریا علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خلاف منصوبے تیار کرتے، چنانچہ ایک مرتبہ ان منافقوں نے پروگرام بنایا کہ تاجدار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی مسجد میں تشریف لانے کی دعوت دی جائے اگر آپ یہاں تشریف لائے تو لوگوں کے دلوں میں اس مسجد کی عظمت پیدا ہو جائے گی اور پھر مومن یہاں آئیں گے اور ہم ان کے ایمانوں پر ڈاکہ ڈالنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ چنانچہ وہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کرنے لگے حضور! ہم نے ایک مسجد تعمیر کی ہے۔ آپ کرم فرمائیں اور اس مسجد میں تشریف لے چلیں اور ایک نماز وہاں پڑھا دیں۔ جب منافقوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں یہ دعوت پیش کی، تو اللہ تعالیٰ نے جبریل علیہ السلام کو یہ فرمان دے کر بھیجا،

وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَّكُفْرًا وَّتَفْرِيْقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ۔ (پ ۱۱ - ع ۲)

(اور وہ جنہوں نے مسجد بنائی نقصان پہنچانے کو اور کفر کے سبب اور مسلمانوں میں تفرقہ ڈالنے کو)

وَلَيَحْلِفُنَّ اِنْ اَرَدْنَآ اِلَّا الْحُسْنٰى ؕ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ (پ ۱۱ ع ۲)

اور وہ ضرور قسمیں کھائیں گے، ہم نے بھلائی چاہی اور اللہ گواہ ہے کہ وہ بیشک جھوٹے ہیں)

یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا: اے پیارے یہ مسجد ضرار کے بانی آپ کے سامنے قسمیں اٹھا اٹھا کر کہیں گے کہ ہم نے نیک ارادے سے مسجد تعمیر کی، مگر ان کا ارادہ ٹھیک نہیں، بلکہ انہوں نے یہ مسجد اسلام کو نقصان پہنچانے کے لیے اور مسلمانوں میں تفرقہ ڈالنے کے لیے بنائی، اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم!

لَا تَقُمْ فِيْهِ اَبَدًا۔ (تم اس مسجد میں کھڑے نہ ہونا)

منافقوں نے آپ کو اپنی مسجد میں تشریف لانے کی دعوت دی، مگر محبوب کبریا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمانِ خداوندی کے مطابق اس مسجد میں قدم بھی نہ رکھا اور بلکہ صاحب تفسیر مظہری لکھتے ہیں، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو حکم دیا کہ وہاں جاؤ اور مسجد کو گرا دو۔ چنانچہ

چند صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین وہاں پہنچے اور مسجد ضرار کو گرا دیا اور پھر جلایا اور زمین کے برابر کردیا۔ پھر رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا کہ اس جگہ کوڑا کرکٹ پھینکا جائے، چنانچہ وہاں مردار جانور اور غلاظتیں پھینکی جاتیں۔ (تفسیر مظہری)

حضرات! مدینہ منورہ میں آج بھی وہ جگہ موجود ہے جہاں منافقوں نے مسجد بنائی تھی، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو گرانے کا حکم دیا تھا، مگر اب اسی مقام پر تبلیغی جماعت والوں نے مسجد تعمیر کر رکھی ہے اور وہ لوگوں کو مسجد نبوی اور مسجد قبا سے کھینچ کھینچ کر اس مسجد میں لاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان مسجدِ ضرار کے معماروں سے ہر مسلمان کو محفوظ و مامون فرمائے۔

بزرگو، دوستو! تاجدارِ مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ ظاہری کے منافقوں کا عقیدہ سننے کے بعد اب ذرا ان لوگوں کا بھی عقیدہ سنیے جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِیْ قُلُوْبِهِمُ الْاِیْمَانَ۔

حضرت خزیمہ کی گواہی

تاجدارِ مدینہ سرورِ سینہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک اعرابی سے گھوڑا خریدا۔ پھر وہ اعرابی اپنے کیے ہوئے سودے سے منحرف ہوگیا اور کہنے لگا، میں نے یہ گھوڑا آپ کے ہاتھ فروخت ہی نہیں کیا۔ اگر آپ نے مجھ سے یہ گھوڑا خریدا ہے تو آپ کی شریعتِ مطہرہ کا قانون ہے کہ ہر معاملہ کے دو گواہ ہوں، لہٰذا آپ کوئی گواہ پیش فرمائیں، چنانچہ جب سودا طے پایا تھا تو اس وقت پاس بھی کوئی نہ تھا۔

اسی اثناء میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صحابی حضرت خزیمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ آگئے اور اس اعرابی کو محبوبِ کبریا صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جھگڑتے دیکھا تو آپ نے فرمایا:

اے اعرابی!

اَنَا اَشْهَدُ اِنَّكَ قَدْ بَايَعْتَهٗ۔
(ابوداؤد ج ۲ - ص ۵۲)

(میں یہ گواہی دیتا ہوں کہ تو نے یہ گھوڑا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ فروخت کیا ہے)

چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، اے خزیمہ جب یہ سودا طے ہوا تھا، میرے اور اعرابی کے سوا کوئی موجود نہ تھا۔ پھر تم نے یہ گواہی کیسے دے دی؟ آپ کے سوال پر انہوں نے عرض کیا،

انا اصدقك على بخبر السماء والارض الا اصدقك على الاعرابي

(جب میں آسمان وزمین کی خبروں پر آپ کی تصدیق کرتا ہوں تو پھر اس اعرابی کے مقابلہ میں آپ کی تصدیق نہ کروں)

اللہ اکبر! صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے عقیدے پر قربان جاؤں کہ انہوں نے بارگاہ رسالت مآب میں عرض کیا، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں نے آپ کے فرمانِ عالیہ ہی کو سن کر آپ کی آسمان وزمین کی خبروں کی تصدیق کی، تو کیا میں اس خریداری پر آپ کی تصدیق نہ کروں۔ یعنی اے پیارے آقا! صلی اللہ علیہ وسلم نہ ہم نے جنت و دوزخ کو دیکھا، نہ ہم نے عرش و کرسی کو دیکھا، نہ ہم نے لوح و قلم کو دیکھا، نہ ہم نے حاملانِ عرش، نہ بابِ جنت نہ ہی حور و غلمان کو دیکھا اور نہ ہم نے میزان اور پل صراط اور قیامت کے میدان کو دیکھا۔ نہ ہی ہم نے جنت کے ثمرات کو دیکھا، نہ ہی حور و قصور نہ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰر کو دیکھا اور نہ ہی ہم نے عالمِ برزخ نہ ہی منکر نکیر کو دیکھا۔ نہ ہی کراماً کاتبین نہ ہی ملائکہ مقربین کو دیکھا، نہ ہی حضرت جبرائیل و میکائیل کو دیکھا، نہ ہی اسرافیل و عزرائیل کو دیکھا، اور نہ ہی آپ سے پہلے ہم نے انبیاء و مرسلین کو دیکھا اور نہ ہی خالقِ دوجہاں ربّ العالمین جل شانہ کو دیکھا ۔

خدا کس کو کہتے تھے کیا جانتے تھے

وہ تیری زباں سے سنایا محمد

حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہم نے تو آپ کے بتانے پر بغیر دیکھے ہی خداوند عالم کے ایک ہونے کی گواہی دے دی اور کہا، اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِیْكَ لَهٗ۔

حضرات صحابیِ رسول نے عرض کیا، یارسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم ہم نے آپ کی آسمان و زمین کی خبروں کی بغیر دیکھے تصدیق کی۔ اس جواب پر رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کا دریائے رحمت جوش میں آگیا اور فرمایا شریعتِ مطہرہ کا اصول ہے کہ ہر معاملہ کے دو گواہ ہوتے ہیں، مگر جس معاملہ کی گواہی خزیمہ دے دیں، انہیں کی گواہی کافی ہے، یعنی آپ کی گواہی دو مردوں کے برابر سمجھی جاتے گی۔

سبحان اللہ! محبوبِ کبریا، مالکِ ہر دوسرا صلی اللہ علیہ وسلم کی تائید و تصدیق کرنے والے کو انعام سے مالا مال کیا گیا اور آپ پر تنقید کرنے والوں کو مسجد سے ذلیل و خوار کر کے نکالا گیا۔

وصالِ فرزندِ رسول

سید المرسلین رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے شہزادے حضرت قاسم رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کا ایام رضاعت میں ہی وصال کمال ہو گیا۔ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اپنے نورِ نظر لختِ جگر کا بڑا غم ہوا اور ایک دن بارگاہِ بیکس پناہ میں عرض کیا کہ رب تعالیٰ میرے فرزند حضرت قاسم کو اتنی دیر زندگی بخش دیتا کہ ان کے ایامِ رضاعت پورے ہو جاتے۔ یہ غمزدہ بات سُن کر مالکِ کوثر، محبوبِ ربِ اکبر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ اے خدیجہ! تیرے بیٹے کے ایامِ رضاعت جنت میں پورے ہوں گے۔ حضرت خدیجہ نے پھر وہی کلمات دُہرائے تو اس پر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اے خدیجہ! اگر تم چاہو تو میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کروں، پھر تم اپنے فرزند کی آواز جنت میں سے زمین پر سُن لو۔ اس پر جناب خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا،

صَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ۔ (اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ فرمایا)

(خصائص کبریٰ ج ۲۔ صفحہ ۸۸)

اس حدیث پاک سے معلوم ہوا کہ جنت آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیشِ نظر ہے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اس غیبی خبر کو سن کر حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بغیر

دیکھے اور آواز سُنے اس کی تائید و تصدیق کر دی۔ سرکارِ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس مقام پر یوں فرماتے ہیں ؎

سرِ عرش پر ہے تیری گزر، دلِ فرش پر ہے تیری نظر
ملکوت و ملک میں کوئی شے نہیں، وہ جو تجھ پر عیاں نہیں

حضرات محترم! حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علمِ غیب کو صحابہ کرام اور مومنین تو مانتے تھے، مگر منافقین و کافر انکار و استہزاء کیا کرتے تھے۔ رب تبارک و تعالیٰ جل مجدہ کی بارگاہ میں دُعا اور التجا ہے کہ وہ ہمیں اپنے محبوب پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا غلام بنائے اور آپ کے صحابہ پاک رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق مرحمت فرمائے ؎

تڑپنے پھڑکنے کی توفیق دے
دلِ مرتضیٰ سوزِ صدیق دے

وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِيْن

تاجدارِ صداقت

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِنَا وَسَیِّدِ الْاَنْبِیَاءِ مُحَمَّدِنِ الْمُصْطَفٰی وَعَلٰی اٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ نُجُوْمِ الْهُدٰی وَاَوْلِیَاءِ اُمَّتِهٖ وَعُلَمَاءِ مِلَّتِهٖ اَجْمَعِیْنَ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ اَبَدًا اَبَدًا ۔ اَمَّا بَعْدُ ۔ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۔ وَسَیُجَنَّبُهَا الْاَتْقَی ۔ الَّذِیْ یُؤْتِیْ مَالَهٗ یَتَزَكّٰی ۔ وَمَا لِاَحَدٍ عِنْدَهٗ مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزٰی ۔ اِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْاَعْلٰی ۔ وَلَسَوْفَ یَرْضٰی ۔ صَدَقَ اللّٰهُ مَوْلٰنَا الْعَظِیْمُ ۔ وَصَدَقَ رَسُوْلُهُ النَّبِیُّ الْكَرِیْمُ الْاَمِیْنُ ﷺ

حضرات یہ جو آیاتِ بینات میں نے آپ کے سامنے تلاوت کی ہیں، ان میں ربِ کائنات نے اپنے پیارے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پیارے صحابی قصرِ صداقت کے شہنشاہ، منبعِ صدق وصفا، معدنِ جود وعطا، خلیفۂ محبوبِ ربِ اکبر سیدنا ومولانا صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عظمتِ شان بیان فرمائی:

وَسَیُجَنَّبُهَا الْاَتْقَی ۔ الَّذِیْ یُؤْتِیْ مَالَهٗ یَتَزَكّٰی ۔ وَمَا لِاَحَدٍ عِنْدَهٗ مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزٰی ۔

اور دور رکھا جائے گا دوزخ سے، جو سب سے بڑا پرہیزگار، جو اپنا مال دیتا ہے کہ ستھرا ہو اور کسی کا اس پر کوئی احسان نہیں جس کا بدلہ

اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْاَعْلٰى ۝ وَلَسَوْفَ یَرْضٰى ۝ پ ۳۰ ع ۱۷)

دیا جائے صرف اپنے رب کی رضا چاہتا ہے جو سب سے بلند ہے اور بے شک قریب ہے کہ وہ راضی ہوگا۔

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بہت گراں قیمت پر خرید کر آزاد فرمایا۔ کفار کو اس پر حیرت ہوئی اور انہوں نے کہا کہ صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایسا کیوں کیا؟ شاید حضرت بلال کا ان پر کوئی احسان ہوگا جو انہوں نے اتنی گراں قیمت پر خریدا اور آزاد کر دیا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور ظاہر فرما دیا گیا کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا یہ کام صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے تھا، کسی کے احسان کا بدلہ نہیں اور نہ ہی ان پر کوئی حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ کا احسان ہے۔ آپ نے بہت سے لوگوں کو جو غلامی کی زندگی بسر کر رہے تھے، خرید کر آزاد کیا۔

بزرگو اور دوستو! سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذاتِ مقدسہ محتاجِ تعارف نہیں۔ کون کلمہ گو ہے جو آپ کی شخصیت و مرتبت سے آشنا نہیں، کیونکہ فاران کی چوٹیوں سے جب آفتابِ اسلام بلند ہوا، معلمِ انسانیت نبی کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے جب دعوتِ اسلام دی، تو سب سے پہلے جس قلبِ مقدس و مطہر نے انوارِ ایمانی کو اپنے اندر جذب کیا، اپنے دل کو اسلام کی نورانی دعوت کا نشیمن بنایا، وہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مبارک و مقدس دل ہے، اور اس قلبِ مطہر کے جذبات حسنہ تھے اور انہیں جذباتِ حسنہ کا مظہر وہ مقدس عمل و کردار ہے جس کی تعریف و ستائش میں خدائے بزرگ و برتر نے کلام اللہ میں ایسی آیتیں نازل کیں اور ان کی مدح سرائی میں سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے فضائل بیان فرمائے جنہوں نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو انبیاء کرام کے سوا ساری دنیا سے برتر و ممتاز بنا دیا۔ آپ وہ بلند مقام حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہیں کہ انہوں نے سب سے پہلے کلمہ پڑھا، خدا کی وحدانیت اور نبی علیہ السلام کی رسالت کا اقرار کیا۔

کون صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ؟ ——— جس کا والد، بیٹا، پوتا امام الانبیاء کی صحابیت کے شرف سے مشرف ہوئے۔

کون صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ؟ ——— جس کے قول وفعل میں امانت ودیانت تھی، جس کی طبیعت میں شفقت تھی، جس کے قلب منور میں روحانیت تھی، جس کی دُعا میں قبولیت تھی، جس کے کردار میں رفعت تھی، جس کے افعال واقوال میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مطابقت تھی، جس کی جلوت وخلوت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت تھی، بلکہ جس کو دیکھنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاوت تھی، اُس کو حاصل نبی کی خلافت تھی، امامت کے ساتھ جس کے فیصلے میں عدالت تھی، میدان جنگ میں بہادروں کی سی شجاعت تھی، جس کے مال میں سخاوت تھی، راہِ خدا میں گھر کا گھر لٹا دینا جس کی عادت تھی۔

بیاں ہو کس زباں سے مرتبہ صدیق اکبر کا
ہے یارِ غار محبوب خدا صدیق اکبر کا
لٹایا راہِ حق میں گھر کئی بار اس محبت سے
کہ لُٹ لُٹ کر حسنؔ گھر بن گیا صدیق اکبر کا

کون صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ؟ ——— ملائکہ حضور علیہ السلام کے آستانہ عالیہ پر حاضر ہوں، مگر قربان جائیں صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مقدر پر کہ حضور جن کے گھر دن میں دو مرتبہ تشریف لے جاتے ہیں۔

اِنَّ عَائِشَةَ زَوْجَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَتْ لَمْ اَعْقِلْ اَبَوَيَّ اِلَّا وَهُمَا يَدِيْنَانِ الدِّيْنَ وَلَمْ

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی ہیں، فرماتی ہیں کہ میں نے جب سے ہوش سنبھالا ہے اپنے والدین

يَمُرُّ عَلَيْنَا يَوْمٌ اِلَّا يَاتِيْنَا فِيْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ طَرَفَيِ النَّهَارِ بُكْرَةً وَّعَشِيَّةً۔

دین کی پیروی کرتے دیکھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صبح و شام روزانہ ہمارے یہاں تشریف لاتے۔

(بخاری ص۶۸ ج۱)

حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ حَجَّ لِلّٰهِ فَلَمْ یَرْفُثْ وَلَمْ یَفْسُقْ رَجَعَ کَیَوْمٍ وَلَدَتْهُ اُمُّهٗ۔

(مشکوٰۃ ص۲۲۱)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ وہ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے اللہ تعالیٰ کے لیے حج کیا اور فحش کلام اور گناہ نہیں کیا، جب واپس ہوگا تو اس دن کی طرح ہوگا جس میں اس کی ماں نے اسے جنا ہے۔

جو شخص حج کرتا ہے، وہ ایسے ہو جاتا ہے جیسے ماں نے اسے ابھی جنم دیا ہو۔ یعنی جب بچہ پیدا ہوتا ہے، تو اس وقت اس کے ذمّے کوئی گناہ نہیں ہوتا۔ حج کرنے والا ایسا گناہوں سے پاک ہو جاتا ہے۔ لیکن جو کعبہ کے کعبے کو دیکھنے والا ہو، نماز پڑھنے والا نمازی ہو، جہاد کرنے والا غازی ہو، قرآن پڑھنے والا قاری ہو، حج کرنے والا حاجی ہو اور حضور کو ایمان کے ساتھ دیکھنے والا صحابی ہو جو سب سے افضل ہو۔ مقامِ غور ہے ؎

کعبے کی زیارت کرکے حقدار جنت کے بنتے ہیں
بھلا ان کو ہم کیا سمجھیں جو یار کے گھر میں رہتے ہیں

کون صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ؟ — جس نے کلمہ پڑھا تو کلمے والے کو دیکھا، اذان سُنی تو اذان والے کو دیکھا، دُرود پڑھا، تو دُرود والے کو دیکھا، خطبہ سُنا تو خطبے والے کو دیکھا، قرآن پڑھا تو صاحبِ قرآن کو دیکھا؛ جن کی شان نبی علیہ السلام نے یوں بیان فرمائی:

وَعَنْ سَعِيْدِ بْنِ الْخُدْرِيِّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ اَمَنَّ النَّاسِ عَلَيَّ فِيْ صُحْبَتِهٖ وَمَالِهٖ اَبُوْبَكْرٍ۔ (مشکوٰۃ ص۵۵۵)

حضرت سعید بن خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سارے انسانوں میں مجھ پر احسان کرنے والا اپنی محبت و مال میں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔

؎ آں امن النّاس بر مولائے ما
آں کلیمے اوّل سینائے ما

عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا لِاَحَدٍ عِنْدَنَا يَدٌ اِلَّا وَقَدْ كَافَيْنَاهُ مَا خَلَا اَبَا بَكْرٍ فَاِنَّ لَهٗ عِنْدَنَا يَدًا يُكَافِئُهُ اللّٰهُ بِهَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَمَا نَفَعَنِيْ مَالُ اَحَدٍ قَطُّ مَا نَفَعَنِيْ مَالُ اَبِيْ بَكْرٍ وَلَوْ كُنْتُ مُتَّخِذًا خَلِيْلًا لَاتَّخَذْتُ اَبَا بَكْرٍ خَلِيْلًا اَلَا وَاِنَّ صَاحِبَكُمْ خَلِيْلُ اللّٰهِ۔ (مشکوٰۃ ص۵۵۵)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہم پر کسی کا احسان نہیں، مگر ہم نے اس کا بدلہ کر دیا۔ سوا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہم پر ان کا احسان ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں اس کا بدلہ قیامت کے دن دے گا۔ مجھے کسی کے مال نے اتنا نفع نہیں پہنچایا۔ جتنا ابوبکر کے مال نے دیا، اگر میں کسی کو خلیل بناتا تو ابوبکر کو خلیل بناتا، خیال رکھو تمہارے صاحب اللہ تعالیٰ کے دوست ہیں۔

عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ، نے بارگاہ بے کس پناہ میں عرض کی یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کو سب سے زیادہ محبت کس سے ہے تو سیّدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، عائشہ (رضی اللہ عنہا) سے۔ عرض کیا، حضور، مردوں میں کس سے زیادہ محبت ہے؟ فرمایا، اَبُوْهَا۔ اس کے باپ، یعنی سیّدنا حضرت ابوبکر صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے۔ (بخاری ص۵۱۸ ج۱)

صدیق اکبر کی ایک نیکی

محبوبۂ محبوبِ رب العالمین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک رات بہت چاندنی تھی، آسمان ستاروں کے جھل مل سے جگمگا رہا تھا۔ مدینے کے چاند، تاجدار مدینہ میری گود میں سرِ انور رکھ کر استراحت فرما رہے تھے جب آسمان کے ستاروں کی طرف میں نے دیکھا تو میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا،

یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ هَلْ تَکُوْنُ لِاَحَدٍ مِنَ الْحَسَنَاتِ عَدَدَ نُجُوْمِ السَّمَآءِ۔ (مشکوٰۃ۔ ص ۵۶۰)	یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، کیا کسی کی نیکیاں آسمان کے ستاروں کے برابر ہوں گی؟

اس سوال سے معلوم ہوتا ہے کہ ام المومنین کا عقیدہ تھا کہ میرے آقا کو آسمان کے تمام ستاروں کی تعداد کا بھی علم ہے اور اپنی امت کی نیکیوں کی بھی خبر ہے۔ سنیئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا جواب ارشاد فرمایا،

نَعَمْ عُمَرُ ہاں عمر ہیں جن کی نیکیاں آسمان کے ستاروں کے برابر ہیں۔

عرض کیا آقا! فَاَیْنَ حَسَنَاتُ اَبِیْ بَکْرٍ تو میرے والدِ محترم صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی نیکیاں کدھر گئیں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، عائشہ! عمر کی ساری نیکیاں ابوبکر صدیق کی نیکیوں میں سے ایک نیکی کی طرح ہیں۔ علماء اس ایک نیکی کے بارے میں کہتے ہیں کہ یہ غار والی نیکی کا ذکر ہے۔ کون نے صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ؟

جنت کا ٹکٹ

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، شیر خدا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھ کر مسکرائے۔ کوئی وجہ تبسم کی نہ پاکر جناب علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا، اے پیارے صدیق! آپ کیوں مسکرا رہے ہو؟ صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا، مجھے ایک بات یاد آگئی جس سے میں خوش ہو رہا ہوں کہ

رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے فرمایا جنت میں وہی شخص جائے گا جسے علی اجازت اور ٹکٹ دیں گے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا، آپ بالکل بجا فرما رہے ہیں، مگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی تو فرمایا تھا کہ علی اسی سعادت مند کو جنت کا ٹکٹ دینا جس کے دل میں صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی محبت ہوگی۔ (گنبدِ خضرا صـ۱۰۸)

بُت شکن

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قبول اسلام سے قبل بھی کسی بُت کو سجدہ نہ کیا۔ جب آپ کی عمر شریف چار سال تھی، تو آپ کو آپ کے والدِ محترم ابو قحافہ بُت خانے میں لے گئے اور آپ سے وہاں پہنچ کر کہا،

هٰذِهٖ اٰلِهَتُكَ الشُّمُّ الْعُلٰى فَاسْجُدْ لَهُمْ — یہ تمہارے بلند و بالا خدا ہیں، انہیں سجدہ کرو۔ (ارشاد الساری شرح بخاری ج ۶ صـ۱۸۸)

جب آپ بُت کے پاس تشریف لے گئے، تو اس سے کہا اگر تو خدا ہے تو میں بھوکا ہوں، مجھے کھانا دے۔ میں ننگا ہوں، مجھے کپڑا دے، پھر آپ نے ایک پتھر اٹھایا اور اس بت سے کہا، اگر تو خدا ہے، تو میری مار سے اپنے آپ کو بچا۔ جب کوئی جواب نہ ملا تو آپ نے وہ پتھر اسے مار دیا۔ وہ لگتے ہی گر گیا اور قوتِ خداداد کی تاب نہ لا سکا۔ باپ نے جب یہ معاملہ دیکھا، تو انہوں نے آپ کو ایک تھپڑ مارا، اور وہاں سے آپ کی ماں کے پاس لائے سارا واقعہ بیان کیا تو آپ کی والدہ نے کہا، اسے اس کے حال پر چھوڑ دو، جب یہ پیدا ہوا تھا تو غیب سے یہ آواز آئی تھی،

يَا اَمَةَ اللّٰهِ بِالتَّحْقِيْقِ اَبْشِرِيْ بِالْوَلَدِ الْعَتِيْقِ اِسْمُهٗ فِي السَّمَآءِ الصِّدِّيْقُ لِمُحَمَّدٍ صَاحِبٌ وَّ رَفِيْقٌ۔

اے اللہ تعالیٰ کی بندی! تجھے بشارت ہو، یہ بچہ عتیق ہے، اس کا نام آسمانوں میں صدیق ہے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کا صاحب اور رفیق ہے۔

(ارشاد الساری شرح بخاری ج ۶ صـ۱۸۸)

یہ واقعہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، نے خود حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی مجلس میں سنایا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، فرماتے ہیں،

فَلَمَّا انْقَضٰی کَلَامُ اَبِی بَکْرٍ نَزَلَ جِبْرِیْلُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَقَالَ صَدَقَ اَبُوْبَکْرٍ۔
(ارشاد الساری شرح بخاری ص۱۸۱)

جب صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بات ختم کی تو جبریل علیہ السلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سچ کہا۔

قبولِ اسلام

آپ تجارت کے لیے ایک مرتبہ شام تشریف لے گئے۔ وہاں آپ نے خواب دیکھا کہ چاند آپ کی جھولی میں آگیا۔ صبح ہوئی تو آپ نے ایک راہب سے تعبیر پوچھی! اس نے بتایا کہ آپ نبی آخر الزماں کا کلمہ پڑھیں گے۔ آپ اس آقا کے دین کو قبول کریں گے جن کی خاطر اللہ تعالیٰ نے کل کائنات کو پیدا فرمایا۔ اگر وہ نہ ہوتے تو کچھ بھی نہ ہوتا۔ سرکارِ اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں ؎

وہ جو نہ تھے تو کچھ نہ تھا وہ جو نہ ہوں تو کچھ نہ ہو
جان ہیں وہ جہان کی جان ہے تو جہان ہے

راہب نے کہا، اے صدیق اکبر! مبارک ہو تم اس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاؤ گے جن کے صدقے سب کچھ بنایا گیا۔ اس تعبیر سے آپ کے دل میں عشقِ رسول کی لہر دوڑ گئی اور دیدارِ محبوب کی تڑپ پیدا ہو گئی۔ آپ وہاں سے کوئے محبوب کی طرف روانہ ہوئے اور چلتے چلتے آستانۂ رسول پر پہنچ گئے۔ آقا نے صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، کو دیکھا تو مسکرا دیے، گویا زبانِ حال سے فرمایا، صدیق آئے نہیں لائے گئے ہیں۔ سو آقا کے قدموں میں بیٹھ کر دیدارِ جہاں آرا سے سرفراز ہوتے ہوئے عرض کی، حضور میں آپ کا کلمہ پڑھنا چاہتا ہوں، مجھے کوئی معجزہ دکھائیے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے

فرمایا جس کی ترجمانی کسی شاعر نے اس طرح کی ہے ؂

توں جو ڈٹھا خواب دے اندر چن لتھا اسمانوں
ہو گئے ہور ستارے گردے ہیا فضل رحمانوں

اس کی تعبیر یہ ہے ؛

ادہ چن ہیں ماں آپ محمد قول جنہد سے گھر آیا
تسیں ستارے میرے سارے پاک نبی فرمایا

سیدنا صدیق اکبر نے سن کر عرض کی ، صَدَقْتَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ (آقا آپ نے سچ فرمایا) اور کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گئے ۔ اور پھر ساری زندگی اسی محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی اور محبت میں گزار دی ۔ آپ اکثر آپ کی مجلس میں بیٹھتے اور آپ کی صحبت سے فیوض و برکات حاصل کرتے ، آہستہ آہستہ مسلمانوں کی تعداد بڑھنا شروع ہو گئی ۔

اسلام کا خطیب

جب مسلمانوں کی تعداد اڑتیس (۳۸) ہو گئی تو سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بارگاہ نبی کریم میں عرض کی ، حضور اب ہمیں علی الاعلان تبلیغ کرنا چاہیے ۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ، اے پیارے صدیق ! ابھی ہم تعداد کے لحاظ سے تھوڑے ہیں ۔ صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بار بار اصرار کیا تو آپ نے منظور فرمایا اور مسجد حرام کی طرف تشریف لے گئے اور وہاں پہنچ کر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ تقریر کے لیے کھڑے ہوئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی تشریف فرما تھے ۔ اسلام میں یہ وہ پہلے خطیب ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی طرف دعوت دی ۔

جب آپ نے لوگوں کو دعوت الی اللہ دی ، تو مشرکین مکہ چاروں طرف سے ٹوٹ پڑے ، بڑی بے دردی سے آپ کو مارنا شروع کیا ۔ آپ کو اس قدر مارا کہ آپ کا چہرہ مبارک رنگین ہو گیا ۔ بالآخر آپ کے خاندان بنی تیم کے لوگ آتے تو پھر وہ مشرکین مکہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے ہٹے

بنی تیم حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایک کپڑے میں لپیٹ کر ان کے گھر میں چھوڑ آئے۔ ان لوگوں کو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی موت میں کوئی شک نہ تھا۔ اس کے بعد بنی تیم مسجد حرام میں پہنچے اور کہا کہ اگر ابوبکر کی وفات ہوگئی تو ہم تم سے بدلہ لیں گے۔ اس کے بعد یہ لوگ لوٹ کر حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس پہنچے۔ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے والد اور دوسرے لوگوں نے آپ کو بلایا، لیکن شدت زدو کوب کی وجہ سے آپ بول نہ سکتے تھے۔ دن کے آخری حصے بات چیت کرنے کے قابل ہوئے۔ اسی وقت پوچھا میرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا حال ہے؟ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس سوال پر بنی تیم نے طعنہ دیا ملامت کی پھر وہ چلے گئے۔ ان کا خیال تھا شاید مار پٹائی کی وجہ سے صدیق اکبر دامن محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ دیں گے لیکن آپ نے ہوش سنبھالتے ہی اپنے آقا کی خیریت دریافت کر کے یہ بتا دیا ؎

رسول اللہ توں صدقے جان میری
ایہہ فانی زندگی قربان میری

جب سب لوگ چلے گئے، اکیلی ماں ہی تھی جو پاس بیٹھی تھی۔ ماں نے بیٹے سے کہا، اے میرے بیٹے! بتاؤ کچھ کھانا پینا بھی ہے؟ آپ جواب میں ارشاد فرماتے ہیں۔ اماں میرے محبوب کا کیا حال ہے؟ — اماں میرے محبوب کا کیا حال ہے؟ — ماں نے جواب دیا، بیٹے! مجھے تمہارے آقا کے بارے میں کچھ معلوم نہیں۔ صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا، اماں جان! ام جمیل بنت خطاب کے پاس جاؤ اور ان سے آپ کی خیریت دریافت کر کے آؤ۔ چنانچہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی والدہ محترمہ ام جمیل رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس آئیں اور ان کو ساتھ لے کر واپس گھر پہنچ گئیں — ام جمیل بنت خطاب جو فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ہمشیرہ ہیں، وہ کلمہ طیبہ پڑھ چکی تھیں جب حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر گئیں، تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا، ام جمیل! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا حال ہے؟ ام جمیل نے کہا، بالکل خیریت سے ہیں آپ نے پوچھا، کہاں ہیں؟ ام جمیل رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا، ابن ارقم کے گھر میں۔ حضرت

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا، خدا کی قسم! میں اس وقت تک نہ کھانا کھاؤں گا نہ پانی پیوں گا، جب تک سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر نہ ہو جاؤں ۔

عاشق دا جو دُنے دارو باجھ ملاپ سجن دے
اوہ سیاناں جان ایانا جانے رو گ نہ تن دے

آخر بوڑھی ماں نے صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سہارا دیا اور آستانہ محبوب کی طرف ماں بیٹا روانہ ہوتے۔ جب بارگاہِ محبوب میں پہنچے تو آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ محبوب ربِ کریم علیہ السلام نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ماتھے کا بوسہ لیا۔ تمام مسلمان جو وہاں حاضر تھے سب صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف متوجہ ہو گئے اور حضور پر ان کی طرف سے انتہائی رقت طاری ہو گئی۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے عرض کی، آقا! یہ میری ماں اپنے بیٹے کے ساتھ بڑی محسنہ ہے۔ آپ برکت والے ہیں۔ امید ہے کہ آپ کی طفیل اللہ تعالیٰ ان کو جہنم سے نجات دے دے۔ صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بارگاہ بے کس پناہ میں یہ عرض کرنا تھا کہ آقا کرم سے کیا دیکھتے ہیں کہ اماں جان کلمہ پڑھ کر شرفِ صحابیت حاصل کر چکی ہیں۔

(حیاۃ الصحابہ اُردو، ج ۲۔ صفحہ ۲۹)

میرے بزرگو اور دوستو! سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کلمہ پڑھنے کے بعد اپنی جان، مال سے اسلام کی خدمت کی۔ مکہ میں کئی لوگ جو مسلمان تھے اور غلامی کی صعوبتوں کو برداشت کر رہے تھے، صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انہیں خرید کر آزاد کر دیا، ان میں سے ایک سیدنا بلال حبشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی ہیں۔

خریداری حضرت بلال

سیدنا حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کسی کام کی غرض سے جا رہے تھے کہ اچانک آپ کو اَحَد اَحَد کی بلند صدائیں سُنائی دیں۔ کیا دیکھتے ہیں کہ اُمیہ کافر ایک کالے رنگ کے غلام کو دھوپ میں ننگا لٹا کر کانٹوں کی چھڑی سے مار رہا ہے اور وہ اَحَدٌ اَحَدٌ پکار رہا ہے۔ مالک

مارتا ہے اور اسے کہتا ہے ؎

کہ چرا تو یادِ احمد می کنی
بندۂ بد منکرِ دینِ منی

(کہ تو احمد صلی اللہ علیہ وسلم کو کیوں یاد کرتا ہے، تو بُرا غلام ہے جو میرے دین کا منکر ہے)

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے یہ منظر دیکھا، تو ان کی آنکھیں پُرنم ہو گئیں۔ اس غلام کا حال معلوم کرنے کے لیے آپ تنہائی میں اس کے پاس گئے۔ اس کا نام پوچھا، اس نے کہا، بلال! آپ نے فرمایا، تم اپنا عقیدہ مشرکوں، کافروں سے پوشیدہ رکھا کرو، ہمارا خالق و مالک علیم بذات الصدور ہے۔ بلال مان گئے۔ دوسرے دن جب پھر صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ وہاں سے گزرے تو پھر اَحَدٌ اَحَدٌ کی صدائیں بلند ہو رہی تھیں۔ امیہ کافر کانٹوں بھری چھڑی سے عاشقِ صادق کو آج پھر مار رہا تھا۔ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ ظلم و ستم دیکھا تو دل میں اضطراب کا شور اور غصے کی چنگاریاں اٹھیں۔ پھر علیحدگی میں بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا کہ تم اپنا اعتقاد پوشیدہ رکھو۔ وہ وعدہ تو کر لیتے، لیکن ولولۂ عشق پھر اس عہد کو کھا جاتا۔ ترکِ اظہار کے عہد کو غلبۂ عشق کا سیلاب بہالے جاتا اور مالک مارتا۔ صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، اعتقاد کو مخفی رکھنے کا مشورہ دیتے۔ آخر کار اس عاشقِ صادق نے عرض کی ؎

کیوں ہو بجرہ اُتوں ہور، وچوں ہور ہو جانواں
بھلا میں ہو کے عاشق عشق دا کیوں چور ہو جانواں

فاش کردہ سپرد تن در بلا!!
کاتے محمد اے عدو توبہ با!

آخر کار انہوں نے اپنے ایمان کو اور زیادہ ظاہر کر دیا اور بدن کو پہلے بلا کے سپرد کر دیا اور بزبانِ حال یوں کہتے: قربان جاؤں اس آقا کے جن کا عشق ایسے عہد و قرار کے لیے دشمن ہے جو ضبطِ عشق کے لیے کیے جائیں۔ اے آقا آپ کی یاد میری زندگی کی بقا کا ذریعہ ہے، اس کو چھوڑنے کا عہد کس طرح کر سکتا ہوں۔

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، نے کئی مرتبہ ان کو اپنا عقیدہ پوشیدہ رکھنے کو کہا، لیکن وہ اس کی پابندی نہ کر سکے۔ مایوس ہو کر بلال باصفا کی سرگزشت بارگاہ بیکس پناہ میں عرض کر دی، اے آقا! مدیح ایمان کا شاہی باز کافر الوؤں سے مصیبتیں برداشت کر رہا ہے حضور بلال کو امیہ کافر نے اپنے ظلم و ستم کا نشانہ بنا رکھا ہے۔ میخوں سے جکڑ کر ننگے بدن دھوپ میں لٹا کر کانٹوں کی چھڑی سے مارتا ہے جس سے اس عاشق زار کے جسم سے صدہا خون کے فوارے بہنے لگتے ہیں، لیکن وہ برابر اَحَدٌ اَحَدٌ پکارتا رہتا ہے۔ ان درندہ صفت لوگوں کی بدسلوکیوں کے سامنے مجبور و رنجور ہے، اس کا قصور یہ ہے :

وَمَا نَقَمُوْا مِنْهُمْ اِلَّآ اَنْ یُّؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ الْعَزِیْزِ الْحَمِیْدِ (پ ۳۰ ع ۱۰) (اور انہیں مسلمانوں کا یہی بُرا لگا کہ وہ ایمان لے آئے عزت والے سب خوبیوں کے سراہے جانے والے پر)

آقا میں نے بارہا بلال کو سمجھایا کہ تم اپنا دین مخفی رکھو اور ملعون کافر سے اپنا ایمان چھپاؤ مگر کیا کیا جائے عشق کی طغیانی ان پر قیامت بن گئی۔ اس قیامت میں ان کے پختہ ایمان کا پوشیدہ رہنا مشکل ہو گیا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، بتاؤ صدیق پھر تمہارا کیا مشورہ ہے؟ عرض کی، آقا بندہ تو بلال کا خریدار ہے، چاہے کتنی قیمت کیوں نہ ادا کرنا پڑے ؎

مصطفیٰ فرمود کائے اقبال جو
اندریں من می شوم انبار تو

(سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اے طالب اقبال اس خریداری میں میں بھی تمہارے ساتھ شریک ہوتا ہوں)

چنانچہ صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، بلال کو خریدنے کے لیے اُمیہ کافر کے گھر پہنچے، دروازہ کھٹکھٹایا۔ دروازہ کھلا، اور امیہ کافر سے گفتگو کا سلسلہ شروع ہوا۔ آپ نے فرمایا، اے امیہ! حبشی غلام سیدنا بلال کو کیوں مارتا ہے، تجھے اس پر رحم کرنا چاہیئے۔ وہ کہنے لگا: اگر تمہیں ہمدردی ہے تو تم

خرید لو۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا، بولو کیا لیتے ہو؟ میں خریدنے کو تیار ہوں۔ امیہ کہنے لگا نہیں بتاؤ کیا دو گے؟ آپ نے فرمایا، میرے پاس ایک خوبصورت غلام ہے جو بدن کا گورا ہے اور دل کا کالا (یعنی اس کے دل میں نورِ ایمان نہیں) مجھے بلال دے دو اور وہ غلام لے لو۔ حضرت صدیق اکبر نے غلام منگوایا۔ امیہ نے جب دیکھا تو حیران ہو گیا اور ظاہری سج دھج سے دھوکہ میں آکر فریفتہ ہو گیا اور دل ہی دل میں اس تبادلے پر بڑا خوش ہو گیا، لیکن حضرت صدیق اکبر کے اشتیاقِ خریداری کو دیکھ کر نیت بدل گئی کہنے لگا، میں غلام کے بدلے غلام نہیں دوں گا۔ آپ نے گورے رنگ کے غلام کے ساتھ اشرفیوں کا بھی اضافہ کر دیا جس سے امیہ کی حرص مطمئن ہو گئی۔ بلال کو بھاری قیمت اور غلام کے بدلے خرید لیا، سودا طے ہو گیا اور عاشقِ صادق بلال کو لے لیا اور چلنے لگے تو امیہ کافر نے طنز و تمسخر سے زوردار قہقہہ لگایا۔ آپ نے فرمایا، امیہ تو کیوں ہنس رہا ہے؟ کہنے لگا: ابوبکر! اگر حبشی غلام کی خریداری میں تمہاری یہ دلچسپی نہ ہوتی، تو میں تکرار میں سرگرم نہ ہوتا اور اس قیمت کے دسویں حصہ میں بھی بلال تمہارے ہاتھ فروخت کر دیتا۔ میں نے تمہارے شوقِ خریداری کی وجہ سے بلال کو بھاری قیمت میں بیچا ہے، اس خریداری میں تمہیں خسارہ ہوا ہے۔ صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا، تو نے بلال کو بڑے سستے داموں فروخت کیا ہے اور کہتا ہے کہ میں نے بلال کو مہنگا بیچا ہے۔ اے کم فہم! میں تو بلال کے عوض اپنی ساری جائیداد دینے کے لیے تیار تھا، اگر تو اس پر راضی ہوتا تو میں پھر بھولی بھر کر اشرفیوں کی کسی سے قرض لے کر بھی دے دیتا۔ تو خسارے میں رہا ہے کہ بلال کو ارزاں فروخت کر دیا۔ تیری نگاہِ بد نے سوائے ظاہر کے کچھ نہ دیکھا، تو کالے رنگ اور غلامانہ لباس سے دھوکہ کھا گیا اور اس کے باطنی کمالات سے آگاہی حاصل نہ کر سکا۔

قدر پھلاں دا بلبل جانے صاف دماغاں والی
قدر پھلاں دا گرج کی جانے مردے کھاون والی

پھر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بلال حبشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہاتھ پکڑا اور آستانۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر حاضر ہو گئے۔

چوں بدید آں خستہ روئے مصطفیٰ
خر مغشیا فتاد او بر قفا

جب اس خستہ حال بلال نے چہرۂ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم دیکھا تو غش کھا کر گر پڑے اور پشت کے بل جا پڑے، دیر تک بے ہوش رہے۔ جب ہوش آیا تو فرطِ محبت میں آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔

جنہاں دلاں وچ عشق سمانا رزناں کم اونہاں
مل دے روندے وچھڑے روندے روندے ٹردے راہاں

رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے بلال کو اپنی آغوش میں لے لیا اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے فرمایا، میں نے آپ سے کہا تھا کہ بلال کی خریداری میں مجھے بھی شامل کر لیجئے، تو تم تنہا ہی خرید لائے۔ صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی۔

گفت ما دو بندگان کوئے تو
کردمش آزاد آں بر روئے تو

عرض کیا، حضور ہم دونوں جناب کے کوچے کے غلام ہیں، میں بلال کو آپ کے روبرو آزاد کرتا ہوں۔

وطن قربان

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور علیہ السلام کی مکی زندگی میں ہر قسم کی مالی جانی قربانی پیش کی۔ دین متین کی خاطر سرِ نوک خار کو گل تر سمجھا۔ ہر قسم کی تکلیف کو برداشت کیا، بالآخر پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم نے وطن چھوڑنے کا حکم فرمایا تو آپ اس کے لیے بھی تیار ہو گئے:

مسلمانوں پر قریش کے ظلم و ستم اور ایذا رسانی کا سلسلہ اتنی شدت اختیار کر چکا تھا کہ مسلمان ہجرت کرنے پر مجبور ہو گئے تھے، چنانچہ ایک جماعت حبشہ کی طرف ہجرت کر گئی۔ باقی کچھ لوگ مدینہ منورہ ہجرت کر کے چلے گئے، مکہ مکرمہ میں گنتی کے چند مسلمان رہ گئے تھے تو قریشِ مکہ نے کہا کہ اب

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو معاذ اللہ قتل کر دینے کا اچھا موقعہ ہے۔ باہم مشورے کے لیے دارالندوہ میں جمع ہوئے، کئی تجاویز پیش ہوئیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے۔ آخر طے یہ پایا کہ ہر قبیلہ سے ایک ایک جوانمرد کا انتخاب کیا جائے۔ یہ سب بہادر رات کی تاریکی میں سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے آستانۂ عالیہ کو گھیرے میں لے لیں۔ جب آپ صبح کی نماز کے لیے باہر تشریف لائیں، تو یہ سب بہادر اپنی اپنی تلوار سے ان پر وار کر دیں۔ اس تدبیر کا فائدہ یہ بتایا گیا جس قتل میں تمام قبیلے شامل ہوں گے اس کا بدلہ نہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قبیلہ لے سکے گا، نہ غلامانِ محمد کچھ کر سکیں گے۔

الحاصل انہوں نے اسی رات آستانۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گھیرے میں لے لیا۔ ادھر ربِ کائنات نے آپ کو ہجرت کا حکم دے دیا۔ اسی رات حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ کے پاس تھے۔ آپ نے پیارے علی سے فرمایا، اے علی! ؎

اٹھو دیکھو کہ تلواروں سے گھر محصور ہے میرا
کہ میری قوم کو اب قتل ہی منظور ہے میرا
نکلنا اور اس عالم میں تلواروں پہ چلنا ہے
مگر حکمِ خدا ہے اس لیے مجھ کو نکلنا ہے
یہ چادر اوڑھ لو سو جاؤ میرے بستر پر
محافظ ہے وہی رکھو بھروسہ شانِ داور پر
(حفیظ جالندھری)

آپ نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنے بستر پر لٹایا اور خود کاشانۂ اقدس سے باہر تشریف لائے۔ دشمنانِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھات میں تھے کہ جونہی آپ باہر آئیں گے، تو ہم اپنا کام کر لیں گے، لیکن سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم سورۂ یٰسین فَاَغْشَيْنٰهُمْ فَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ تک تلاوت فرمائی۔ دونوں ہاتھوں میں مٹی لی اور ان کے سروں پر پھینک دی۔ آپ وہاں سے نکل گئے، مگر کفار آپ کو نہ دیکھ سکے۔

آجکل کئی لوگ یہ کہتے ہیں کہ اگر حضور حیات ہیں تو ہمیں نظر کیوں نہیں آتے۔ میں کہتا ہوں تم کو اس وقت بھی نظر نہ آئے جب تمہارے پاس سے گزر رہے تھے۔ اب کیسے دیکھو گے، سرکار کا دیدار مومنوں کا حصہ ہے ؎

آنکھ والا تیرے جوبن کا تماشہ دیکھے
دیدۂ کور کو کیا آئے نظر کیا دیکھے

وہ دریا ہوا وحدت کا دم بھرتا ہوا نکلا
تلاوت سورۂ یٰسین کی کرتا ہوا نکلا

میرے آقا گھر سے نکلے، لیکن کوئی کافر آپ کو نہ دیکھ سکا۔ آپ سیدھے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے مکان پر پہنچے اور انہیں مطلع فرمایا کہ حق تعالیٰ نے آپ کو ہجرت کی اجازت دے دی ہے۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی، آقا! کیا میرا بھی ساتھ ہوگا؟ فرمایا، ہاں، تم بھی ہمارے ساتھ چلو گے۔ یہ سن کر فرطِ محبت سے صدیق اکبر کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ تیاری کی گئی، پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ دونوں چلے ؎

سوئے آزار باطل کے حصارِ قہر سے دونوں
ابھی کچھ رات باقی تھی کہ نکلے شہر سے دونوں
نبی نے خانۂ کعبہ کو دیکھا اور فرمایا
اے پیارے حرم میری تیری فرقت کا وقت آیا
تیرے فرزند اب مجھ کو یہاں رہنے نہیں دیتے
تیری پاکیزگی کا وعظ تک کہنے نہیں دیتے

غارِ ثور کی طرف سفر شروع تھا۔ غارِ ثور مکہ سے تین میل دور جنوب کی جانب ایک بلند پہاڑ کی چوٹی پر واقع تھی۔ رات کا وقت، کٹھن سفر، چڑھائی کے دوران محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نازنین پاؤں میں نوکیلے پتھر لگتے تو صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تڑپ جاتے ؎

نبی کے پاؤں نازک ہر قدم پر چوٹ کھاتے تھے

دلِ صدیق کے جذبات زخمی ہوتے جاتے تھے

نہ دیکھا جا سکا پائے محمد کی جراحت کو

بصد اصرار کندھوں پر اٹھایا شانِ رحمت کو

ایک میل کی چڑھائی طے کرنے کے بعد غار تک پہنچ گئے۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے عرض کی، حضور آپ ذرا ٹھہریں تاکہ میں غار کو صاف کرلوں۔ صدیق اکبر غار کے اندر تشریف لے گئے اور اسے صاف کیا۔ کیا دیکھتے ہیں کہ غار کے اندر بہت سے سوراخ ہیں۔ آپ نے اپنی چادر کو پھاڑا اور سوراخ بند کیے۔ دو سوراخ باقی رہ گئے، تو اس پر اپنا قدم مبارک رکھ دیا۔ پھر بارگاہ محبوب صلی اللہ علیہ وسلم میں عرض کیا،

ثُمَّ قَالَ لِرَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اُدْخُلْ فَدَخَلَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَوَضَعَ رَأْسَہٗ فِیْ حِجْرِہٖ وَنَامَ۔ (مشکوٰۃ صـ۵۵۶)

پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی کہ اندر تشریف لائیے تو حضور تشریف لائے اور اپنا سر مبارک صدیق اکبر کی گود میں رکھا اور سو گئے۔

اے پیارے صدیق تمہاری قسمت پر قربان جاؤں کہ آپ کے کندھوں پر دونوں عالم کے آقا جلوہ فرما ہوئے اور آپ کی گود میں سرِ انور رکھ کر محوِ خواب ہوئے۔ آج تمہاری گود عرشِ اعلیٰ سے بھی بہتر ہو گئی۔ جس رحل پر قرآن کریم ہو، وہ لکڑی قابلِ تعظیم بن جاتی ہے، لیکن اے صدیق تیری گود میں صاحبِ قرآن اپنا سرِ انور رکھ کر آرام فرما ہے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے میں لوگوں کی امانتوں کی حفاظت کر رہے تھے، لیکن تم امانتِ خدا کا پہرہ دے رہے ہو۔

صبح ہوئی تو لوگوں نے کیا دیکھا کہ نبی علیہ السلام کے بستر مبارک سے حضرت علی اٹھ رہے ہیں، حیران ہو کر کہنے لگے کہ تمہارے آقا کہاں ہیں؟ آپ نے فرمایا، مجھے کیا خبر کیا میرا پہرہ تھا؟ جاگتے تم رہے، گھات میں تم رہے، پہرہ تم دیتے رہے، پوچھتے مجھ سے ہو، جو ساری رات سوتا رہا۔

آقا علیہ السلام سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی گود میں آرام فرما تھے اور صدیق اکبر اپنا پاؤں دو سوراخوں پر رکھے ہوئے تھے۔ ان سوراخوں کے نکالنے والے سانپ نے جب تمام سوراخوں کو بند پایا تو وہ زبانِ حال سے کہنے لگا ۔

آسے آسے عمر گذاری جھلے خار ہزاراں

مالی باغ نہیں دیکھن دیندا آیاں جدوں بہاراں

سانپ نے سب سوراخوں کو بند پایا لیکن دو سوراخوں پر کسی انسان کا پاؤں نظر آیا۔ سانپ نے زبانِ حال سے کہا، اے صدیق! اپنا پاؤں اٹھالے، میں بڑا پرانا سانپ ہوں جسے ڈستا ہوں، وہ کبھی پانی نہیں مانگتا، تو صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا،

جس کے تلووں کا دھوون ہے آبِ حیات،

ہے وہ جانِ مسیحا ہمارا نبی (صلی اللہ علیہ وسلم)

سانپ نے کہا، میں مارِ غار ہوں، صدیق اکبر نے کہا، میں یارِ غار ہوں۔

فَلُدِغَ اَبُوْبَكْرٍ فِيْ رِجْلِهٖ مِنَ الْجُحْرِ وَلَمْ يَتَحَرَّكْ مَخَافَةَ اَنْ يَّتَنَبَّهَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَقَطَتْ دُمُوْعُهٗ عَلٰى وَجْهِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاؤں میں سوراخ میں سے ڈسا گیا، آپ نے بالکل جنبش نہ کی، اس ڈر سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جاگ پڑیں گے۔ پھر آپ کے آنسو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے پر گرے۔

(مشکوٰۃ ص ۵۵۶)

سانپ نے ڈسنا شروع کیا۔ آپ نے تکلیف کو برداشت کیا اور اپنی جگہ سے بھی حرکت نہ کی۔ بالآخر آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے، کوئی روتا ہے، اس کے آنسو رومال پہ لگتے ہیں، کسی کے آستین پہ گرتے ہیں، کسی کے زمین پہ پڑتے ہیں۔ اے صدیق! تمہارے آنسوؤں کی بھی بڑی ہی قیمت پڑگئی، تمہاری آنکھوں سے گرے اور چہرۂ محبوب پر پڑگئے ۔

غار وچہ یار دی گود وچہ یار سی ڈنگ تے ڈنگیا یار دا مار سی
نا رڈسدا رہیا یار دسدا رہیا زہر چڑھدا رہیا کیف اوندا رہیا

امام الانبیاء کے چہرۂ انور پر جب آنسو گرے تو حضور نے مازاغ البصر وما طغیٰ والی آنکھوں کو کھولا اور فرمایا۔

مَالَكَ يَا اَبَا بَكْرٍ — اے ابوبکر کیا ہوا؟
قَالَ لُدِغْتُ فِدَاكَ اَبِیْ وَاُمِّیْ — یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے ماں باپ قربان ہو جائیں، مجھے ڈسا گیا ہے۔

رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا لعاب لگایا اور درست فرما دیا ۔

صدیق بلکہ غار میں جان اپنی دے چکے
اور حفظِ جاں تو اصل فروضِ مُحرر کی ہے
ثابت ہوا کہ جملہ فرائض فروع ہیں
اصل الاُصول بندگی اس تاجور کی ہے

المختصر آپ محبوب پاک صاحب لولاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ مدینہ منورہ پہنچ گئے۔ پھر وہاں بھی آپ نے اپنی ساری زندگی آقا علیہ السلام کی خدمت گزاری، آپ کو جس وقت بھی دربارِ محبوب صلی اللہ علیہ وسلم سے جو حکم ملا، اس کو تسلیم کیا اور ہر شے سے زیادہ آپ کو محبوب سمجھا۔

مال قربان

حضرت عائشۃ الصدیقہ بنتِ صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتی ہیں،

قَالَتْ اَنْفَقَ اَبُوْبَكْرٍ عَلَى النَّبِیِّ اَرْبَعِیْنَ اَلْفَ دِرْهَمٍ اَنَّهٗ لَمَّا مَاتَ مَا تَرَكَ دِيْنَارًا وَّلَا دِرْهَمًا ۔
(فتح الباری شرح بخاری ج ۷، ص۱۱)

وہ فرماتی ہیں کہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر چالیس ہزار درہم خرچ کیے جب صدیق اکبر کا وصال ہوا تو ان کے پاس نہ کوئی درہم نہ دینار باقی تھا۔

آپ کے خرچ فی سبیل اللہ کا حال یہ تھا کہ آپ آستانۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر حاضر ہوئے تو آپ ایسی قبا پہنے ہوئے تھے جس کو انہوں نے اپنے سینۂ مبارک پر کانٹوں سے ٹکایا ہوا تھا یعنی بٹنوں کی جگہ کانٹے لگائے ہوئے تھے۔ آقا کیا دیکھتے ہیں کہ جبرائیل علیہ السلام بھی تشریف لے آئے ہیں۔ انہوں نے عرض کی، حضور اللہ تعالیٰ نے صدیق پر سلام بھیجا ہے اور فرمایا ہے،

قُلْ لَهٗ اَرَاضٍ عَنِّیْ فِیْ فَقْرِكَ هٰذَا اَمْ سَاخِطٌ؟ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم ان سے کہو کہ اے ابوبکر! کیا تم مجھ سے اپنے اس فقر میں راضی ہو یا ناراض؟ (تاریخ الخلفاء صفحہ ۳۸)

قربان جاؤں عظمتِ صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر جس کو بارگاہ خداوندی سے سلام آرہا ہے اور اس کی رضا دریافت کی جارہی ہے۔

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچایا، تو صدیق نے عرض کی،

اَنَا عَنْ رَّبِّیْ رَاضٍ اَنَا عَنْ رَّبِّیْ رَاضٍ اَنَا عَنْ رَّبِّیْ رَاضٍ (تاریخ الخلفاء صفحہ ۳۸) میں اپنے رب سے راضی ہوں، میں اپنے رب سے راضی ہوں، میں اپنے رب سے راضی ہوں۔

غزوۂ تبوک کی تیاری کے موقع پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خیرچ کے لیے مال جمع کرنے کا حکم دیا۔ تمام صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے اپنی بساط کے مطابق اس کارِ خیر میں حصّہ لیا۔ سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں، اتفاقاً اس وقت میرے پاس مال کچھ زیادہ تھا میں نے سوچا کہ آج میں راہِ خدا میں اتنا خرچ کروں گا کہ

اَلْیَوْمَ اَسْبِقُ اَبَا بَكْرٍ اِنْ سَبَقْتُهٗ یَوْمًا۔ آج میں سیدنا صدیق اکبر سے بڑھ سکا تو بڑھ جاؤں گا۔

آپ اپنے گھر گئے اور تمام مال کو نصف گھر میں رکھا اور آدھا بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں پیش کر دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا، اے عمر! کتنا گھر چھوڑ آئے ہو؟ عرض

کی حضور آدھا لے آیا ہوں اور آدھا گھر چھوڑ آیا ہوں۔ ادھر صدیق اکبر یار غار بھی آ گئے اور اپنا مال حضور کی خدمت میں پیش کر دیا۔ آپ نے فرمایا،

فَقَالَ يَا اَبَابَكْرٍ مَا اَبْقَيْتَ لِاَهْلِكَ ۔ — فرمایا اے ابوبکر تم نے اپنے گھر والوں کے لیے کیا رکھا؛

عرض کی آقا ؛

فَقَالَ اَبْقَيْتُ لَهُمُ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۔ (مشکوٰۃ ص۵۵۹) — عرض کی میں نے ان کے لیے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کو رکھا ہے

پروانے کو چراغ بلبل کو پھول بس
صدیق کے لیے ہے خدا کا رسول بس

لٹایا راہِ حق میں گھر کئی بار اس محبت سے
کہ لُٹ لُٹ کر حسن گھر بن گیا صدیق اکبر کا

لٹا کر گھر کو الفت میں کہا صدیق اکبر نے
خریدارِ محبت کا یہی بیوپار ہوتا ہے

حُبِّ رسول

میں عرض کر رہا تھا کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سب کچھ آپ پر قربان کر دیا، جان پیش کی، وطن چھوڑا اور مال پیش کیا، کیونکہ وہ حضور کے اسی فرمان سے واقف تھے۔

لَا يُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰى اَكُوْنَ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِنْ وَّالِدِهٖ وَ وَلَدِهٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ۔ (بخاری شریف ج ۱ ص۷) — تم میں سے کوئی اس وقت مومن نہ ہوگا جب تک کہ اس کے نزدیک اس کے ماں باپ اور اولاد اور سب لوگوں سے زیادہ میں محبوب نہ ہو جاؤں۔

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، اپنے بیٹے عبدالرحمٰن سے گفتگو فرما رہے تھے، بات جنگِ بدر

کی خبر دم ہو گئی۔ عبدالرحمٰن نے اپنے دورِ جاہلیت کا واقعہ بیان کرتے ہوئے عرض کیا، ابا جان! جنگِ بدر میں میں ابوجہل کے لشکر کے ساتھ تھا اور آپ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کے ساتھ تھے۔ جب جنگ زوروں پر تھی تو آپ کئی بار میری تلوار کی زد میں آئے، لیکن میں نے آپ پر وار نہ کیا۔ صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا، بیٹے!

لَوْ اَھْدَفْتَ لِیْ لَمْ اَنْصَرِفْ مِنْکَ۔ (تاریخ الخلفاء ص۳۶) اگر تو میری زد میں آجاتا میں تیرا لحاظ نہ کرتا۔

میں تجھے قتل کر دیتا۔

آپ کے دل میں محبتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس طرح رچ بس چکی تھی کہ اس کے سامنے ساری دنیا ہیچ تھی۔ آپ کے عشق و محبت کا اندازہ اس واقعہ سے بھی لگایا جا سکتا ہے۔

انگوٹھی پر نقش

ایک مرتبہ حضور علیہ السلام نے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنی انگوٹھی عطا فرمائی اور فرمایا، اس پر کسی نقاش سے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ لکھوا لاؤ۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے انگوٹھی لے لی نقاش کو جا کر فرمایا کہ اس انگوٹھی پر لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ لکھ دے۔ جب وہ انگوٹھی آپ نے خدمت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں پیش کی تو اس پر لکھا ہوا تھا، لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ۔ اَبُوْبَکْرٍ صِدِّیْقٌ۔ آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب یہ دیکھا تو فرمایا، یہ زیادتی کیسی ہے؟ عرض کی آقا! آپ کے نام کو تو میں نے بڑھایا، کیونکہ میری محبت نے یہ پسند نہ کیا کہ رب کے اور آپ کے نام میں جدائی ہو لیکن اپنا نام میں نے نہیں لکھوایا۔ ادھر جبرائیل امین تشریف لے آئے اور عرض کرنے لگے،

وَقَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اَمَّا اِسْمُ اَبِیْ بَکْرٍ فَکَتَبْتُہٗ اَنَا لِاَنَّہٗ مَا رَضِیَ اَنْ یُّفَرِّقَ اِسْمَکَ عَنْ اِسْمِ اللّٰہِ فَمَا رَضِیَ اللّٰہُ اَنْ یُّفَرِّقَ

اور عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نام میں نے لکھا ہے کیونکہ صدیق اس پر راضی نہ ہوئے کہ آپ کا نام خدا کے نام سے علیحدہ ہو تو خدا تعالیٰ اس سے راضی نہ ہوا کہ صدیق

بِسۡمِهٖ عَنۡ اِسۡمِكَ (تفسیر کبیر ج ۱ صـ) کا نام آپ سے علیحدہ ہو۔

تعظیم رسول امام الانبیاء حبیب کبریا علیہ التحیۃ والثناء کی ظاہری حیات مبارکہ کے آخری دن فجر کی نماز کی امامت نائب محبوب خدا سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ فرمارہے تھے۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ام المومنین عائشہ الصدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حجرہ مبارکہ کا پردہ اٹھایا اور اپنے صحابہ کو دیکھنا شروع کیا۔ وہ فرماتے ہیں کہ ہم صفیں باندھے کھڑے تھے۔ یہ دیکھ کر آپ بڑے خوش ہورہے تھے اور چہرہ مبارک پر خوشی کے آثار نمایاں تھے، صحابہ کی حالت یہ تھی، کسی عاشق نے کیا خوب کہا ہے ؎

نماز را بگزارم ترا سلام کنم

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، نے چاہا کہ وہ اپنی جگہ سے پیچھے آجائیں، مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،

فَاَشَارَ اِلَیۡهِمۡ اَتِمُّوۡا صَلَاتَكُمۡ وَاَرۡخَى السِّتۡرَ (بخاری، ج ۱ صـ ۱۰۲) پس آپ نے اشارہ سے فرمایا تم لوگ اپنی نمازیں پوری کرو، یہ فرما کر پردہ ڈال دیا۔

حضرات دیکھیے! صحابہ کرام کی نماز، صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نماز کے دوران وہ حضور کی تعظیم کر رہے تھے اور آقا کی زیارت سے مستفید ہو رہے تھے۔ پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں یہ نہیں فرمایا کہ نماز میں تمہیں میرا خیال آگیا ہے، تم نے میری طرف دیکھا ہے، تمہاری نماز ٹوٹ گئی ہے، دوبارہ نماز پڑھو، بلکہ فرمایا، اَتِمُّوۡا صَلَاتَكُمۡ اسی نماز کو ہی پورا کرلو۔ اب ان لوگوں کے لیے یہ حدیث مبارکہ باعث عبرت ہے جو کہتے ہیں نماز میں حضور کا خیال آجائے تو نماز ٹوٹ جاتی ہے، لیکن صحابہ کرام کا عقیدہ یہ تھا کہ نماز مکمل ہی وہ ہے، جو سرکار کی محبت میں گم ہو کر پڑھی جائے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں صحابہ کرام والا عقیدہ عطا فرمائے اور صدیق اکبر والی محبت نصیب فرمائے۔ آمین،

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال باکمال ہوا تو تمام صحابہ کرام نے بالاتفاق

سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقرر کردہ امام کو اپنا خلیفہ اور امام تسلیم کر لیا اور آپ کے ہاتھوں پر بیعت کر لی۔ آج جو سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کا انکار کرتا ہے، گویا وہ فیصلۂ رسول کو چیلنج کرتا ہے اور جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ کو تسلیم نہ کرے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد اس کے متعلق بہت واضح ہے،

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ	تو اے محبوب تمہارے رب کی قسم وہ مسلمان نہ ہوں گے جب تک کہ آپس کے جھگڑے میں تمہیں حاکم نہ بنائیں۔
(پ ۵ - ع ۶)	

تو جو شخص آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام کے فیصلہ کو تسلیم نہیں کرتا، وہ مومن کہلوانے کا حقدار نہیں کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیاتِ طیبہ میں ان کو اپنا نائب مقرر فرمایا تھا۔

ایک عورت بارگاہِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوئی اور اس نے کسی چیز کے متعلق حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بات کی، تو آپ نے اسے دوبارہ حاضری کا حکم فرمایا تو اس عورت نے عرض کی، آقا میں دوبارہ آؤں اور آپ کو نہ پاؤں، تو آپ نے فرمایا،

فَاِنْ لَّمْ تَجِدِيْنِيْ فَأْتِيْ اَبَابَكْرٍ	اگر تو مجھے نہ پائے تو صدیق اکبر کے پاس آجانا۔
(مسلم - بخاری)	

حضرات! قرآن و احادیث میں بے شمار دلائل موجود ہیں۔ طوالت کے خوف سے جنہیں بیان نہیں کیا گیا۔ امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیاتِ طیبہ سیدنا صدیق اکبر کے سر پر خلافتِ اوّل کا تاج رکھ دیا تھا، پھر کسی کو اس میں جھگڑا کرنے کا کوئی حق نہیں۔ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو ہدایت فرمائے۔

وصالِ باکمال

ایک وقت وہ تھا کہ جب سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے یارِ غار کے ساتھ مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ میں تشریف لائے تھے اور اس شہر میں کوئی خاص آبادی نہ تھی۔ آقا کی آمد کی وجہ سے یہی جگہ اسلامی طاقت کا

مرکز قرار پائی۔ یثرب مدینۃ النبی بن گیا۔ صحابہ کرام سادہ زندگی بسر کرتے تھے۔ اگرچہ فتوحات اور تسخیر ممالک کے باعث روپیہ عام تھا، مگر انہوں نے نہ تو تعمیر عمارت اور نہ خورد و نوش میں صرف کیا بلکہ ہمیشہ مساکین اور بیواؤں اور یتیموں کی پرورش پر خرچ کیا۔ یہی وجہ تھی کہ مدینۃ النبی کی آبادی اگرچہ سرعت کے ساتھ بڑھتی گئی، لیکن اس میں وہ عالی شان قصر و محلات کا نام و نشان نہ تھا۔ خلفاء کی رہائش آخر وقت تک جھونپڑیوں میں ہی رہی۔

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہدِ خلافت میں بھی یہی جھونپڑیاں نظر آتی تھیں۔ غیر ممالک سے سفیر آتے، تو خلیفہ کو ایک کمبل پوش اور دار الحکومت کو ایک جھونپڑی دیکھ کر سکتے کے عالم میں رہ جاتے۔ یہ وہ خلیفہ تھا جس کی فوج نے اس وقت عراق و شام کی وادیوں کو اپنی جولان گاہ بنا رکھا تھا۔

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی ساری زندگی خدمتِ اسلام اور محبتِ رسول میں بسر کی اور جب خلافت کی ذمہ داریاں آپ کو سونپی گئیں، تو ان کو بھی اس طرح نبھایا کہ آنے والی نسلوں کے لیے روشنی کا مینار ثابت ہوتیں۔

آخر کار سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جمادی الثانی ۱۳ھ میں بیمار ہو گئے۔ آپ نحیف البدن تھے، سفید چہرے پر رگیں نمایاں تھیں، رخسار ہلکے تھے، آنکھوں میں حلقے پڑے ہوئے تھے۔ شدتِ بخار کی وجہ سے بستر سے اٹھ نہ سکتے تھے۔

امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے وصال باکمال کا وقت قریب آیا، تو انہوں نے مجھے اپنے سر کے قریب بٹھا کر فرمایا، اے علی! جب میری وفات ہو جائے، میری روح قفسِ عنصری سے پرواز کر جائے تو مجھے اپنے ہاتھوں سے غسل دینا جن ہاتھوں سے تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو غسل دیا تھا، پھر خوشبو لگا کر مجھے چوکھٹِ محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر لے جانا اور عرض کرنا حضور آپ کا یارِ غار، رفیقِ مزار بھی بننا چاہتا ہے۔ اگر دروازہ کھل جائے تو مجھے وہاں دفن کر دینا، ورنہ مسلمانوں کے قبرستان

(جنت البقیع) میں دفن کر دینا

حضرات! اس واقعہ سے سمجھ لیجئے کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا کیا عقیدہ تھا وہ اپنے آقا کو زندہ مانتے تھے یا نہیں۔ یقیناً وہ اپنے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو زندہ مانتے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بھی یہی عقیدہ تھا کہ آقا زندہ ہیں، ورنہ وہ وصیت سن کر دیتے کہ اے پیارے صدیق! حضور کا تو وصال ہو چکا، میں کس سے جا کر آپ کی عرض پیش کروں۔ الحمدللہ! اہل سنت کا بھی یہی عقیدہ ہے ے

تو زندہ ہے واللہ! تو زندہ ہے واللہ!
میری چشم عالم سے چھپ جانے والے

حضرت عائشۃ الصدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مجھ سے پوچھا، میرے آقا کو کتنے کپڑوں میں کفنایا گیا تھا؟ گویا صدیق اکبر کی تمنا یہی کہ کفن میں بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع ہو اور دفن بھی آقا کی مرضی سے کیا جائے۔ سیدہ عائشۃ الصدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا: تین کپڑوں میں ــ آپ نے فرمایا، میرے یہ دونوں کپڑے دھو لو اور وہ دونوں کپڑے بوسیدہ اور پرانے تھے اور ایک کپڑا میرے لیے خرید لو۔ کہا اباجان! آپ خلیفۂ مصطفےٰ نائب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، آپکو اچھا کفن ملنا چاہیئے۔ آپ نے فرمایا: اے عائشہ! مرنے والے آدمی کی بہ نسبت زندہ آدمی کپڑے کا زیادہ مستحق ہے۔

دو سال تین ماہ دس دن خلافت کی نازک ترین ذمہ داریاں پوری کرنے کے بعد توفنی مسلماً والحقنی بالصالحین کہتے ہوئے اس دارِ فانی سے رخصت ہو گئے۔

پھر وصیت کے مطابق غسل دیا گیا۔ تاریخ طبری میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی تو اس وقت آپ کی عمر شریف تریسٹھ سال تھی۔ صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بھی وصال شریف کے وقت عمر تریسٹھ سال تھی۔ جس چارپائی پر حضور کو اٹھایا گیا۔ اسی چارپائی پر ہی صدیق اکبر کو اٹھایا گیا۔ قربان جاؤں کے

جس کی ہر ہر ادا سنتِ مصطفےٰ

پھر آپ کو روضۂ رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لایا گیا۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: میں آگے بڑھا۔ اور

فَقُلْتُ یَارَسُوْلَ اللهِ هٰذَا اَبُوْبَکْرٍ یَسْتَاْذِنُ۔ فَرَاَیْتُ الْبَابَ قَدْ فُتِحَ فَسَمِعْتُ قَائِلًا یَقُوْلُ اُدْخِلُوا الْحَبِیْبَ اِلٰی حَبِیْبِهٖ فَاِنَّ الْحَبِیْبَ اِلَی الْحَبِیْبِ مُشْتَاقٌ۔ (خصائص کبریٰ ج ۲ ص ۲۸۱)

عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ ابوبکر ہیں، یہاں دفن ہونے کی اجازت مانگتے ہیں؛ تو میں نے دیکھا کہ اچانک دروازہ کھل گیا اور اندر سے آواز آئی حبیب کو حبیب کے پاس پہنچا دو، تحقیق حبیب اپنے حبیب ہی کا مشتاق ہے۔

شان صدیق و فاروق دلکی دساں، کیتا اللہ نے جناں نوں اُچا لشاں
سبز گنبد دے لندر جو ٹکڑی سی تھاں اُکلی والے دے یاراں دے کم آگئی

فیضانِ قرآن

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ وَعَلٰی اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِیْنَ ۝ اَمَّا بَعْدُ ۝ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ۝ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَشِفَآءٌ لِّمَا فِی الصُّدُوْرِ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ ۝ صَدَقَ اللّٰهُ مَوْلٰنَا الْعَظِیْمُ وَصَدَقَ رَسُوْلُهُ النَّبِیُّ الْكَرِیْمُ الْاَمِیْنُ ۝

بزرگو دوستو! آج میں نے آپ کے سامنے جو آیۂ کریمہ تلاوت فرمائی ہے، اس میں اللہ تعالیٰ نے شانِ قرآن بیان فرمائی،

یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَشِفَآءٌ لِّمَا فِی الصُّدُوْرِ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ (پ ۱۱ ع ۱۱)

اے لوگو! تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس نصیحت آئی اور دلوں کی صحت اور ہدایت اور رحمت ہے ایمان والوں کے لیے۔

اس آیۂ مقدسہ میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے لاریب کتاب قرآن مجید کی آمد اور اس کے نصیحت و شفاء، ہدایت اور رحمت ہونے کا ذکر فرمایا ہے، مگر یہ فوائد وہی حاصل کر سکتا ہے جو مومن ہو۔

دوسری جگہ ارشادِ خداوندی ہوتا ہے،

قرآن نصیحت ہے، روحانی، جسمانی بیماریوں کے لیے شفاء، ہدایت و رحمت ہے ایمان والوں کے لیے، ظالموں، کافروں کے لیے اس میں کچھ حصہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا وَّ يَهْدِيْ — اللہ تعالیٰ بہتیروں کو اس سے گمراہ کرتا ہے
بِهٖ كَثِيْرًا۔ (پ ۱۔ ع ۲) — اور بہتیروں کو ہدایت فرماتا ہے۔

یعنی قرآن پاک کفر و ایمان کی کسوٹی ہے جس سے مومن و کافر کی پہچان ہو گئی۔ کافروں کو اس کے ذریعے سے گمراہ کر دیا گیا یا یوں کہ ان کی گمراہی و ضلالت میں اور زیادہ اضافہ ہو گیا، ورنہ گمراہ تو وہ پہلے ہی تھے، جیسے گندگی کے ڈھیر پر بارش ہو تو اس کی گندگی اور زیادہ پھیل جاتی ہے اور مومنوں کو اس قرآن پاک سے ہدایت نصیب ہوئی جیسے جب بارش پھولوں پر برستی ہے، تو ان کی مہک اور زیادہ ہو جاتی ہے۔

وَ اِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ — اور جب اُن پر آیتیں پڑھی جائیں تو ان کا
زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا۔ (پ ۹۔ ع ۱۵) — ایمان ترقی پاتا ہے۔

یہ وہ پیاری کتاب ہے جس کی ہر آیت، شد، مد، زیر، زبر اور پیش شانِ مصطفےٰ کا اظہار کرتی ہے

شداں مداں زیراں زبراں وچہ تعریف دے آیاں
عاماں لوکاں خبر نہ کائی خاصاں رمزاں پایاں

سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم جس دور میں تشریف لائے، وہ زمانہ تو جاہلیت کا تھا مگر وہ لوگ اقلیم سخن کے مالک تھے اور ان کو میدان فصاحت و بلاغت کا شہسوار سمجھا جاتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایسی کامل و اکمل کتاب عطا فرمائی جس میں روزِ قیامت تک ہر زمانے کے لیے ہر قوم کے لیے تمام روحانی جسمانی امراض کا خدائی نسخہ درج تھا۔ جب کلام حق آپ نے لوگوں کے سامنے تلاوت کیا، تو فصاحت و بلاغت کے شہنشاہوں کی زبانیں اس کے سامنے گنگ ہو گئیں

ترے آگے یوں ہیں دبے لچے، فصحاء عرب کے بڑے بڑے
کوئی جانے منہ میں زبان نہیں، نہیں بلکہ جسم میں جان نہیں

مشرکین مکہ قرآن پاک کے بارے میں طرح طرح کی بدگمانیاں لوگوں کے دلوں میں پیدا کرنے کی کوششیں کرتے تاکہ لوگوں کے دلوں میں قرآن پاک کی محبت گھر نہ کر جائے، تو اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب پاک صاحبِ لولاک صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا ان کاروانِ ضلالت کے رہبروں، اندھیرے کے مسافروں سے فرماؤ:

وَاِنْ كُنْتُمْ فِیْ رَیْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰی عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ۝ (پ ۱ ع ۳)

اور اگر تمہیں کچھ شک ہو اس میں جو ہم نے اپنے خاص بندے پر اتارا ہے، تو اس جیسی سورۃ تو لے آؤ اور اللہ کے سوا اپنے تمام حمایتوں کو بُلا لو، اگر تم سچے ہو۔

اے کافرو! تم ہمارے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے رسول ہونے میں شک کرتے ہو، اس کتاب کے کلام اللہ ہونے میں شک کرتے ہو اور معجزات تو کیا اس قرآن پاک کا ہی مقابلہ کر کے دیکھ لو، تم کو اعلانِ عام دیا جاتا ہے کہ تم سارے ملک عرب کے فضلاء، شعراء، بلغاء جمع ہو کر کتاب اللہ کے مقابلہ میں ایک چھوٹی سی سورت ہی بنا کر دکھاؤ۔

فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِیْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِیْنَ ۝ (پ ۱ - ع ۳)

پھر اگر نہ لا سکو اور ہم فرماتے دیتے ہیں کہ ہرگز نہ لا سکو گے، تو ڈرو اس آگ سے جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں تیار کر رکھی ہے کافروں کے لیے۔

جب کفار کو قرآن کریم کے مقابلہ کا چیلنج دیا تو ان کو بتا دیا کہ اگر تم اس کے مقابلے میں کامیاب نہ ہو سکے، تو ہم تم سے کہہ دیتے ہیں کہ تم کبھی بھی کامیاب نہ ہو سکو گے تو سمجھ لینا اس کا انکار خداوندِ عالم کا انکار ہے اور اللہ تعالیٰ کے منکر کا ٹھکانہ جہنم ہے۔

الحمد للہ یہ خبر سچی ہوئی کفار نے اس کلامِ حق کا مقابلہ کرنے کی بڑی کوشش کی، مگر ناکام رہے۔ اگر ایک سورت بھی ان سے بن جاتی تو وہ ضرور شائع کرتے، اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے آج تک سرنگوں

ہیں اور رہیں گے۔

بزرگو دوستو! یہ قرآن مقدس وہ معجزہ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہے جس کی چھ ہزار چھ سو چھیاسٹھ آیات عظمتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اعلان کر رہی ہیں، روزِ قیامت تک ایمان داروں کی رہبر و رہنما ہیں ؎

اُتر کر حرا سے سُوئے قوم آیا
اور اک نسخۂ کیمیا ساتھ لایا
مسِ خاک کو جس نے کندن بنایا
کھرا اور کھوٹا الگ کر دکھایا

مگر آج ہم نے اپنی لاعلمی کی وجہ سے قرآن کریم کے فیوض و برکات کو محدود سمجھ رکھا ہے۔ کچھ لوگوں نے یہ سمجھا کہ قرآن مجید فقط اس لیے آیا ہے کہ بیماری میں اسے پڑھ کر دم کر لیا، برکت کے لیے گھر میں رکھ لیا یا جب کوئی مرنے لگے، تو سورۂ یٰسین تلاوت کر دی، بعد مرنے کے ایصالِ ثواب کر دیا اور باقی رہا عمل، تو اس کی کوئی ضرورت نہیں۔ اس کے لیے عیسائیوں، یہودیوں کے قوانین کافی ہیں۔ بعض جگہ مسلمانوں نے اپنی خوشی سے اسلامی قوانین کے بجائے ہندوؤں کی رسوم کو اپنے لیے لازم قرار دے دیا ہے جیسا کہ پنجاب میں عام مسلمانوں کی حالت یہ ہے کہ وہ وراثت سے اپنی بچیوں کو محروم رکھتے ہیں۔ اپنی صورت و سیرت و لباس میں جنیوں سے مل گئے۔

کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ قرآن کریم صرف عمل کرنے کے لیے آیا ہے، اس کی تلاوت کرنا، دم کرنا، تعویذ لکھنا، ایصالِ ثواب کرنا اس کے نزول کی حکمت کے خلاف ہے۔ قرآن کریم عمل کے لیے ہے نہ کہ طبابت اور جھو منتر کے لیے۔ قرآن کریم ایک نسخہ ہے فقط پڑھ لینے سے شفا نہیں ہوگی، بلکہ اس کے استعمال کرنے کی ضرورت ہے۔ یہ وہ خیالاتِ فاسدہ ہیں جو ماڈرن تعلیم یافتہ لوگوں کے ذہنوں میں گردش کر رہے ہیں، حالانکہ یہ غلط ہے۔ دیکھو! بعض چیزوں کے پڑھنے میں بھی اثر ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر آپ مسافر ہوں گھر سے خیریت نامہ آئے تو پڑھ کر دل کو تسکین

ہوتی ہے اور بیمار ہو تو اس کی بیماری میں کمی آتی ہے۔ اگر کوئی مصیبت کی خبر پڑھے تو ہمارے دل کی حالت بدل جاتی ہے۔ اگر کسی کو گالی دی جائے تو وہ لال پیلا ہو جاتا ہے۔ اگر مخلوق کے نارد پیام میں اثر ہے، تو خالق کے کلام میں اثر نہ ہوگا۔ آج گھر گھر میں پریشانی ہے، ہر شخص مصیبت میں مبتلا ہے۔ ہمارے اخلاق و کردار بدل چکے ہیں، اس کی وجہ صرف یہی ہے سے

درسِ قرآں گر ہم نے نہ بھلایا ہوتا
یہ زمانہ نہ زمانے نے دکھایا ہوتا
وہ معزز تھے زمانے میں مسلماں ہوکر
ہم خوار ہوئے تارکِ قرآن ہوکر

ویران گھر

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ الَّذِيْ لَيْسَ فِيْ جَوْفِهٖ شَيْئٌ مِّنَ الْقُرْاٰنِ كَالْبَيْتِ الْخَرِبِ۔

(ترمذی۔ مشکوٰۃ ص۱۸۶)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کے سینے میں قرآن نہیں، وہ ویران گھر کی طرح ہے۔

آباد ہے وہ دل جس میں تری یاد ہے
جو یاد سے غافل ہو ویران ہے برباد ہے

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اپنے گھروں کو قبرستان نہ بناؤ، شیطان اس گھر سے بھاگتا ہے جس میں سورۃ بقرہ پڑھی جائے۔ (مشکوٰۃ ص۱۸۴)

بزرگو دوستو! جہاں قرآن نہ پڑھا جائے (وہ گھر قبرستان کی طرح ہے اور جس سینہ میں

قرآن نہ ہو، وہ ویران گھر کی طرح ہے۔ آئیے عہد کریں کہ ہم قرآنِ مقدس کی تلاوت اور اس پر عمل کریں۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں،

خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْاٰنَ وَعَلَّمَهٗ۔ (مشکوٰۃ شریف)	تم میں سے بہتر شخص وہ ہے جو قرآن پاک سیکھے اور سکھائے۔

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، فرماتے ہیں کہ ہم صُفّہ میں تھے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم تشریف فرما تھے (صفہ کے معنی چبوترہ، مسجدِ نبوی کے متصل پچھلی طرف ایک چبوترہ تھا جہاں مہمان رہا کرتے تھے اور علمِ دین حاصل کرنے والے فقیر صحابہ وہاں مستقل طور پر رہتے تھے، ان کی تعداد کم و بیش ستر، کبھی دو سو سے بھی زیادہ ہو جایا کرتی تھی، گویا یہ مدرسہ نبوی تھا اور اصحابِ صُفّہ اسی کے طالب علم تھے) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اصحابِ صُفّہ سے فرمایا، تم میں سے کون چاہتا ہے کہ وہ صبح بطحان یا عقیق کی طرف جایا کرے (ان دونوں مقاموں پر جانوروں کی خرید و فروخت ہوا کرتی تھی) بغیر گناہ کیے، بغیر رشتہ توڑے دو اونچی اونٹنیاں لے آیا کرے۔ ہم نے عرض کی، ہم میں سے ہر شخص یہ چاہتا ہے؛ فرمایا، تم میں سے ہر شخص روزانہ صبح کو مسجد میں آیا کرے۔

فَيُعَلِّمُ اَوْ يَقْرَاُ اٰيَتَيْنِ مِنْ كِتَابِ اللّٰهِ خَيْرٌ لَّهٗ مِنْ نَاقَتَيْنِ۔ (مشکوٰۃ صـ۱۸۳)	پس قرآن کریم کی دو آیتیں سکھا کرے یا پڑھا کرے، یہ دونوں اونٹنیوں سے بہتر ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کہ یہ دل زنگ آلودہ ہوتے رہتے ہیں، جیسے لوہا پانی لگنے سے زنگ آلود ہو جاتا ہے۔ عرض کی، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس زنگ کے اتارنے کا کیا طریقہ ہے؟

قَالَ كَثْرَةُ ذِكْرِ الْمَوْتِ وَتِلَاوَتِ الْقُرْاٰنِ (مشکوٰۃ صـ۱۸۹)	فرمایا موت کی زیادہ یاد اور قرآن کریم کی تلاوت۔

جنّتی محل

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص سورۂ اخلاص دس مرتبہ پڑھے، اس کے لیے اللہ تعالیٰ نے جنت میں ایک محل تیار کر رکھا ہے اور جو بیس مرتبہ پڑھے، اللہ تعالیٰ اس کی برکت سے دو محل تیار فرمائے گا۔ حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی، تب تو اللہ تعالیٰ کی قسم ہم بہت سے محل بنوالیں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اس سے بھی زیادہ وسعت دینے والا ہے۔ (مشکوٰۃ صـ۱۹۰)

یعنی اے عمر! تم عطائے ربِ جلیل پر تعجب نہ کرو، رب تعالیٰ کی جنت بہت وسیع ہے، اس کی عطا بھی بہت وسیع ہے۔ اگر تمام انسان ایمان لا کر ایک ہزار مرتبہ سورۂ اخلاص پڑھیں تو ہر ایک کو اسی حساب سے جنت میں محلات عطا فرمائے گا، اس کے خزانوں میں کمی نہ ہوگی۔ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اس کی عطا کا مظہرِ اتم ہیں ؎

جھولیاں کھولے ہوئے یونہی نہیں دوڑے آئے
ہمیں معلوم ہے دولت تیری عادت تیری

نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک بار ایک شخص کو قل شریف پڑھتے دیکھا تو فرمایا، وَجَبَتْ (واجب ہوگئی) ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں، فَقُلْتُ مَا وَجَبَتْ (میں نے عرض کی کیا واجب ہوگئی؟) قَالَ الْجَنَّۃُ (تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جنت، (مشکوٰۃ صـ۱۸۸)

بزرگو، دوستو! قرآن پاک کتنا بڑا انعام ہے جو بارگاہِ نبوی سے ہمیں ملا، اب ہماری یہ بدقسمتی ہے کہ ہم نے قرآن کو چھوڑ دیا اور ناول کا مطالعہ شروع کر دیا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں قرآن کریم کی تلاوت کرنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق بخشے۔ ہم بھی اپنے بچوں کو جہاں سکول کی تعلیم دلواتے ہیں، وہاں قرآن کریم کی تعلیم بھی دلوائیں۔ دیکھئے سکول میں جب بچے کو داخل کرواتے ہیں، تو پہلا سبق الف انار، ب بکری، ج جوتا — اور ذرا ترقی ہوگئی تو ٹوٹ بٹوٹ نے کھیر پکائی، یہ ہے دنیا دی تعلیم کا سبق۔ اب جب ہم قرآن پاک پڑھنے کے لیے بچے کو مسجد میں داخل

کروائیں گے، تو پہلا سبق ہوگا۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۔ اب اس سبق کا فائدہ سنیے اور فیصلہ خود ہی کیجیے کہ پہلے یہ سبق ضروری ہے یا بعد والا۔

حکایت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ایک قبر سے گزر ہوا تو دیکھا کہ قبر والے کو سخت عذاب ہو رہا ہے۔ یہ دیکھ کر آپ چند قدم آگے تشریف لے گئے اور وہاں سے استنجا کر کے واپس آئے۔ اب جو اس قبر پر سے گزرے تو ملاحظہ فرمایا کہ قبر میں نور ہی نور ہے، وہاں رحمتِ الٰہی کی بارش ہو رہی ہے۔ آپ بہت ہی حیران ہوئے اور بارگاہِ خداوندی میں عرض کی، یا اللہ! یہ کیا ماجرا ہے، ابھی عذاب نازل ہو رہا تھا اور ابھی رحمتِ خداوندی کی بارش ہو رہی ہے؟ ارشاد ہوا اے روح اللہ! یہ شخص بڑا گنہگار اور بدکار تھا، اس وجہ سے عذاب میں گرفتار تھا، لیکن اس نے اپنی بیوی حاملہ چھوڑی تھی، اس کے یہاں لڑکا پیدا ہوا اور آج اس کو مدرسہ میں بھیجا گیا۔ استاد نے اسے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھائی۔ ہمیں حیا آگئی کہ زمین کے اندر اس شخص کو عذاب دوں جس کا بچہ زمین پر میرا نام لے رہا ہے۔

سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

مَنْ قَرَاَ الْقُرْاٰنَ وَعَمِلَ بِمَا فِیْهِ اُلْبِسَ وَالِدَاهُ تَاجًا یَوْمَ الْقِیَامَةِ ضَوْءُهٗ اَحْسَنُ مِنْ ضَوْءِ الشَّمْسِ۔ (مشکوٰۃ صفحہ ۱۸۶)

جو قرآن پاک پڑھے اور اس کے احکام پر عمل کرے، تو اس کے ماں باپ کو قیامت کے دن ایسا تاج پہنایا جائے گا جس کی روشنی سورج کی روشنی سے اچھی ہوگی۔

سلف صالحین کا یہ طریقہ تھا کہ وہ اپنے بچوں کو قرآنی تعلیم دلواتے تھے اور خود بھی اس کے عامل تھے۔

خواجہ بختیار کاکی حضرت خواجہ قطب الحق والدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کی عمر جس دن چار برس چار مہینے چار دن ہوئی، تقریب بسم اللہ ہوئی، لوگ بلائے گئے۔ حضرت خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ بھی تشریف فرما تھے۔

بسم اللہ پڑھانا چاہی، مگر الہام ہوا، ذرا ٹھہرو حمید الدین ناگوری رحمۃ اللہ علیہ آتا ہے، وہ پڑھائے گا۔ ادھر ناگور میں قاضی حمید الدین رحمۃ اللہ علیہ کو الہام ہوا کہ جلد جا اور میرے ایک بندے کو بسم اللہ پڑھا۔ قاضی صاحب فوراً تشریف لائے اور آپ سے فرمایا، صاحبزادے پڑھو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم آپ نے پڑھا، اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۔ اور شروع سے لے کر پندرہ پارے حفظ سنا دیے۔ حضرت قاضی علیہ الرحمۃ نے فرمایا: بیٹے آگے پڑھیے۔ فرمایا: میں نے اپنی ماں کے شکم میں اتنے ہی پارے سنے تھے اور اسی قدر یاد کر لیے تھے۔ یعنی جب آپ شکمِ مادر میں تھے، تو ان کی والدہ محترمہ قرآن کریم کی تلاوت کیا کرتی تھیں۔ انہوں نے پندرہ پارے تلاوت کیے اور بچتیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ نے پندرہ پارے حفظ کر لیے۔ (عنوان الاعلیٰ ص ۲۳)

حضرات یہ تھا بزرگوں کا عمل اور ان کے بچوں کا کردار، آیئے ہم بھی قرآن پاک پڑھیں، بچوں کو بھی پڑھائیں اور اس دُنیا، قبر اور حشر کے ساتھی کو سینے سے لگالیں۔

دُنیا کا ساتھی

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان المبارک میں فطرانہ کے مال کی حفاظت کے لیے مقرر فرمایا، تو ایک شخص آیا اور غلے سے لپ بھرنے لگا۔ میں نے اسے پکڑ لیا اور کہا میں تجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے جاؤں گا۔ وہ بولا کہ میں محتاج ہوں، عیال دار ہوں، مجھے سخت حاجت ہے، میں نے اسے چھوڑ دیا۔

فَاَصْبَحْتُ فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا اَبَا هُرَيْرَةَ مَا فَعَلَ اَسِيْرُكَ الْبَارِحَةَ۔

جب صبح ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اے ابو ہریرہ آج رات تمہارے قیدی کا کیا بنا؟

میں نے عرض کی، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس نے سخت حاجت اور عیال داری کا عذر کیا۔ اس پر میں نے رحم کیا اور چھوڑ دیا۔ فرمایا: وہ تم سے جھوٹ بول گیا ہے، وہ پھر آئے گا۔ ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کی وجہ سے

یقین ہوگیا کہ وہ ضرور آئے گا۔ میں اس کی تاک میں رہا، وہ چور پھر آیا اور غلے کے لپ بھرنے لگا۔ میں نے اس کو پکڑ لیا اور کہا میں اب تجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ضرور لے جاؤں گا، وہ کہنے لگا، مجھے چھوڑ دو، میں محتاج اور عیال دار ہوں، اب نہ آؤں گا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں، مجھے رحم آگیا، میں نے اسے چھوڑ دیا۔ صبح

فَاَصْبَحْتُ فَقَالَ لِیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَا فَعَلَ اَسِیْرُکَ

ہوئی تو مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے ابوہریرہ تمہارے قیدی کا کیا بنا؟

میں نے عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس نے سخت محتاجی اور عیال داری کا عذر کیا مجھے اس پر رحم آگیا۔ میں نے اسے چھوڑ دیا۔ فرمایا، اے ابوہریرہ! آگاہ رہو وہ تم سے جھوٹ بول گیا ہے، وہ پھر آئے گا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، فرماتے ہیں کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان سے یقین ہوگیا وہ ضرور آئے گا، میں گھات میں رہا، وہ آیا اور غلے کے لپ بھرنے لگا، میں نے اسے پکڑ لیا اور کہا، آج تجھے ضرور رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے جاؤں گا۔ یہ آخری اور تیسری بار ہے کہ تو کہہ جاتا ہے، پھر نہ آؤں گا اور پھر آجاتا ہے، وہ بولا، مجھے چھوڑ دے، میں تم کو چند ایسے کلمات سکھاتا ہوں کہ ان کی برکت سے آپ کو نفع ہوگا۔ جب آپ بستر میں جائیں تو آیۃ الکرسی پڑھ لیا کریں۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک محافظ رہے گا اور صبح تک شیطان آپ کے قریب نہ پھٹکے گا۔ میں نے اسے چھوڑ دیا۔

فَاَصْبَحْتُ فَقَالَ لِیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَا فَعَلَ اَسِیْرُکَ

صبح ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے فرمایا تمہارے قیدی کا کیا بنا؟

(مشکوٰۃ صفحہ ۱۸۵)

میں نے عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس نے مجھے ایسے کلمات سکھائے جن سے اللہ تعالیٰ مجھے نفع دے گا۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، وہ ہے تو جھوٹا مگر تم سے

یہ سچ بول گیا ہے۔ کیا تم جانتے ہو تم تین دن کس کے ساتھ گفتگو کرتے رہے ہو؟ میں نے کہا نہیں فرمایا: وہ شیطان تھا۔

اس حدیث پاک سے دو مسئلے حل ہوتے۔ ایک یہ کہ ہمارے آقا و مولیٰ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے علم غیب عطا فرمایا ہے، تب ہی تو حضور اس کی آمد کی خبر دیتے رہے۔ دوسرا یہ کہ قرآن کریم کی برکت سے ہماری حفاظت ہو جاتی ہے۔

قبر کا ساتھی حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ کسی صحابی نے ایک قبر پر خیمہ لگایا، انہیں یہ خبر نہ تھی کہ یہاں قبر ہے۔ پتہ اس طرح چلا کہ اس میں کوئی شخص سورۃ ملک پڑھ رہا ہے، حتیٰ کہ اس نے ختم کر دی۔ (مشکوٰۃ ص ۱۸۱)

حشر کا ساتھی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں،

قَالَ الصِّيَامُ وَالْقُرْآنُ يَشْفَعَانِ لِلْعَبْدِ۔ (مشکوٰۃ ص ۱۷۳) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: رمضان اور قرآن بندے کی شفاعت کریں گے۔

بزرگو دوستو! یہ وہ کتاب ہے جو انعام خدا بھی ہے، معجزہ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم بھی، رہبر گم گشتگان راہ بھی، ہر بیمار کے لیے شفا بھی اور مصیبت زدہ کی دوا بھی۔ قاضی کو عدالت کا سبق، غازی کو شجاعت کا درس، مال دار کو سخاوت کی ترغیب بھی۔ حضرات اس کتاب مقدس میں ہی ہمارے تمام دینی و دنیاوی مسائل کا حل ہے۔

اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا ہے کہ وہ ہمیں قرآن کریم کے بتائے ہوئے اصولوں پر زندگی بسر کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

وما علینا الا البلاغ المبین۔

سیاحِ لامکاں صلی اللہ علیہ وسلم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ ہ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی
سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ ہ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ ہ
اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ہ
بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سُبْحَانَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَی الَّذِیْ بَارَکْنَا حَوْلَہٗ لِنُرِیَہٗ مِنْ اٰیَاتِنَا اِنَّہٗ ھُوَالسَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ ہ

(بنی اسرائیل پ ۱۵ - ع ۱ -)

(پاک ہے وہ جو لے گیا اپنے خاص بندے کو راتوں رات مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ کی طرف جس کے آس پاس ہم نے برکت نازل فرمائی تاکہ ہم (اپنے) اس (بندۂ خاص) کو اپنی قدرت کی (خاص نشانیاں دکھائیں، بے شک وہی سننے والا اور دیکھنے والا ہے)

حضرات جو آیۂ کریمہ میں نے آپ کے سامنے تلاوت کی ہے، اس میں رب کائنات نے تاجدارِ دو جہاں، سرورِ مرسلاں، تاجدارِ کون ومکان، امام الانبیاء، حبیب کبریا، محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی معراج پاک کا تذکرہ فرمایا ہے کہ پاک ہے (وہ اللہ) جو لے گیا اپنے خاص بندے کو راتوں رات، مسجدِ حرام سے مسجدِ اقصیٰ کی طرف۔ وہ پیاری مسجد جس کے گرداگرد (آس پاس) برکت ہے اور سیر کرائی یعنی اپنے محبوب پاک صاحب لولاک صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی خاص نشانیاں دکھائیں، بے شک وہ سننے والا اور دیکھنے والا ہے۔

حضرات! ربِ کائنات نے سفرِ معراج کا تذکرہ کرنے سے پہلے اپنی عظمت و شان اور کبریائی بیان فرمائی۔ پھر معراجِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر فرمایا۔ گویا منشاءِ خداوندی یہ ہے کہ اے محبوب! جہاں تیرا ذکر ہو وہاں میرا ذکر ہو، جہاں میرا ذکر ہو وہاں تیرا ذکر ہو۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اس خالقِ دوجہاں کو علم تھا کہ میری مخلوق میں کچھ لوگ ایسے پیدا ہوں گے جو معراجِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کر دیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے اس واقعہ سے پہلے اپنی کبریائی بیان فرما کر بتا دیا کہ سیر کرانے والا وہ رب قدیر ہے جس کے "کُن" کہنے سے نیست کو ہست اور عدم کو وجود ملا۔ اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ، اسی کی شان ہے، چاہے تو رات کے تھوڑے سے حصے میں اپنے پیارے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مکان و لامکان کی سیر بھی کرا سکتا ہے۔

بس معراج اک راز محبتاں دا انہیں سی ہر اک دی سمجھ وچ آن والا
سَدیا طالب نے اتے مطلوب گیا اتے جبریل سی سدھ جان والا
بھیجے کہے نے بناں دروازیاں توں گیا کس طرح عرش تے جان والا
اے پر عقل نوں آ بنکی دخل اوتھے جانے جان والا یا لے جان والا

اب سوال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے معراج کیوں کرائی؟ اس کی پوشیدہ حکمتیں یا تو اللہ تعالیٰ جانتے ہیں یا اس کے پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم جانتے ہیں، مگر علمائے حقہ نے اس معجزۂ معراج کے جو اسرار بیان کیے ہیں، ان کا کچھ حصہ آپ کی خدمت میں پیش کرتا ہوں:

وکیلِ امت: اللہ کریم فرماتا ہے،

اِنَّ اللّٰہَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَھُمْ وَاَمْوَالَھُمْ بِاَنَّ لَھُمُ الْجَنَّۃَ۔

(تحقیق اللہ تعالیٰ نے مومنوں کی جانیں اور ان کے مال جنت کے بدلے خرید لیے ہیں)

اللہ تعالیٰ خریدنے والا اور مومنین بیچنے والے ہیں۔ جان اور مال مبیع یعنی جو کچھ بیچا جاتا ہے

اس کی قیمت جنت ہے اور سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اس سودے کے وکیلِ اعظم ہیں، وکیل کا یہ کام ہوتا ہے کہ وہ مال کو بھی دیکھے اور قیمت کو بھی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، اے محبوب پاک صلی اللہ علیہ وسلم آپ اپنے امتیوں کی جانوں اور اموال کا مشاہدہ تو فرما ہی رہے ہیں۔ آیئے تشریف لاکر ذرا ان کی جو قیمت ہم نے مقرر فرمائی ہے، یعنی جنت کو بھی دیکھ لیں، بلکہ اس جنت کے خالق کو بھی دیکھ لیں۔

زمین و آسمان کا مناظرہ

مالکِ کائنات نے زمین و آسمان کو پیدا فرمایا
پھر ان کا آپس میں ایک دوسرے سے مناظرہ ہوا

فلک بولا کہ مجھ میں ماہ و خورشید درخشاں ہیں
زمیں بولی کہ مجھ میں لعل ہیں گلہائے خنداں ہیں
فلک بولا زمیں سے مجھ میں انوارِ الٰہی ہیں
زمیں بولی فلک سے مجھ میں اسرارِ الٰہی ہیں
فلک بولا کہ مجھ میں کہکشاں تاروں کی جڑی ہوگی
زمیں سن کر یہ بولی مجھ میں پھولوں کی لڑی ہوگی
فلک بولا گھٹا اٹھ کر میری تجھ کو گھٹا دے گی
زمیں بولی کہ مجھ کو عاجزی تجھ سے بڑھا دے گی
فلک بولا بلندی دی خدا نے ہر طرف مجھ کو
زمیں بولی ملا ہے خاکساری کا شرف مجھ کو
فلک بولا کہ تارے مجھ میں ہیں تاروں سے زینت ہے
زمیں بولی کہ غنچے مجھ میں ہیں غنچوں میں نکہت ہے
فلک بولا میرے اوپر ملائک کے محل ہوں گے
زمیں بولی کہ مجھ میں بیل بوٹے اور پھل ہوں گے

فلک بولا ستاروں سے مزین میرا سینہ ہے
زمیں بولی کہ مجھ پر طور ہے مکہ، مدینہ ہے
فلک بولا کہ مجھ پر کرسی و عرشِ علیٰ ہوں گے
زمیں بولی کہ مجھ پر اولیاء و انبیاء ہوں گے

آمنہ کا چاند ارضِ بطحا کے اُفق پر طلوع ہوا، تو زمین نے مسرت میں ڈوب کر اپنا سر اونچا کر لیا اور آسمان کو مخاطب کر کے کہا کہ اے آسمان اب میں تجھ سے بہر صورت بہتر ہوں، کیونکہ مجھ پر سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم جلوہ فرما ہیں، وہ رُوحِ دو عالم جن کے صدقے اللہ تبارک تعالیٰ نے کل کائنات تخلیق کی۔ یہ سُن کر آسمان نے اعترافِ عجز کرتے ہوئے سر کو جھکا دیا اور بارگاہِ صمدیت و احدیت میں عرض کی مولا کریم اپنے محبوب کو عرشِ عظیم پر بُلا تاکہ وہ مجھے بھی اپنے قدوم میمنت لزوم کے شرف سے نواز کر زمین کے سامنے شرمندہ ہونے سے بچا لیں، چنانچہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے محبوب پاک کو لامکان پر بلانے کے لیے آسمانوں کو آپ کی شاہراہ بنا کر دُعائے افلاک کو شرفِ قبولیت سے نواز دیا۔

نامۂ اعمال

ایک رات سید عالم علیہ الصلوٰۃ و السلام کی چشمانِ مبارکہ حالتِ نیند میں دلِ اطہر لَا یَنَامُ قَلْبِیْ کے تحت بیدار تھا کہ اچانک ہی حضرت جبرائیل علیہ السلام حاضرِ خدمت ہوئے اور عرض کرنے لگے محبوب! یہ استراحت فرمانے کا وقت نہیں، بلکہ خالق کائنات نے تو آپ کو گناہگار امت کی شفاعت کے لیے پیدا فرمایا ہے۔ پھر جبرئیل آپ کو بٹھاتے مکہ میں لے گئے اور وہاں آپ کو امت کے چھوٹے بڑے تمام گناہ دکھائے گئے جو کہ قیامت تک ہونے والے تھے اور احاطۂ شمار سے باہر تھے۔ حضور اکرم علیہ السلام اپنی امت کے گناہوں کو ملاحظہ فرما کر انتہائی غمزدہ ہو گئے۔ اللہ جل شانہٗ کا ارشاد ہوا کہ جس نبی کی امت اتنی گناہ گار ہو، کیا وہ بھی آرام کی نیند سو سکتا ہے۔ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے عرض کی کہ یا اللہ! ان گناہوں کی معافی کی کوئی صورت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے

فرمایا آپ کی شب بیداری سے وابستہ ہے۔ اگر سارے گناہ معاف کرانے ہوں تو ساری رات جاگیے اگر آدھے بخشوانا چاہیں تو آدھی رات جاگیے۔ سرکار نے عرض کی کہ میں ساری رات جاگوں گا کیونکہ میں ساری امت کے گناہوں کی بخشش چاہتا ہوں۔ بخاری شریف میں ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ساری ساری رات عبادتِ الٰہی میں مشغول رہے، حتیٰ کہ تورمت قدماہ او ساقاہ آپ کی مبارک پنڈلیاں متورم ہو جاتیں اور پھر ساری رات جاگنے کا حکم صادر فرمانے والا خالقِ ارض و سماوات محبوبِ اقدس کی یہ مشقت خود ہی برداشت نہ فرما سکا اور یہ آیت کریمہ نازل فرما دی :

يَاأَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ قُمِ اللَّيْلَ إِلَّا قَلِيلًا ۝ نِصْفَهُ أَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِيلًا ۝ أَوْ زِدْ عَلَيْهِ وَرَتِّلِ الْقُرْآنَ تَرْتِيلًا ۔	(اے جھرمٹ مارنے والے رات میں قیام فرمائیے سوائے کچھ رات کے آدھی رات یا اس سے کچھ کم کر دیجئے یا اس پر کچھ بڑھائیے اور قرآن کریم خوب ٹھہر ٹھہر کر تلاوت فرمائیے۔)

(مزمل - پ ۲۹)

آپ نے عرض کی اے اللہ تعالیٰ! گو ساری رات کی بیداری معاف ہو گئی، لیکن جب امت کے گناہ یاد آتے ہیں، تو نیند نہیں آتی - اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے محبوب آؤ ہمارے ملکوتی ملک کی سیر فرمائیے اور ہماری مغفرت کے خزانوں کا مشاہدہ کیجئے تاکہ آپ کو معلوم ہو جائے کہ آپ کی امت کے گناہ زیادہ ہیں یا ہماری رحمت کے دریا۔ (مدارج النبوت رکن سوم باب چہارم)

اَج بخش دیاں گنہ گاراں نوں، اتے عاصی اُو گنہاراں نوں
امت دے گناہ دے دفتر تے دستخط کر دا جا چُپ کر کے

عجائب و غرائب

بہرحال خداوندِ عالم نے روزِ ازل ہی سے اپنے محبوب کو روزِ محشر میں ساری مخلوقات کا شفیع بنانے کے لیے منتخب کیا ہوا ہے۔
قیامت کا دن بڑا خوفناک ہوگا۔ ہر ایک پر خوف طاری ہوگا اور کسی کو دوسرے کا حال دریافت

کرنے کی ہمت نہ ہوگی۔ ہر ایک کوئی اپنے حال میں مستغرق ہوگا خداوندِ عالم نے اپنے محبوب کو
معراج کی رات اپنے پاس بلا کر درجاتِ بہشت و درکاتِ جہنم اور تمام حجاباتِ قدرت دکھائیے
تاکہ کل قیامت کے دن آپ پر خوف و دہشت کا ذرہ برابر بھی اثر نہ ہو سکے۔ آپ بلا خوف خطر
گناہگاروں کی سفارش فرمائیں۔ یہی وجہ ہے کہ روزِ قیامت سب لوگ حتیٰ کہ انبیاء کرام بھی نفسی
نفسی پکاریں گے مگر حبیبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک زبان پر صرف امتی امتی کے الفاظ ہوں گے
(معارج النبوت، رکن سوم باب چہارم)

اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ کا ظہور

جب ربِ کائنات جل مجدہٗ الکریم نے فرشتوں کو ارشاد فرمایا:

اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً ط (میں زمین میں اپنا نائب بنانے والا ہوں) فرشتوں
نے عرض کیا مولیٰ: اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا وَیَسْفِكُ الدِّمَآءَ ج
(کیا ایسے کو نائب کرے گا جو اس میں فساد پھیلائے اور خونریزیاں کرے۔)
اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ (بے شک جو میں جانتا ہوں تم نہیں جانتے)
یعنی میں ان میں اپنا وہ پیارا محبوب مبعوث فرماؤں گا، جس کی خاطر کائناتِ عالم معرضِ وجود میں
آئی ہے اور جس کی خاطر چودہ طبق بنائے گئے۔ اے فرشتو! تمہاری نظر صرف فسادیوں کی طرف
ہے، مگر میری نظر اپنے محبوب مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف ہے۔ جب
فرشتوں نے حضور کا نامِ نامی اسمِ گرامی سنا تو دیکھنے کی تمنا کرنے لگے۔ فرشتوں نے عرض کی مولا!
ایک مرتبہ اپنے محبوب پاک کو عرش پر بُلا تاکہ ہم بھی تیرے محبوبِ اقدس کی زیارت سے مشرف
ہو سکیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے محبوب! ؎

فرشاں عرشاں وچہ اسماناں خلق خدا جو وس دی
پاک جمال تساڈے کارن سِر دی جان ترس دی

(معارج النبوت رکن سوم، باب چہارم)

اے میرے پیارے محبوب کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) اب آسمانوں پر تشریف لاکر آسمان اور عرش والوں کو بھی اپنے جمالِ دل فریب کی زیارت کروا دیجئے۔ صدائے سروش آئی، آج کی شب وہ شب ہے جس میں تمام انبیاء اور آسمانوں والوں کو سرکار کی زیارت سے مشرف کیا جائے گا

صفاں بنھ کے کھلوتا نبیاں نے راہ مل کے بہتا لیاں نے
محبوب نے اسارے عرشیاں نوں دیدار کرایا جاناں اے

چار وزراء حضور سرورِ کائنات صاحب المعراج صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: ہمارے چار وزیر ہیں، دو تو آسمانوں میں ہیں، وہ جبرائیل ومیکائیل علیہما السلام ہیں اور دو زمین پر ہیں اور وہ ابوبکر صدیق اور عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما ہیں۔ گویا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سلطنت کے دو صوبے ہوئے۔ اللہ تبارک تعالیٰ نے فرمایا، اے محبوب! آیئے اور عرش کے صوبے کا بھی دورہ فرمالیجیے۔

مقامِ دید حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت روح اللہ علیہ السلام تک جتنے بھی انبیاء کرام علیہم السلام دُنیا میں آئے، سب نے خدا تعالیٰ کی وحدانیت کا اعلان فرمایا لیکن اس خالق واحد ویکتا کو دیکھا کسی نے بھی نہیں۔ خالق اکبر نے فرمایا اے محبوب! اگر آپ بھی ان کی طرح میری توحید کا اعلان کریں تو آپ کے اور ان کے درمیان خصوصیت کیا ہوگی؟ آپ تو امام الانبیاء ہیں اور میرے محبوب بھی۔ پھر محبوب سے پردہ کون کرتا؟ آیئے مجھے دیکھ کر میری توحید کا اعلان فرمایئے اور شنیدے دید کا مقام حاصل کیجیے۔

افضل الرسل: اللہ تبارک تعالیٰ جل مجدہٗ الکریم ارشاد فرماتا ہے:

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ مِّنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَ رَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ (پ ۳ ع ۱)

یہ رسول ہیں کہ ہم نے ان میں سے ایک کو دوسرے پر افضل کیا ان میں کسی سے اللہ نے کلام فرمایا اور کوئی وہ ہے جسے سب درجوں پر بلند فرمایا۔

سرکارِ اعلیٰ حضرت اس آیۂ کریمہ کی ترجمانی یوں کرتے ہیں:

سب سے اولیٰ و اعلیٰ ہمارا نبی ۔۔۔ سب سے بالا و والا ہمارا نبی

اپنے مولا کا پیارا ہمارا نبی ۔۔۔ دونوں عالم کا دولہا ہمارا نبی

خلق سے اولیا اولیا سے رُسل ۔۔۔ اور رسولوں سے اعلیٰ ہمارا نبی

کیا خبر کتنے تارے کھلے چھپ گئے ۔۔۔ پر نہ ڈوبے نہ ڈوبا ہمارا نبی

بزرگو، دوستو! اللہ تعالیٰ نے ہمارے آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام نبیوں اور رسولوں سے افضل بنایا ہے اور بلند درجات عطا فرمائے ہیں۔ حدیث پاک میں ہے کہ ایک مرتبہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین مل کر بیٹھے ہوئے تھے اور انبیاء کرام علیہم السلام کا ذکرِ خیر کر رہے تھے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے۔ آپ نے سنا ایک صحابی کہہ رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خلیل بنایا، دوسرے بولے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کلیم بنایا، تیسرے کہنے لگے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو کلمۃ اللہ بنایا۔ چوتھے بولے حضرت آدم علیہ السلام کو صفی اللہ بنایا ہے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا: میں نے تمہارے کلام کو سنا، یہ درست ہے:

ابراہیم علیہ السلام خلیلُ اللّٰہ ہیں

موسیٰ علیہ السلام کلیمُ اللّٰہ ہیں

عیسیٰ علیہ السلام رُوحُ اللّٰہ ہیں

آدم علیہ السلام صَفیُّ اللّٰہ ہیں

اَلَا وَ اَنَا حَبِیْبُ اللّٰہ مگر اچھی طرح سُن لو کہ میں اللہ تعالیٰ کا حبیب ہوں۔

(مشکوٰۃ ص ۵۰۵)

حُسنِ یوسف دمِ عیسیٰ یدِ بیضا داری

آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

کلیم و حبیب

سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا مولا میں تیرا کلیم اللہ ہوں اور محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم تیرے حبیب ہیں، مولا! کلیم اللہ اور حبیب میں فرق کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے جواب میں ارشاد فرمایا،

فَقَالَ اَلْکَلِیْمُ یَعْمَلُ بِرِضَاءِ مَوْلَاہُ وَالْحَبِیْبُ یَعْمَلُ بِرِضَائِہٖ وَالْکَلِیْمُ یُحِبُّ اللّٰہَ وَالْحَبِیْبُ یُحِبُّہُ اللّٰہُ وَالْکَلِیْمُ یَأْتِیْ اِلٰی طُوْرِ سِیْنَاءَ ثُمَّ یُنَاجِیْ وَالْحَبِیْبُ یَنَامُ عَلٰی فِرَاشِہٖ فَیَأْتِیْ بِہٖ جِبْرِیْلُ فِیْ طَرْفَۃِ عَیْنٍ اِلٰی مَکَانٍ لَمْ یَبْلُغْہُ اَحَدًا مِنَ الْمَخْلُوْقِیْنَ -

(نزھۃ المجالس ص۲۳ ج۲)

(کلیم وہ ہے جو اپنے مولا کی رضا سے کام کرے اور حبیب وہ ہے جس کی رضا سے مولیٰ کام کرے، کلیم وہ ہے جو اللہ کو چاہے اور حبیب وہ ہے جسے اللہ چاہے، کلیم وہ ہے جو طور سینا پر آئے اور پھر التجا کرے اور حبیب وہ ہے جو اپنے بستر پر استراحت فرما رہا ہو اور جبریل علیہ السلام (اللہ تعالیٰ کے حکم سے) خود حاضر خدمت ہو کر ایک لمحہ میں وہاں لے آئے جہاں مخلوقات میں سے کوئی بھی نہ پہنچ سکا ہو۔)

موسیٰ ز ہوش رفت بیک جلوۂ صفات
تو عین ذات مے نگری و در تبسمی

رضائے حبیب

خدا کی رضا چاہتے ہیں دو عالم
خدا چاہتا ہے رضائے محمد

بزرگو، دوستو! یہ شعر کسی مبالغہ کے ساتھ نہیں کہا گیا، بلکہ اس پر قرآن و حدیث کی نصوص شاہد ہیں۔ آپ اسی واقعہ ہی کو دیکھ لیں کہ پہلے پہل حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز ادا فرمایا کرتے تھے۔ یہودی طعنہ دیا کرتے تھے کہ تم دین تو نیا لائے ہو مگر نماز ہمارے قبلہ کی طرف منہ کر کے ادا کرتے ہو۔ یہودیوں کا یہ طعنہ غیرت

محبوبیت برداشت نہ کرسکی، دل میں خیال آیا کہ ہمارا قبلہ بیت المقدس نہیں، بلکہ کعبہ شریف ہونا چاہیئے۔ ایک مرتبہ دورانِ نماز اسی خیال سے آسمان کی طرف رُخِ انور کیا تو ربِ قدیر نے فرمایا جبرائیل جاؤ اور میرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم سے کہہ دو کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم آپ کا بار بار آسمان کی طرف رُخ اُٹھانا دیکھ رہے ہیں،

قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰهَا فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ (پ ۲ ع ۱)

(تو ہم آپ کا رُخ پھیر دیں گے اس قبلہ کی طرف جس میں آپ کی خوشی ہے۔ ابھی سے اپنا رُخ مسجدِ حرام کی طرف پھیر لیجیے)

دیکھو محبوباں دی مرضی تے قبلے بدلائے جاندے نے

محبوب دے پاک اشاریاں تے سجدے کروائے جاندے نے

لب ہلنے نہیں ہتھ چائے نہیں ذرا رُخ دا رُخ بدلایا سی

ایتھے دی فترضیٰ دے وعدے پئے توڑ چڑھائے جاندے نے

خداوند قدوس نے فرمایا، اے محبوب! (صلی اللہ علیہ وسلم) میرا تو قانون یہی ہے کہ صفی اللہ کا قبلہ بنا تو میری مرضی سے، نجی اللہ کا قبلہ بنا تو میری مرضی سے، خلیل اللہ کا قبلہ بنا تو میری مرضی سے، ذبیح اللہ کا قبلہ بنا تو میری مرضی سے، کلیم اللہ کا قبلہ بنا تو میری مرضی سے، رُوح اللہ کا قبلہ بنا تو میری مرضی سے، مگر اے محبوب! آپ کا قبلہ آپ کی مرضی سے مقرر ہوگا، آپ جدھر چاہیں رُخ پھیر لیں۔ رُخ پھیرنا آپ کا کام ہے اور قبلے کو تبدیل کر دینا میرا کام ہے ؎

دو عالم دے خالق تے مالک دی مرضی

ہے او ہو جو تیری رضا کملی والے

بزرگو، دوستو! اللہ تبارک و تعالیٰ نے تمام انبیاء کرام علیہم السلام کو مجموعی طور پر جس قدر عظمتیں رفعتیں عطا فرمائی ہیں، ان سب سے کہیں زیادہ ہمارے آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ذاتِ اقدس کو عطا فرمادیں، پھر ان سے سب سے بڑھ کر یہ کیا کہ اپنے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام

کو مکان و لامکان کی سیر کرائی، جہاں تک کسی پیغمبر و رسول، کسی نبی کو رسائی حاصل نہ ہوئی ؎

لامکاں تک اجالا ہے جس کا ہے، وہ
ہر مکاں کا اُجالا، ہمارا نبی

یوں تو اللہ تبارک و تعالیٰ نے دُوسرے انبیاء کرام علیہم السلام کو بھی معراج کرائی، مگر

یُوں تو سارے نبی محترم ہیں مگر
سرورِ انبیاء، تیری کیا بات ہے

معراج سیّدنا آدم علیہ السلام

اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے ،

وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً ؕ (پ ۱ - ع ۴)

(اور محبوب) یاد کیجیے جب کہا تمہارے رب نے فرشتوں سے، تحقیق میں زمین میں اپنا نائب بنانے والا ہوں)

حضرات! اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو یہ عظمت و شان عطا فرمائی کہ ان کی پیدائش سے قبل ان کی خلافت و حکومت کے چرچے کیے، پھر ان کو پیدا کرنے کے بعد انہیں فرشتوں پر فضیلت عطا فرمائی، انہیں تمام اشیاء کے نام سکھائے، مسجود ملائکہ بنا کر تاجِ خلافت پہنایا، مکینِ جنت ہونے کا شرف بخشا اور ابوالبشر کا اعزاز عطا فرمایا۔

معراج سیّدنا ابراھیم علیہ السلام

وَكَذٰلِكَ نُرِیْۤ اِبْرٰهِیْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلِیَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِیْنَ (پ ۷، ع ۱۵)

(اور اسی طرح ہم ابراہیم کو دکھاتے ہیں، ساری بادشاہی آسمانوں اور زمین کی اور اس لیے کہ وہ عین الیقین والوں میں ہو جائے)

بزرگو، دوستو! حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بھی معراج بخشی گئی، آپ کو ایک پتھر پر کھڑا کیا گیا اور پھر ان کے لیے آسمان و زمین کے تمام حجابات اٹھا دیے گئے، حتیٰ کہ عرشِ بریں سے اسفل السافلین تک ہر چیز کا مشاہدہ کرا دیا گیا، یہاں تک کہ آپ نے بہشت بریں کے اندر اپنے قصرِ معلّیٰ کو بھی دیکھ لیا۔

روایتوں میں مذکور ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو زمین و آسمان کا مشاہدہ کرایا، تو آپ نے ایک شخص کو گناہ کرتے دیکھا، تو عرض کی اے اللہ! یہ شخص تیرا عطا کیا ہوا رزق کھائے اور تیری ہی نافرمانی کرے۔ میرے معبود اسے ہلاک کر دے۔ وہ شخص وہیں ہلاک ہو گیا۔ اسی طرح تین شخص مر گئے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے میرے خلیل علیہ السلام میرے بندوں کے لیے تم بد دعا نہ کرو، میں اپنی مخلوق کے ساتھ بڑی مہربانی کرتا ہوں۔ اگر کوئی شخص گناہ کرے، تو بہ و استغفار کا انتظار کرتا ہوں، حتیٰ کہ اگر توبہ نہ کرے اور کوئی نیک اولاد چھوڑے جو اس کے لیے دعائے مغفرت کرے، تو اس کی بخشش ہو جاتی ہے اور اگر یہ بھی نہ ہو تو میں جسے چاہوں اسے اپنے فضل و کرم سے معاف فرما دوں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے خلیل علیہ السلام کو ملکوت السمٰوات والارض کا مشاہدہ کروایا، ان پر نارِ نمرود کو گلزار کیا، انہیں اپنا گھر بیت اللہ شریف تعمیر کرنے کا شرف بخشا۔

معراج سیدنا موسیٰ علیہ السلام

قرآن مجید اور فرقانِ حمید میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی معراج کا واقعہ اس طرح ارشاد فرمایا ہے،

وَلَمَّا جَآءَ مُوْسٰی لِمِیْقَاتِنَا وَكَلَّمَهٗ رَبُّهٗ ۙ قَالَ رَبِّ اَرِنِیْٓ اَنْظُرْ اِلَیْكَ ؕ قَالَ لَنْ تَرٰىنِیْ وَلٰكِنِ انْظُرْ اِلَى الْجَبَلِ فَاِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهٗ فَسَوْفَ تَرٰىنِیْ ۚ فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا وَّخَرَّ مُوْسٰی صَعِقًا ۚ فَلَمَّاۤ اَفَاقَ قَالَ سُبْحٰنَكَ تُبْتُ اِلَیْكَ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِیْنَ ۝

(پ ۹ - ع ۶)

(اور جب موسیٰ علیہ السلام ہمارے وقت پر آئے اور ان کے رب نے ان سے باتیں کیں تو عرض کیا اے میرے رب! مجھے اپنا دیدار دکھلا دیجیے کہ میں تجھ کو ایک نظر دیکھ لوں۔ ارشاد ہوا تو مجھ کو ہرگز نہیں دیکھ سکتا لیکن تم اس پہاڑ کی طرف دیکھو، سو اگر اپنی جگہ پر قرار رہا تو تم بھی دیکھ سکو گے، پس ان کے رب نے جو اس پر تجلی فرمائی تو تجلی نے اسے پاش پاش کر دیا اور موسیٰ بیہوش ہو کر گر پڑے۔ پھر جب افاقہ ہوا تو عرض کی بیشک تو پاک ہے، میں تیری بارگاہ میں معذرت کرتا ہوں اور میں سب سے پہلے اس پر یقین کرتا ہوں)

بزرگو، دوستو! اللہ تبارک و تعالیٰ کے اولوالعزم پیغمبر حضرت موسیٰ علیٰ نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس معراج کے حصول کے لیے چالیس دن روزے رکھے، پاکیزہ لباس پہنا، وضو فرمایا اور کوہ طور پر حاضر ہو گئے تو پہاڑ کو ایک بادل کے ٹکڑے نے گھیرے میں لے لیا جس سے موسیٰ علیہ السلام ہر طرف سے لوگوں کی نگاہوں سے اوجھل ہو گئے۔ پھر ہر قسم کے جانور حتیٰ کہ چیونٹیاں بلکہ فرشتے بھی وہاں سے اکیس میل دور کر دیے گئے تاکہ اللہ تعالیٰ کی موسیٰ علیہ السلام سے ہم کلامی پر کوئی دوسرا ذی روح بھی مطلع نہ ہو سکے۔ اس کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سامنے زمین و آسمان کے حجابات دور ہو گئے، حتیٰ کہ ملائکہ کو دیکھا، عرش بریں کو دیکھا الواح پر چلنے والی قلموں کی آواز سُنی۔ اس کے بعد اللہ تبارک و تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمایا۔

سُبحان اللہ کیسی عنایات ہو رہی ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام کو کلامِ الٰہی کی لذت نے دیدار خداوندی کا آرزومند بنا دیا، عرض کی مولا مجھے اپنے دیدار سے مشرف فرما۔ رب تعالیٰ نے فرمایا میں تو دکھانے پر

قادر ہوں، مگر تجھ میں دیکھنے کی تاب نہیں۔ موسیٰ علیہ السلام کا اصرار بڑھا تو فرمایا کلیم اللہ! میں پہاڑ پر اپنی تجلی ڈالتا ہوں، اگر تو نے اسے دیکھ لیا تو پھر مجھے بھی دیکھ سکتا ہے۔ جب تجلی پہاڑ پر پڑی تو موسیٰ علیہ السلام بے ہوش ہو گئے ؎

فرق مطلوب و طالب میں دیکھے کوئی   قصۂ طور و معراج سمجھے کوئی

کوئی بیہوش جلووں میں گم ہے کوئی   کس کو دیکھا یہ موسیٰ سے پوچھے کوئی

آنکھ والوں کی ہمت پہ لاکھوں سلام

بہرحال موسیٰ علیہ السلام کی یہی معراج تھی کہ آپ کو پردوں کی اوٹ میں خالقِ کائنات سے شرفِ ہمکلامی حاصل تھا، مگر بے حجاب جلوۂ دیدارِ الٰہی کا ارمان خَرَّ مُوسٰی صَعِقًا کی صدا بن کر رہ گیا ؎

اَوْ اَدْنیٰ یار کے لیے، پردہ کلیم سے

صَائِم یہ اپنے اپنے ستارے کی بات ہے

اور اب ذرا حضرت ادریس علیہ السلام کی معراج کا واقعہ بھی سُن لیجیے:

معراج سیدنا ادریس علیہ السلام

اللہ تعالیٰ کا ارشادِ گرامی ہے:

وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ إِدْرِيسَ إِنَّهُ كَانَ صِدِّيقًا نَّبِيًّا وَرَفَعْنَاهُ مَكَانًا عَلِيًّا۔ (پ ۱۶ ع ۷)

(اور کتاب میں ادریس کو یاد کرو، بے شک وہ صدیق تھا اور غیب کی خبریں دیتا تھا اور ہم نے اسے بلند مقام پر اٹھالیا)

سیدنا حضرت ادریس علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ اور جلیل القدر پیغمبر تھے۔ آپ رات دن عبادتِ الٰہی میں مشغول و مصروف رہتے۔ زُہد و تقویٰ، عبادت و ریاضت کا یہ عالم تھا کہ ملائکہ کرام میں بھی آپ کی دھوم تھی، اسی لیے ملائکہ عظام آپ کی زیارت کے لیے بارگاہ

نبوی میں حاضری دیا کرتے تھے۔ ایک دن ایک فرشتہ آپ کی زیارت کے لیے حاضرِ خدمت ہوا۔ آپ نے پوچھا تو کس مقام سے آیا ہے ؟ اس نے عرض کی اے اللہ کے نبی! میں سورج پر متعین تین سو ساٹھ فرشتوں میں سے ایک ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ سورج کی تپش زمین پر اتنی زبردست ہے تو اس مقام پر کتنی زبردست حرارت اور شدت کی گرمی ہوگی، چنانچہ بارگاہِ صمدیت واحدیت میں دستِ دعا پھیلاتے اور عرض کی اے اللہ! مجھے سورج کی سیر کرادے۔ خالقِ کائنات نے اجازت دے دی، تو پھر آپ کو سورج کی سیر کرانے کے لیے لے جایا گیا۔

آپ نے سورج کے طبقات کا مشاہدہ فرمالیا، تو ارشادِ باری تعالیٰ ہوا اے میرے نبی! کوئی اور تمنا ہے تو کہو، آپ نے عرض کی اے اللہ! اگر میری جان قبض کرلی جائے، تو میں موت کی سختی دیکھ کر تیری اور زیادہ عبادت کروں۔ چنانچہ آپ کی یہ عرض بھی منظور ہوگئی اور آپ کی جان قبض کرلی گئی، پھر دوبارہ زندہ کیا گیا۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا، اے میرے پیارے نبی! کوئی اور تمنا ہے تو کہو، عرض کی مولا! اگر دوزخ کی گرمی کو دیکھ لیتا، تو تیری اور زیادہ عبادت کرتا، چنانچہ آپ کو دوزخ کے طبقات دکھائے گئے۔

پھر فرمایا اے نبی! کوئی اور آرزو ہو تو بتلائیے ؟ عرض کی اے اللہ! اگر مجھے جنت کی سیر کرادی جائے، تو میں اس کی بہار جاوداں کو دیکھ کر اور زیادہ خشوع کے ساتھ تیری عبادت میں مصروف ہو جاؤں۔ یہ دعا بھی خالقِ کائنات نے قبول فرمالی اور آپ کو جنت میں بھیج دیا گیا آپ نے اس جنت کو دیکھا تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ، حور و غلمان اور عالیشان محلات دیکھے۔

کچھ عرصہ گزر جانے کے بعد فرشتے نے جناب ادریس علیہ السلام کی خدمت میں عرض کی، اب آپ زمین کی طرف واپس تشریف لے چلیں، تو آپ نے فرمایا، کُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ کے مطابق موت کا ذائقہ چکھ لیا، اِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا کے مطابق دوزخ سے بھی گزرا اور اب میں وَمَا هُمْ عَنْهَا بِمُخْرَجِيْنَ کے مطابق بہشت سے باہر

نہ جاؤں گا۔ فرشتے نے عرض کی حضور! یہاں امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تشریف آوری سے قبل کوئی داخل نہیں ہو سکتا۔ آپ نے فرمایا دیکھو، حور و غلماں بھی تاجدار انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے پہلے اس جنت میں موجود ہیں۔ فرشتے نے عرض کی حضور! وہ تو خادم کی حیثیت سے یہاں مقیم ہیں، تو آپ نے فرمایا: میں بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم کی حیثیت سے یہاں مقیم رہوں گا۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میرے نبی کو میری مرضی پر رہنے دو۔

(رُوح المعانی ج ۱۶ ص۹۷)

بزرگو، دوستو! جناب ادریس علیہ السلام کا اس طریقہ سے بہشتوں میں مقیم ہونا آپ کی معراج کی انتہا ہے، مگر آپ نے جنت و دوزخ کی سیر میں جو کچھ ملاحظہ فرمایا اسے کوئی نہیں جانتا، اس لیے آپ نے واپس تشریف لا کر کسی کو کچھ بتایا نہیں مگر سید المرسلین خاتم النبیین، فخر آدم و ادریس حضور رحمۃ اللعالمین، شب اسریٰ کے دولہا احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت و شان پہ قربان جاؤں ؎

سرکار نے کیں منزلیں طے مع جسدِ پاک
سرکار نے ہر چیز کو دیکھا شبِ معراج

جس کی کسی انسان نے پائی نہ ہوا بھی
وہ مرتبہ سرکار نے پایا شبِ معراج

جو طالب و مطلوب میں تھے اٹھ گئے پردے
جو راز تھے سب ہو گئے ہیں وا شبِ معراج

وہ خدا نے ہے مرتبہ تجھ کو دیا، نہ کسی کو ملے نہ کسی کو ملا!
کہ کلام مجید نے کھائی شہا، ترے شہر و کلام و بقا کی قسم

ترا مسندِ ناز ہے عرشِ بریں، ترا محرمِ راز ہے روحِ امیں
تو ہی سرورِ ہر دو جہاں ہے شہا، ترا مثل نہیں ہے خدا کی قسم

(اعلیٰ حضرت)

معراج شریف

امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم

نبوت کے بارھویں سال رجب المرجب کی ستائیس تاریخ کو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی چچازاد بہن حضرت ام ہانی رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر آرام فرما تھے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کو ارشاد فرمایا کہ آج کی رات جنت کو سجا دو، دوزخ کو بجھا دو اور حوران بہشت عمدہ ونفیس لباس زیب تن کرلیں، سب فرشتے محبوب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مؤدب اور کمربستہ ہو جائیں۔ میکائیل رزق کی تقسیم بند کر دے۔ اسرافیل صور نہ پھونکے، عزرائیل آج کی رات کسی کی روح قبض نہ کرے، تمام قبروں سے عذاب اٹھا لیا جائے۔ حضرت آدم علیہ السلام تا حضرت عیسیٰ علیہ السلام تمام انبیائے کرام محبوبِ پاک، صاحبِ لولاک صلی اللہ علیہ وسلم کے استقبال کے لیے تیار ہو جائیں ؎

فلک پھر کیوں سجایا جا رہا ہے　　کوئی مہماں بلایا جا رہا ہے
صفیں باندھے کھڑے ہو ملائک　　کوئی نغمہ سا گایا جا رہا ہے

جبرائیل آج کی رات، وہ عظمتوں اور برکتوں والی رات ہے جس میں تمام انبیاء کرام علیہم السلام صف بستہ ہو کر میرے پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کا استقبال کریں گے۔ ستارے محبوب کی گردِ راہ بن کر مزید درخشاں ہو جائیں گے ؎

صفاں بنھ کے کھلو نبیاں نے، راہ مل کے بہناں ڈلیاں نے
محبوب دا سارے عرشیاں نوں دیدار کرایا جانا اے

بہرحال میرے بزرگو، دوستو! خالقِ کائنات نے فرمایا، جبرائیل علیہ السلام ستر ہزار فرشتوں کے ساتھ جنت میں جاؤ اور وہاں سے ایک براق لے کر میرے محبوب پاک کی خدمت اقدس میں

حاضر ہو جاؤ اور عرض کرو،

إِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى يَقْرَءُكَ السَّلَامَ وَهُوَ يَدْعُوكَ وَأَنَا حَامِلُكَ إِلَى اللّٰهِ تَعَالٰى۔

(بے شک اللہ تعالیٰ آپ کو سلام فرماتا ہے اور آپ کو بلاتا ہے اور میں آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرف لے جانے کے لیے حاضر ہوا ہوں)

(معارج النبوۃ رکن سوم باب چہارم)

ہوئے ہیں حضرت جبریل حاضر — پیام حق سنایا جا رہا ہے
زمیں سے تا سر عرش معلیٰ — نبی کا نور چھایا جا رہا ہے

انتخاب براق

اللہ تبارک وتعالیٰ جل مجدہٗ الکریم کا حکم سنا تو حضرت جبریل علیہ السلام جنت میں تشریف لے گئے۔ جا کر دیکھا تو وہاں چالیس ہزار براق موجود ہیں۔ سب کے سب خوبصورت ایک سے ایک بڑھ کر حسین۔ تمام کے تمام دلفریب و دلکش، سارے کے سارے چاک و چوبند اور تیز طرار۔

ان کو بھی معلوم ہو چکا تھا کہ آج ہمیں اس تاجدار کونین کی سواری کا شرف حاصل ہونے والا ہے جس کے لیے عرش و آسمان کے مکین اور خود تمام چیزوں کی تخلیق فرمانے والے رب کائنات بھی منتظر راہ ہے۔ اس تصور کے ساتھ ہر براق اپنے اپنے مقام پر مسرت و شادمانی میں ڈوبا ہوا نظر آتا ہے۔ کیوں نہ ہوتا ان میں سے کسی ایک خوش نصیب کو تاجدار انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری بننا تھا۔

سبحان اللہ! محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری کے لیے کسی ایسے براق کا انتخاب کرنا تھا، جو آپ کی شایانِ شان ہو۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام کے لیے بھی عجیب امتحان کا وقت تھا کہ ہر براق بے مثال و باکمال ہے اور ہر ایک کی خواہش ہے کہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری کے لیے میرا انتخاب کر لیا جائے۔

حضرت جبرائیل علیہ السلام نے ایک بار پھر اُن سب کا جائزہ لیا، تو ان کا مسئلہ حل ہوگیا اور انہیں ایک ایسا براق نظر آیا جو حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری بننے کے لائق تھا، وہ براق تھا، تو انہی چالیس ہزار میں، مگر اُس کی کیفیت ان سب سے الگ تھلگ تھی۔ دوسرے براق مچل مچل کر اظہارِ مسرت کر رہے تھے، مگر اس براق کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔
دوسرے براق گردن اٹھا اٹھا کر اپنے ناز و انداز کا مظاہرہ کر رہے تھے، مگر اس براق نے اپنی گردن نیچی ڈال رکھی تھی۔ دوسرے براق شاد اور مسرور تھے، وہ براق غمزدہ اور رنجور تھا، وہ شادمان تھے، یہ پریشان تھا۔ ان کے چہروں پر مسرت تھی، اس کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ خداوند قدوس نے تو اسے پہلے ہی پسند فرما رکھا تھا، جبریل علیہ السلام کی توجہ بھی ادھر ہی ہوگئی اور اس سے پوچھنے لگے، یہ رونے کا کون سا موقع ہے، سب کے سب براق تو خوشیاں منا رہے ہو، مگر تم کیوں آنسو بہا رہے ہو؟

جبریل علیہ السلام کا سوال سنا، تو براق کی آنکھوں سے بہنے والے اشکوں کے سیلاب میں مزید روانی آگئی، رو کر کہنے لگا، یہاں پر چالیس ہزار اعلیٰ سے اعلیٰ براق موجود ہیں، مگر محبوب کی سواری کے لیے تو صرف ایک کی ضرورت ہے۔ رو اس لیے رہا ہوں کہ ان چالیس ہزار میں سے میری باری کیسے آسکتی ہے؟

حضرت جبرائیل علیہ السلام مزاج شناسِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ آپ جانتے تھے کہ محبوب کبریا، علیہ الصلوٰۃ والسلام تمام صفات ارفع و اعلیٰ کے مالک ہونے کے باوجود تواضع و انکساری فرماتے ہیں، ساری کائنات کے مالک ہو کر بھی تمام کائنات عالم سے زیادہ عاجزی فرماتے ہیں۔

چنانچہ جبرائیل علیہ السلام نے براق کو پیکرِ عجز و انکساری بنا ہوا دیکھا اور محبتِ رسولِ انام میں مستغرق پایا، تو اسی کو محبوب خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سواری کے لیے منتخب کر لیا۔ ایسے ہی کسی مقام کے لیے شاعر نے کہا ہے ؎

ناز کرن جے چوڑے والیاں تے دھتکاریاں جاون
عاجز ہون جے چکڑ بھریاں قرب حضوروں پاون

براق کو اپنی عجز و انکساری کی پوری پوری قیمت وصول ہو چکی تھی، اگرچہ وہ براق تمام براقوں سے زیادہ حسین و جمیل اور تیز طرار تھا، مگر کام اس کا عاجزی نے ہی بنایا تھا۔

بہرحال جبریل علیہ السلام اس خوش قسمت براق کو لے کر حضور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے آستانۂ اقدس پر حاضر ہو گئے۔ دیکھا تو محبوب لا ینام قلبی کی کیفیت میں استراحت فرما رہے ہیں۔ حضور سرور کونین آج کی شب اپنا عرش بریں پر جانا جبریل علیہ السلام سے زیادہ جانتے تھے لیکن اس وقت آرام فرمانے کے لیے لیٹنا بھی ایک ادائے محبوبانہ تھی۔

حضور محوِ استراحت ہیں اور جبریل امین بارگاہِ ایزدی میں عرض کرتے ہیں، مولا تیرے محبوب کا معاملہ ہے، تیرا حکم ہے کہ محبوب کو جلد لے کر آؤں۔ جلدی کرتا ہوں تو محبوب کی بے ادبی کا ڈر ہے، تو ہی بتا کیسے تیرے محبوب کو جگاؤں؟

حکمِ خداوندی ہوا "یا جبریل قبل قدمیہ" اے جبریل محبوب کے قدموں کو چوم لو؛ جبریل آہستگی سے حضور سرورِ کائنات کے مبارک قدموں کے قریب بیٹھ گئے اور آپ کے نورانی قدموں کا بوسہ لے لیا۔

جبریل علیہ السلام کے کافوری لبوں کی ٹھنڈک پہنچی تو حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے چشمان مبارک کھول کر فرمایا، جبریل کیسے آنا ہوا؟ عرض کیا، حضور! خالق کائنات نے آپ کو یاد فرمایا ہے اور میں آپ کو لینے کے لیے حاضر ہوا ہوں ؎

عرض کیتی جبریل نمیاں نوں مل کے چلو آقا حق دا پیام آگیا اے
سواری لئی درستے ہے براق آیا تے داگاں پھڑن نوں غلام آگیا اے

تیاری حضور اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارادۂ طہارت فرمایا تو داروغۂ جنت آبِ کوثر کی دو صراحیاں لے کر حاضر ہو گیا۔ آپ کو آبِ کوثر سے غسل دیا گیا

ماہ و انجم تصدق ہو رہے ہیں انہیں دولہا بنایا جا رہا ہے
ماہ و انجم بھی مدھم پڑ رہے ہیں نقابِ رُخ اٹھایا جا رہا ہے

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ فرماتے ہیں ؎

خدا ہی دے صبر جان پرغم، دکھاؤں کیونکر تجھے وہ عالم
جب ان کو جھرمٹ میں لے کے قدسی جناں کا دولہا بنا رہے تھے
اتار کر ان کے رُخ کا صدقہ، یہ نور کا بٹ رہا تھا باڑا!
کہ چاند سورج مچل مچل کر جبیں کی خیرات مانگتے تھے
وہی تو اب تک چھلک رہا ہے، وہی تو جوبن ٹپک رہا ہے
نہانے میں جو گرا تھا پانی، کٹورے تاروں نے بھر لیے تھے
بچا جو تلووں کا دھوون، بنا وہ جنت کا رنگ و روغن
جنہوں نے دولہا کی پائی اُترن، وہ پھول گلزار نور کے تھے،
خبر یہ تحویل مہر کی تھی، کہ رُت سہانی گھڑی پھرے گی!
وہاں کی پوشاک زیب تن کی، یہاں کا جوڑا بڑھا چکے تھے

غسل کے بعد آپ نے نورانی جوڑا زیب تن فرمایا، تو پھر شب اسریٰ کی جلوہ ریزیوں کا عالم کچھ اور ہی ہو گیا ؎

شب اسریٰ کے دولہا پہ دائم دُرود
نوشۂ بزمِ جنت پہ لاکھوں سلام

شب اسریٰ کے دُولہا، تاجدارِ انبیاء حضرت امّ ہانی کے گھر سے اٹھ کر بیت اللہ شریف تشریف لائے، تو وہاں آپ کا شقِّ صدر ہوا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

فَنَزَلَ جِبْرِيْلُ فَفَرَجَ صَدْرِيْ (پس جبرائیل علیہ السلام اترے، انہوں نے
ثُمَّ غَسَلَهٗ بِمَاءِ زَمْزَمَ ثُمَّ میرا سینہ کھولا، پھر زمزم کے پانی سے دھویا، پھر

جَاءَ بِطَسْتٍ مِّنْ ذَهَبٍ مُّمْتَلِئٍ	سونے کا طشت حکمتِ ایمان سے بھرا ہوا
حِكْمَةً وَّاِيْمَانًا فَاَفْرَغَهُ فِيْ صَدْرِيْ	لائے، اسے میرے سینے میں پلٹ دیا پھر
ثُمَّ اَطْبَقَهُ (بخاری، مسلم، مشکوٰۃ ص۵۲۹)	اسے ملا دیا (یعنی سی دیا)

اس کے بعد جبریل امین علیہ السلام رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کو خانۂ کعبہ سے بطحائے مکہ میں لائے جہاں پر حضرت میکائیل، حضرت اسرافیل علیہما السلام ستر ہزار ملائکہ کرام کی جماعت کے ساتھ آپ کے استقبال کے لیے صف بستہ کھڑے تھے اور جب حضور تاجدارِ انبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے درمیان تشریف لے گئے، تو دلفریب منظر یہ تھا ۔

روانگی

تجلیٔ حق کا سہرا سر پر، صلوٰۃ و تسلیم کی نچھاور

دو رویہ قدسی پرے جما کر، کھڑے سلام کے واسطے تھے

ملائکہ کے اسی جھرمٹ میں آپ کو سواری کے لیے براق پیش کیا گیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں!

ثُمَّ اُتِيْتُ بِدَابَّةٍ دُوْنَ الْبَغْلِ	(پھر ہمیں ایک ایسی سواری پیش کی گئی جس کا قد
وَفَوْقَ الْحِمَارِ اَبْيَضَ يُقَالُ لَهُ	خچر کے قد سے چھوٹا اور گدھے کے قد سے بڑا تھا اور
الْبُرَاقُ۔ (بخاری، مسلم، مشکوٰۃ ص۵۲۷)	وہ سفید رنگ کا تھا اور اسے ہی براق کہتے ہیں)

پھر جب حضور علیہ السلام کو اس براق پر سوار ہونے کے لیے عرض کیا گیا تو آپ کو ایک دم اپنی پیاری امت کا خیال آگیا، تو آپ نے رنجیدہ ہو کر سوار ہونے میں توقف فرمایا۔ ارشادِ خداوندی ہوا۔ اے جبرائیل! میرے محبوب سے غم کی وجہ دریافت کرو۔ جبرائیل علیہ السلام نے عرض کیا، محبوب! آپ غمزدہ کیوں ہیں؟ تو آپ نے فرمایا، جبرائیل! آج مجھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے طرح طرح کی نعمتوں سے نوازا گیا ہے۔ نہایت عظمت و شان کے ساتھ عرش پر بلانے کا اہتمام کیا گیا ہے، میرے لیے جنت الفردوس کے ملبوسات اور بہشت بریں کی پُر رفتار سواری بھیجی گئی، لیکن قیامت کے دن جب میری امت بھوکی پیاسی اور گناہوں کا بوجھ اٹھائے اپنی قبروں سے

نکلے گی، تو پچاس ہزار سالہ قیامت کے دن پُل صراط کا بیس ہزار سال کا اور بال سے باریک اور تلوار سے تیز، کٹھن راستہ کس طرح طے کرے گی؟

اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے محبوب کے غم کی وجہ سُنی، تو ارشاد فرمایا اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم آپ اپنے قلب مطہر سے ہر قسم کے رنج و غم کو نکال دیجیے، جس طرح آج میں نے آپ کو عظمت و شان اور رفعت و سربلندی عطا کر کے آپ کے لیے براق کی سواری بھیجی ہے۔ اسی طرح قیامت کے دن آپ کے ہر اُمتی کے لیے جس کے دل میں آپ کی محبت جلوہ گر ہو گی، سواری بھیج دی جائے گی، چنانچہ رب کائنات کا فرمان عالی ہے،

یَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِیْنَ اِلَی الرَّحْمٰنِ وَفْدًا ۔ (جس دن ہم پرہیزگاروں کو رحمان کی طرف لے جائیں گے مہمان بنا کر)
(مریم پ ۱۶ - آیت ۸۵)

زیر آیت مفسرین کرام نے لکھا ہے کہ جب اہل تقویٰ کو قبروں سے اٹھایا جائے گا تو ان کے لیے مرصع و مزین کر کے نوری سواریوں کو اللہ تعالیٰ کا مہمان بنانے کے لیے بھیجا جائیگا۔

(در منثور ج ۴ صـ ۲۸۶ (ماخوذ))

حضرت مولانا نعیم الدین مراد آبادی علیہ الرحمہ اس آیت مقدسہ کے تحت یہ روایت نقل کرتے ہیں، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، سے روایت ہے کہ مومنین متقین محشر میں اپنی اپنی قبروں سے سوار کر کے اٹھائے جائیں گے اور ان کی سواریوں پر طلائی مرصع زینیں اور پالان ہوں گے۔

بہر حال جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام براق پر سواری فرمانے لگے، تو اس براق نے بارگاہِ رسالت مآب میں عرض کیا، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ! خدا کا شکر ہے کہ آپ نے مجھے اپنی سواری کے لیے منتخب فرمایا اور میں اپنی اس خوش قسمتی پر جس قدر بھی ناز کروں کم ہے، مگر لے شب اسریٰ کے دولہا کل قیامت کے دن آج ہی کی طرح مجھ پر سواری فرمانا، میرے آقا! اس دن مجھے فراموش نہ فرمادینا، رحمت دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی یہ عرض منظور فرمائی اور فرمایا اے براق خوش ہو جا، ہم قیامت کے دن تجھ پر ہی سواری کریں گے ۔

تاجدارِ انبیاء علیہم السلام براق پر سوار ہوئے، جبریل علیہ السلام نے رکاب تھامی، میکائیل علیہ السلام نے لگام پکڑی۔ نوری فرشتے ہاتھوں میں نوری قندیلیں لیے صف بستہ ساتھ ساتھ چلے اور یوں لگتا تھا کہ فرش تا عرش انوار و تجلیات کی بارش ہو رہی ہے ؎

باغِ عالم میں بادِ بہاری چلی — سرورِ انبیاء کی سواری چلی
یہ سواری سوئے ذاتِ باری چلی — ابرِ رحمت اٹھا آج کی رات ہے
جذبِ حسنِ طلب ہر قدم ساتھ ہے — دائیں بائیں فرشتوں کی بارات ہے
سر پہ نورانی سہرے کی کیا بات ہے — شاہ دولہا بنا آج کی رات ہے
کون جاتا ہے؟ سلطانِ دنیا و دیں — کس طرف؟ عرش پر ذاتِ حق کے قریں
لینے آئے یہ کون؟ روح الامیں — کیا وصالِ خدا آج کی رات ہے
عطرِ رحمت فرشتے چھڑکتے چلے — جس کی خوشبو سے رستے مہکتے چلے

چاند تارے جلو میں چمکتے چلے
کہکشاں زیرِ پا آج کی رات ہے

مدینہ منورہ نوریوں کے جلو میں نوری سواری پر نورِ خدا سوار ہو کر چلے تو دو نفس جہاں ہی نور کے سانچے میں ڈھل گئے۔ اثنائے راہ آپ کا گزر ایک ایسی سرزمین پر ہوا جہاں سرسبز و شاداب نخلستانوں میں سرو قامت کھجور کے درخت نہایت شانِ دلربائی سے لہلہا رہے تھے۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے اس مقام پر عرض کیا، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہاں دو رکعت نماز ادا فرمائیے۔ یہ وہ مقام، رشکِ جنت ہے، جہاں آپ ہجرت کر کے تشریف لائیں گے، چنانچہ تاجدارِ مدینہ نے وہاں دو رکعت نماز ادا کی پھر سفر کے لیے آگے روانہ ہوئے۔

قبرِ موسیٰ علیہ السلام پھر حضورِ اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام اسی سفرِ معراج میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قبرِ مبارک سے گزرے، جس کے متعلق آپ کا ارشادِ گرامی ہے:

رَاَیْتُ مُوْسٰی یُصَلِّیْ فِیْ قَبْرِہٖ (ہم نے دیکھا کہ موسیٰ علیہ السلام اپنی قبر میں نماز پڑھ رہے ہیں)

(رحمۃ اللہ علی العالمین صـ۳۴۹)

بزرگو، دوستو! اس فرمانِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے معلوم ہوا کہ آپ قبر کے قریب سے گزرتے وقت اس کے تمام حالات کا مشاہدہ کر سکتے ہیں، تو یقینی امر ہے کہ آپ قبر کے اندر جلوہ فرما ہو کر اُمتیوں کے تمام حالات سے باخبر ہیں ؎

فریادِ اُمتی جو کرے حالِ زار پر
ممکن نہیں کہ خیر البشر کو خبر نہ ہو

چنانچہ شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ انبیائے کرام علیہم السلام زندہ ہوتے ہیں اور اپنے رب تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں، جیسا کہ اہلِ جنت جنت میں بلا تکلف عبادت کرتے رہتے ہیں۔ (مدارج النبوۃ ج ۲ صـ۱۹۵)

اسی لیے سرکارِ اعلیٰ حضرت تاجدارِ مدینہ سرورِ سینہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور عرض کرتے ہیں ؎

تو زندہ ہے واللہ تو زندہ ہے واللہ!
میرے چشمِ عالم سے چھپ جانے والے

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَمَّا انْتَہَیْنَا اِلٰی بَیْتِ الْمَقْدِسِ قَالَ جِبْرِیْلُ بِاِصْبَعِہٖ فَخَرَقَ بِہِ الْحَجَرَ وَشَدَّ بِھَا الْبُرَاقَ (ترمذی ج ۲ صـ۱۶۱)

(رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب ہم بیت المقدس پہنچے تو جبرائیل علیہ السلام نے اپنی انگلی کا اشارہ کیا تو پتھر میں سوراخ ہو گیا اور اس کے ساتھ براق باندھ دیا۔)

فرشتوں کا استقبال

حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم ارشاد فرماتے ہیں کہ جب ہم مسجد اقصیٰ میں تشریف لے گئے تو دیکھا کہ ہمارے استقبال کے لیے ملائکہ کرام آئے ہوئے ہیں، چنانچہ ان سب فرشتوں نے ہماری اس کرامت و بزرگی کی خوشخبری سنائی جو خالق کائنات اللہ رب العزت کے دربار اقدس میں ہمارے لیے مخصوص ہے۔ پھر فرشتوں نے ہماری خدمت میں اس طرح سلام عرض کیا،

اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا اَوَّلُ یَا اٰخِرُ یَا حَاشِرُ

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ فرشتوں کا یہ سلام سن کر میں نے جبریل امین سے پوچھا کہ ان فرشتوں نے ہمیں ان الفاظ کے ساتھ کیوں سلام کیا ہے؟ تو جبریل علیہ السلام نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرشتوں نے آپ کو اوّل اس لیے کہا ہے کہ آپ سب سے پہلے شفاعت کرنے والے ہیں اور آخر اس لیے کہا ہے کہ آپ سب سے آخری نبی ہیں اور حاشر اس لیے کہا ہے کہ قیامت کے دن تمام مخلوق کے قبروں سے اٹھنے کی ابتدا آپ ہی فرمائیں گے۔

چنانچہ جبریل امین کی اس بات کی تصدیق حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمانِ عالیہ سے بھی ہوتی ہے،

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَنَا سَیِّدُ وُلْدِ اٰدَمَ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ وَاَوَّلُ مَنْ یَنْشَقُّ عَنْهُ الْقَبْرُ اَوَّلُ شَافِعٍ وَاَوَّلُ مُشَفَّعٍ۔

(مسلم - مشکوٰۃ ص۵۱۱)

اور حضرت ابوہریرہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں قیامت کے دن اولادِ آدم کا سردار ہوں اور میں پہلا وہ ہوں جن کی قبر کھلے گی اور میں پہلا شفاعت فرمانے والا اور پہلا مشفع ہوں (یعنی جن کی سب سے پہلے شفاعت قبول کی جائے گی)

مسجدِ اقصیٰ میں نماز

حضور اقدس علیہ السلام نے فرمایا کہ ہم اور جبریل علیہ السلام دونوں مسجدِ اقصیٰ میں داخل ہوئے جہاں تمام انبیائے کرام

مرسلین عظام حاضر تھے۔ آدم علیہ السلام سے لے کر عیسیٰ علیہ السلام تک تمام نبیوں نے آپ کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ کی ثناء کی اور آپ پر درود پاک پڑھا اور سب نے آپ کے افضل و اکرم ہونے کا اعتراف کیا۔ شاعرِ اہلِ سنت صائم چشتی کہتے ہیں ؎

جہاں اقصیٰ چ پہنچے محمد پیارے کھڑے سن نبی انتظاری پر سارے
تے آدم نے نبیاں نوں فرمان کیتا صفاں ٹھیک کر لوؤ امام آگیا

پھر اذان دی گئی اور تکبیر کہی گئی، انبیاء کرام علیہم السلام نے صفیں درست کیں اور انتظار ہو رہا ہے کہ امام کون بنے، اتنے میں جبریل علیہ السلام نے امام الانبیاء احمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا دستِ انور تھاما اور مصلیٰ امامت پر جلوہ فروز ہونے کو عرض کیا۔ چنانچہ فخرِ کون و مکاں سیلانس والجان صلی اللہ علیہ وسلم نے امامت فرمائی اور تمام انبیاء کرام آپ کے مقتدی بنے۔ اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں ؎

نمازِ اقصیٰ میں تھا یہی سِرّ عیاں ہوں معنیٔ اوّل و آخر
کہ دست بستہ ہیں پیچھے حاضر جو سلطنت آگے کر گئے تھے

انبیاء سے کروں عرض اے مالکو
کیا نبی ہے ہمارا تمہارا نبی

خطباتِ رسل نماز سے فارغ ہو کر جلیل القدر اولوالعزم پیغمبروں نے اللہ تعالیٰ جل مجدہٗ الکریم کی ثناء کے بعد تحدیثِ نعمت کے طور پر اپنے اپنے فضائل و محامد خصائص و محاسن بیان کیے اور ان انعامات کے تذکرے کیے جو اللہ تعالیٰ نے انہیں عطا کیے۔

حضرت آدم علیہ السلام کا خطاب سب سے پہلے حضرت سیدنا آدم علیہ السلام نے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

اللہ تعالیٰ جلّ و علا کی حمد و ثناء کے بعد اس خالقِ کائنات کا بے حد احسان ہے کہ اس نے مجھے مٹی سے بنایا، پھر اپنا خلیفہ بنا کر مسجودِ ملائکہ ہونے کا شرف عطا کیا، حوا کو مجھ سے پیدا فرما کر میرا جفت بنایا، اور بہشتِ بریں کی بے شمار نعمتوں سے سرفراز فرمایا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا خطاب :

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِی اتَّخَذَنِیْ خَلِیْلًا وَّ اَعْطَانِیْ مُلْكًا عَظِیْمًا وَجَعَلَنِیْ اُمَّةً قَانِتًا یُؤْتَمُّ بِیْ وَاَنْقَذَنِیْ مِنَ النَّارِ وَجَعَلَهَا بَرْدًا وَّسَلَامًا.	(تمام تعریفیں اس ذات باری کے لیے ہیں جس نے مجھے شرفِ دوستی بخشا اور مجھے ملک عظیم عطا فرمایا اور مجھے مقتدا اور صاحب قنوت بنایا کہ میرا اقتدا کیا جاتا ہے اور مجھے آتش نمرود سے بچاکر میرے لیے آگ کو ٹھنڈا کر دیا۔

سیدنا موسیٰ علیہ السلام کا خطاب :

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ كَلَّمَنِیْ تَكْلِیْمًا فَاصْطَفَانِیْ وَاَنْزَلَ عَلَیَّ التَّوْرٰىةَ وَجَعَلَ هَلَاكَ فِرْعَوْنَ وَنَجَاةَ بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ عَلٰى یَدِیْ وَجَعَلَ مِنْ اُمَّتِیْ قَوْمًا یَهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ یَعْدِلُوْنَ.	(تمام تعریفیں اس ذات خداوندی کے لیے ہیں جس نے مجھے شرف ہمکلامی عطا فرمایا اور مجھے برگزیدہ کیا مجھ پر تورات نازل کی، فرعون کی ہلاکت اور بنی اسرائیل کی نجات میرے ہاتھ پر ظاہر کی اور میری اُمت کو ایسی قوم بنایا کہ حق کے موافق ہدایت کرتے ہیں اور اس کے ساتھ عدل کرتے ہیں)

سیدنا داؤد علیہ السلام کا خطاب

حضرت موسیٰ علیہ السّلام نے اپنا خطبہ مکمل فرمالیا تو ان کے بعد سیدنا داؤد علیہ السّلام نے خطاب کرتے ہوئے فرمایا :

حمد و ثنا ہے اس ذاتِ اقدس کے لیے جس نے مجھے زبور کا علم عطا فرمایا اور تعلیم زبور سے بزرگی بخش کر مجھ پر احسان فرمایا اور میری آواز کو دلکشی بخشی، میرے ہاتھوں میں وہ قوت رکھ دی جس کی وجہ سے لوہا میرے ہاتھوں میں موم ہو جاتا ہے، پہاڑوں اور پرندوں کو میرے لیے

مسخر کردیا، یعنی انہیں میرا تابع اور فرماں بردار کردیا، جالوت جیسے سرکش کو میرے ہاتھوں سے ہلاک کروادیا۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کا خطاب

حضرت داؤد علیہ السلام کے بعد ان کے صاحبزادے سیدنا سلیمان علیہ السلام نے اپنے خطبے کا آغاز کرتے ہوئے فرمایا:

سب تعریفیں اللہ تبارک و تعالیٰ کے لیے ہیں جس نے میرے لیے ہواؤں کو تابع کر دیا، جنوں اور شیاطین پر مجھے مکمل تسلط عطا فرمایا اور مجھے پرندوں کی بولیاں سمجھنے کا علم عنایت کیا، مجھے بہت بڑی سلطنت کی حاکمیت کا اعزاز و اکرام بخشا، مجھے اتنا بڑا ملک دیا جو پہلے کسی کو نہ دیا گیا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا خطاب

حضرت سلیمان علیہ السلام کے بعد سیدنا عیسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کرنے کے بعد خطاب فرمایا:

اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنا کلمہ اور رُوح ہونے کا اعزاز مرحمت فرمایا، یعنی مجھے کلمۃ اللہ اور رُوح اللہ بنایا اور اس خالق و مالک نے سیدنا حضرت آدم علیہ السلام سے میری تخلیق کی تشبیہ دی، اس لیے کہ اس نے مجھے بغیر باپ کے پیدا فرمایا۔ مجھے میری والدہ محترمہ کے شکمِ انور ہی میں کتاب کا علم عطا فرمایا، حکمتوں کے خزانے جو تورات اور انجیل میں موجود تھے، ان پر مجھے اطلاع بخشی۔ مجھے یہ قوت عطا فرمائی گئی کہ میں مٹی کے پرندے بنا کر ان میں پھونکتا تھا، تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے اُڑنے لگتے تھے، اندھے، کوڑھی اور برص کے مریضوں کو اللہ تعالیٰ کے اذن سے شفا دیتا تھا اور مجھے اللہ تعالیٰ آسمان پر اٹھا لے گیا۔ مجھے اور میری والدہ ماجدہ کو شیطان کے شر سے مکمل طور پر اپنی حفاظت میں رکھا۔

اِمَامُ الاَنبیَاء صلی اللہ علیہ وسلم کا خطاب

انبیاء کرام علیہم السلام کے خطاب کے بعد آخر میں امام الانبیاء

پیغمبر آخر الزماں خاتم المرسلاں صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادِ مبارک فرمایا،

سب تعریفیں رب کائنات کے لیے ہیں، شکر ہے اس ذات اقدس کا جس نے ہمیں دونوں جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا اور ساری کائنات اور تمام مخلوقات کے لیے نبی بنا کر بھیجا، ساری دنیا کے لیے بشیر و نذیر بنایا اور مجھے کتاب مقدس قرآن مجید عطا فرمایا جس میں تمام چیزوں کا بیان ہے۔ میری امت کو تمام امتوں سے بہترین قرار دے کر خیر الامم کے لقب سے سرفراز فرمایا اور میرا انشراح صدر فرمایا، میرے نام کو بلند کیا، مجھے فاتح اور خاتم الانبیاء کے لقب سے معروف فرمایا۔ ایک اور روایت میں ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،

سب تعریفیں اس خالق و مالک کے لیے ہیں جس نے مجھے ساری کائنات سے بلند و بالا اور فائق بنایا۔ قیامت کے دن سب سے پہلے میری ہی قبر انور کو کھولا جائے گا، مجھے ہی خاتم الانبیاء بنایا اور مجھے ہی اللہ تعالیٰ نے اول و آخر، شاہد و مزکی بنایا اور مجھے ہی جنت کی بشارت دینے والا مبشر اور دوزخ سے ڈرانے والا نذیر بنایا گیا اور مجھے ہی دَاعِیًا اِلَی اللہِ اور سِرَاجًا مُّنِیْرًا کے لقب سے ملقب فرمایا۔

مجھے قرآن مجید میں محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) فرمایا اور انجیل میں میرا نام احمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہے۔ کتب سابقہ میں میرا نام حامد اور زبور میں محمود رکھا، پھر رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، شکر ہے اس ذات والا کا جس نے تمام روئے زمین کو میرے لیے مسجد بنا دیا، مٹی کو تیمم کے لیے پانی کا درجہ دیا۔ میرے لیے فتوحات میں ہدیے اور اموالِ غنیمت کو جائز قرار دیا، اور ملائکہ کرام کو میری معاونت کے لیے مقرر فرمایا۔ میری اُمت کے لیے تا قیامت توبہ کا دروازہ کھول دیا اور مجھے حوضِ کوثر عطا فرمایا۔ میری شفاعت سے اہل کبائر کی بخشش کی جائے گی۔

افضل الانبیاء چنانچہ جب خطیب الانبیاء سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رب تعالیٰ کی حمد و ثناء اور اپنے فضائل و محامد بیان کرکے فارغ ہوئے تو جد الانبیاء سیدنا حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے تمام نبیوں کی موجودگی میں یہ فرمایا، بِهٰذَا فَضَلَكُمْ مُحَمَّدٌ (صلی اللہ علیہ وسلم)
(یعنی ان کمالات کے سبب حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تم سب میں سے افضل و اعلیٰ ہیں)
تمام انبیاء کرام نے یہ سُنا اور تسلیم کیا۔ سرکار اعلیٰ حضرت اس کی ترجمانی یوں فرماتے ہیں ؎

سب سے اولیٰ واعلیٰ ہمارا نبی — سب سے بالا و والا ہمارا نبی
اپنے مولیٰ کا پیارا ہمارا نبی — دونوں عالم کا دولہا ہمارا نبی
خلق سے اولیاء اولیاء سے رسل — اور رسولوں سے اعلیٰ ہمارا نبی
ملک کونین میں انبیاء تاجدار — تاجداروں کا آقا ہمارا نبی

مسجد اقصیٰ سے آسمان کی طرف پرواز بیت المقدس سے فارغ ہوکر آپ براق پر سوار ہوئے اور آن واحد میں آسمان پر پہنچے۔ قربان جاؤں اس برق رفتاری کے ؎

اک قدم فرش پہ تھا، دوسرا برادجِ فلک
کیا کہوں لزشتہ معراج کی رفتار کی بات

قال جبریل لخازن السماء افتح قال من هذا قال هذا جبريل قال هل معك احدٌ قال نعم معي محمد صلى الله عليه وسلم۔ (مشکوٰۃ ص۵۲۹)
(جبریل علیہ السلام نے دربانِ آسمان سے فرمایا دروازہ کھولو۔ اس نے پوچھا تم کون ہو؟ فرمایا، جبریل ہوں۔ اُس نے کہا کیا تمہارے ساتھ کوئی ہے؟ فرمایا ہاں! میرے ساتھ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں)
چنانچہ دروازہ کھلا اور رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے آسمان کو قدم میمنت لزوم

سے مشرف فرمایا تو ہر طرف سے مسرت و شادمانی کی لہر دوڑ گئی اور بزبانِ حال یہ صدا بلند ہوئی سہ

انبیاء کو بھی جس نے ہیں خطبے دیئے
وہ امام آگیا، وہ خطیب آگیا

پھر وہاں آپ کی ملاقات حضرت آدم علیہ السلام سے ہوئی۔ آپ فرماتے ہیں:

رَجُلٌ قَاعِدٌ عَلیٰ یَمِیْنِہٖ اَسْوِدَۃٌ وَعَلیٰ یُسَارِہٖ اَسوِدَۃٌ وَاِذَا نَظَرَ قِبَلَ یَمِیْنِہٖ ضَحِکَ وَاِذَا نَظَرَ قِبَلَ شِمَالِہٖ بَکیٰ۔ مشکوٰۃ ص۵۲۹

(ایک مرد وہاں تشریف رکھتے تھے جن کے دائیں طرف کچھ لوگ تھے اور کچھ بائیں طرف، جب دائیں طرف دیکھتے تو خوش ہوتے اور جب بائیں طرف دیکھتے تو روتے۔)

آپ کو دیکھتے ہی انہوں نے فرمایا:

مَرْحَبًا بِالنَّبِیِّ الصَّالِحِ وَالْاِبْنِ الصَّالِحِ

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں، میں نے جبرائیل علیہ السلام سے پوچھا یہ کون ہیں؟ انہوں نے کہا یہ حضرتِ آدم علیہ السلام ہیں؛ اور ان کے دائیں بائیں ان کی اولاد کی روحیں ہیں۔ دائیں طرف جنتی ہیں اور جب ان کو دیکھتے ہیں تو خوش ہوتے ہیں اور بائیں طرف جہنمی ارواح ہیں، جب ان کو دیکھتے ہیں تو رو دیتے ہیں۔

پھر آپ وہاں سے دوسرے آسمان پر تشریف لے گئے جہاں آپ کی ملاقات حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام سے ہوئی۔ تیسرے آسمان پر حضرت یونس علیہ السلام سے ملے چوتھے آسمان پر حضرتِ ادریس علیہ السلام اور پانچویں آسمان پر حضرت ہارون علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔ چھٹے آسمان پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو شرفِ زیارت بخشا، ساتویں آسمان پہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔

بزرگو دوستو! جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا گزر سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی قبر انور پر سے ہوا اور آپ نے دیکھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قبر میں نماز پڑھ رہے ہیں

اور پھر آپ کی ملاقات ان سے مسجد اقصیٰ میں ہوئی، پھر چھٹے آسمان پر بھی اُن کو شرف زیارت بخشا۔
اسی طرح دوسرے انبیاء کرام علیہم السلام بھی اپنے اپنے مزارات مقدسہ میں بھی موجود تھے اور
مسجد اقصیٰ میں بھی انہوں نے آپ کی اقتداء میں نماز ادا کی، اس کے بعد آسمانوں پر بھی ان میں سے
اُولوالعزم انبیاء کرام علیہم السلام نے آپ سے ملاقات کی سعادت حاصل کی۔

ان شواہد سے معلوم ہوا کہ مقبولانِ بارگاہِ ایزدی کو خداوند قدوس نے یہ طاقت عطا
فرما رکھی ہے کہ وہ بیک وقت متعدد مقامات پر جلوہ افروز ہو سکتے ہیں اور یہی عقیدہ مذہب
مہذب اہل سنت و جماعت کا ہے۔

سدرۃ المنتہیٰ امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ساتوں آسمانوں کے طرح
طرح کے عجائب و غرائب مشاہدہ و ملاحظہ فرمانے کے بعد
سدرۃ المنتہیٰ پر تشریف لے گئے۔ پھر اس مقام سدرہ پر پہنچ کر جبریل علیہ السلام نے عرض کی
جس کا مفہوم حضرت سعدی شیرازی علیہ الرحمہ اپنے الفاظ میں یوں بیان کرتے ہیں ؎

اگر یک سرِ موئے برتر پرم
فروغِ تجلّی بسوزد پرم

(یعنی اگر میں یہاں سے آگے ایک بال برابر بھی بڑھوں، تو اللہ تبارک و تعالیٰ کے انوار و تجلیات
میرے پروں کو جلا کر راکھ کر دیں گے۔)
مدارج النبوۃ ص ۱۶۴)

سرور نے فرمایا اُس نوں جے توں ساتھی میرا
چل اگیرے نال اساڈے کیوں بیٹھوں کر ڈیرا
کیتی عرض جبریل، حضرت کون اسیں بیچارے
جے اک وال اگیرے ہو نواں سڑ جاندے پر سارے
محمد دے قدماں تے سر نوں جھکا کے، عرض کیتی جبریل سدرہ تے جا کے
میں اگے نہیں اک پیر جا سکدا آقا، میرا آخری ایہہ مقام آگیا اے

حضرت جبرائیل علیہ السلام نے عرض کی، یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ مقام سدرہ ہے، میں یہاں سے آگے نہیں جا سکتا۔ میری پرواز کی اس مقام پر انتہا ہو گئی ہے۔ سرکار اعلیٰ حضرت نے یوں فرمایا ہے ؎

جلو میں جو مرغِ عقل اُڑے تھے، عجب بُرے حالوں گرتے پڑتے
وہ سدرہ ہی پر رہے تھے تھک کر، چڑھا تھا دم تیور آ گئے تھے

محبوب خالقِ کون ومکان صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اے جبریل اگر تیری یہاں انتہا ہے تو ہماری یہاں سے ابتدا ہوتی ہے۔ پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، جبرائیل تم یہاں تک تو ہمارے ساتھ رہے، اب اگر تمہاری کوئی حاجت ہو تو بیان کرو،

یَا جِبْرَائِیْلُ هَلْ لَكَ حَاجَةٌ اِلٰی رَبِّكَ - (مدارج النبوۃ ج ۱ ص ۱۶۶) اے جبرائیل اگر تمہیں اپنے رب سے کسی چیز کی حاجت ہو تو بیان کرو۔

جبرائیل علیہ السلام نے عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہاں! میری صرف ایک تمنا ہے وہ یہ کہ قیامت کے دن جب آپ کی اُمت پُل صراط پر سے گزرنے لگے گی، تو مجھے اجازت مل جائے کہ میں ان کے قدموں کے نیچے پَر بچھا دوں۔

بزرگو، دوستو! شبِ اسریٰ کے دولہا تاجدارِ انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے شبِ معراج جبریل علیہ السلام کے اس احسان کا بدلہ اتار دیا جو انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جدِ امجد حضرت ابراہیم علیہ السلام پر کیا تھا، یعنی جس وقت ملعون ومردود نمرود نے جنابِ خلیل اللہ علیہ السلام کو آگ میں ڈالنا چاہا، تو آپ کی خدمت میں جبرائیل علیہ السلام نے حاضر ہو کر عرض کی تھی کہ اگر آپ کو اس وقت میرے لائق کوئی خدمت ہو تو ارشاد فرمایئے تو جناب خلیل اللہ علیہ السلام نے جواب دیا، اَمَّا اِلَیْكَ فَلَا (مجھے تیرے ساتھ کوئی حاجت نہیں)

چنانچہ جبرائیل علیہ السلام براق سمیت مقامِ سدرہ پر رہ گئے اور محبوبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم آگے عرشِ معلیٰ پر تشریف لے گئے پھر ؎

عرش جھکتا گیا، یار چلتا رہا، لامکاں تک کا رستہ سمٹتا رہا
نور ڈھلتا گیا، پردہ اٹھتا گیا، خوب جلوے سے جلوے نکھارے گئے

سرکار اعلیٰ حضرت یوں منظر کشی کرتے ہیں ؎

جھکا تھا مجرے کو عرشِ اعلیٰ، گرے تھے سجدے میں بزمِ بالا
یہ آنکھیں قدموں سے مل رہا تھا، وہ گرد قربان ہو رہے تھے
ضیائیں کچھ عرش پر یہ آئیں، کہ ساری قندیلیں جھلملائیں
حضورِ خورشید کیا چمکتے، چراغ منہ اپنا دیکھتے تھے

؎ اک کالیاں زلفاں والا اے جیہڑا سدرہ دی توڑ گیا   اوتھوں تیک نہ کوئی ہور گیا

حجابات حضور اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں کہ جب ہم سدرہ سے تنہا روانہ ہوئے تو جس قدر بھی حجابات آتے گئے سب طے ہوتے گئے، یہاں تک کہ میں نے ستر ہزار حجابات طے کر لیے اور ہر حجاب کی موٹائی پانچسو برس کا فاصلہ تھا۔ ایک روایت میں ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سواری براق مقام سدرہ پر رک گئی، تو سبز رنگ کا رفرف ظاہر ہوا، جس کی روشنی آفتاب کی روشنی کو ماند کر رہی تھی۔ (معارج النبوت ج ۳ ص۱۵۲)

پھر چرخِ اطلس کی طرف، رفرف ہوا فر فر رواں
رفتار تھی لمحِ بصر یا جنبشِ چشمِ یقیں

الغرض رفرف بھی بہت سے نورانی حجابات و مقامات طے کرا کے رخصت ہو گیا اور یہ وہ مقام تھا کہ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم دربارِ عالی میں تنہا جانے والے تھے اور بالآخر تمام تر حجابات اٹھ گئے اور یہ وہ مقام تھا ؎

یہی سماں تھا کہ پیکِ رحمت، خبر یہ لایا کہ چلیے حضرت
تمہاری خاطر کشادہ ہیں جو کلیم پر بند راستے تھے

خرد سے کہہ دو کہ سر جھکا لے، گماں سے گزرے گزرنے والے
پڑے ہیں یاں خود جہت کو لالے کسے بتائے کدھر گئے تھے

سُراغ این و متیٰ کہاں تھا، نشان کیف و الیٰ کہاں تھا
نہ کوئی راہی، نہ کوئی ساتھی، نہ سنگِ منزل نہ مرحلے تھے

سفر جاری تھا اور مسلسل یہ صدا آ رہی تھی اُدْنُ یَا خَیْرَ الْبَرِیَّہ اس پیارے خطاب پر حضور نے قدم مبارک بڑھایا، یہاں تک کہ اتنی ہی راہ طے کرنے پر ہزار مرتبہ اُدْنُ مِنِّیْ اُدْنُ مِنِّیْ کا خطاب آیا اور ہیں نے ہر مرتبہ قدم اٹھایا اور ہر قدم پر مذکورہ مسافت طے کی۔ اعلیٰ حضرت اس موقع کے لیے یوں فرماتے ہیں ؎

بڑھ اے محمد قریں ہو احمد، قریب آ سرور مجد
نثار جاؤں یہ کیا ندا تھی یہ کیا سماں تھا یہ کیا مزے تھے

تبارک اللہ شان تیری، تجھی کو زیبا ہے بے نیازی
کہیں تو وہ جوشِ لن ترانی، کہیں تقاضے وصال کے تھے

مقامِ دَنیٰ سے گزرے، تو مقامِ فَتَدَلّٰی پر پہنچے، پھر وہاں سے مقام قَابَ قَوْسَیْنِ پر فائز ہوئے پھر اَوْ اَدْنٰی پر۔ اَدْنٰی اسم تفضیل ہے، یعنی بہت زیادہ قریب ہو جاؤ ؎

قصرِ دنیٰ تک کس کی رسائی جاتے یہ ہیں آتے یہ ہیں

اب محبوب پاک سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلّم اور خدا تعالیٰ جل وعلا کے درمیان کوئی حجاب حائل نہ تھا، اپنے سر اقدس کی چشمان مبارک سے ذاتِ باری کا جلوہ ملاحظہ فرمایا ؎

اُٹھے جو قصرِ دنیٰ کے پردے، کوئی خبر دے تو کیا خبر دے
وہاں تو جا ہی نہیں دُوئی کی، نہ کہہ وہ نہ تھے ارے تھے

محیط و مرکز میں فرق مشکل، رہے نہ فاصل خطوطِ واصل
کمانیں حیرت میں سر جھکائے، عجیب چکر میں دائرے تھے

حجاب اٹھنے میں لاکھوں پردے، ہر ایک پردے میں لاکھوں جلوے
عجب گھڑی تھی کہ وصل و فرقت، جنم کے بچھڑے گلے ملے تھے

وہی ہے اوّل، وہی ہے آخر، وہی ہے باطن، وہی ہے ظاہر
اُسی کے جلوے اسی سے ملنے، اُسی سے اس کی طرف گئے تھے

حضور شافع یوم النشور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں،

رَأَيْتُ رَبِّي فِي أَحْسَنِ صُوْرَةٍ فَوَضَعَ كَفَّهٗ بَيْنَ كَتِفَيَّ فَوَجَدْتُ بَرْدَهَا بَيْنَ ثَدْيَيَّ فَعَلِمْتُ مَا فِي السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ (مشکوٰۃ ص ۷)

(میں نے اپنے رب تعالیٰ کو بہت اچھی صورت میں دیکھا، پھر اس نے میرے دونوں کندھوں کے درمیان اپنے دست قدرت کو رکھا پس میں نے اس سے اپنے سینے میں ٹھنڈک محسوس کی اور جان لیا جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے۔)

سلام اُس پر کہ جس نے اِس کو اُس کو سب کو دیکھا ہے
سلام اس پر کہ جس نے چشم سر سے رب کو دیکھا ہے

پھر کہا حق نے جلوہ میرا دیکھ لے، وہ مجھے دیکھ لے جو تجھے دیکھ لے
میں تجھے دیکھ لوں تو مجھے دیکھ لے دیکھنے کا مزہ آج کی رات ہے

اُمت کی بخشش

اس کیف آور سرور انگیز ملاقات کے وقت آپ کو اپنی امت کی یاد آگئی، تو بارگاہِ ایزدی میں عرض کناں ہوئے

شاہ نے کی عرض امت گنہگار ہے، بخش دے میرے مولا تو غفار ہے
پھر حق نے کہا ماہ پیارے نبی، تو میرا چاند ہے اور تارے نبی
ایسا گھبرا نہ میرے پیارے نبی، ایسی جلدی ہی کیا آج کی رات ہے
لطف جب ہے دیکھیں گے سارے نبی، ہوگی تیری شفاعت پہ اُمت میری
بخش دوں گا قیامت کو اُمت تیری، تجھ سے وعدہ میرا آج کی رات ہے

رب تعالیٰ سے ہمکلامی

پھر خالقِ کائنات سے ہمکلامی کا شرف حاصل ہوا۔ آپ نے عرض کیا:

اَلتَّحِیَّاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلَوٰتُ وَالطَّیِّبٰتُ ۔ (تمام قولی عبادتیں اور تمام فعلی عبادتیں اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہیں)

رب تعالیٰ نے فرمایا:

اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ اَیُّهَا النَّبِیُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَکَاتُهٗ ۔ (سلام ہو تم پر اے نبی اور اللہ تعالیٰ کی رحمتیں اور برکتیں)

خدا تعالیٰ نے محبوب پر سلام پڑھا، تو آپ کو اپنے ساتھ نیک بندوں کا بھی خیال آگیا اور آپ نے فرمایا:

اَلسَّلَامُ عَلَیْنَا وَعَلٰی عِبَادِاللّٰهِ الصّٰلِحِیْنَ ۔ (سلام ہو ہم پر اور اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں پر)

پھر بارگاہِ خداوندی میں سے جو کچھ عطا ہوا وہ دینے والا یا لینے والا جانے ۔

خدا جانے کیسی ملاقات ہوئی ، یا جانے نبی کی سی گل بات ہوئی

بس ایناں پتہ عاصی اُمت لئی، سوہنا شفاعت والے کے پیام آگیا اے

شیخ محقق الشاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو شبِ معراج میں تین طرح کے علوم عطا فرمائے۔ ایک وہ علم تھا جس کے متعلق حکم تھا کہ یہ آپ کے لیے خاص ہے اور کوئی دوسرا اس کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ دوسرا علم وہ ہے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کو اختیار ہے جسے مستحق جانیں عطا فرمائیں۔ تیسرا علم وہ ہے جسے تمام کائنات میں عام کرنے کا ارشاد ہوا۔

معراجِ اُمت

خداوندِ عالم جل مجدہٗ الکریم نے آپ کی اُمت کے لیے جو خاص تحفہ عطا فرمایا، وہ نماز تھی، چنانچہ سید المرسلین فرماتے ہیں:

فُرِضَتْ عَلَيَّ الصَّلٰوۃُ خَمْسِیْنَ صَلٰوۃً فِیْ کُلِّ یَوْمٍ۔ (مشکوٰۃ ص۵۲۸) (یعنی میری امت پر ہر روز میں پچاس نمازیں فرض ہوئیں)

سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم جب ان پچاس نمازوں کا تحفہ لے کر واپس تشریف لائے تو چھٹے آسمان پر سیدنا موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات ہوئی، تو انہوں نے عرض کیا، آپ کی امت پر کیا فرض ہوا؟ فرمایا، رات دن میں پچاس نمازیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا:

اِنَّ اُمَّتَكَ لَا تَسْتَطِیْعُ خَمْسِیْنَ صَلٰوۃً کُلَّ یَوْمٍ۔ (مشکوٰۃ ص۵۲۸) (بے شک آپ کی امت ہر روز پچاس نمازیں نہ پڑھ سکے گی)

کلیم اللہ علیہ السلام کے مشورے کو قبول فرماتے ہوئے آپ چھٹے آسمان سے پھر بارگاہِ خداوندی میں حاضر ہوئے اور نماز میں کمی کرنے کے لیے عرض کیا۔ ربِ کائنات نے دس نمازیں معاف فرمادیں۔ آپ چالیس نمازیں لے کر واپس ہوئے تو چھٹے آسمان پر پھر کلیم اللہ علیہ السلام نے عرض کیا، حضور یہ بھی زیادہ ہیں اور کم کروا لیجیے، حتیٰ کہ کم ہوتے ہوتے پانچ رہ گئیں۔ ایک روایت میں دس دس معاف کرنے کا ذکر ہے اور ایک روایت میں پانچ پانچ نمازیں معاف کا مذکور ہے۔ آخر کار جب پانچ نمازیں رہ گئیں تو موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی آپ کی امت اس کے پڑھنے کی بھی طاقت نہ رکھے گی۔ ایک بار مزید تشریف لے جائیے اور ان میں سے بھی کچھ کم کروا لیجیے۔ سید المرسلین خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا، میں نے اپنے ربِ کریم سے یہاں تک عرض کیا، اب مجھے مزید عرض کرتے ہوئے حیا محسوس ہوتی ہے، میں راضی بہ رضا ہوں۔

بزرگو، دوستو، پچاس نمازوں میں سے پانچ نمازیں موسیٰ علیہ السلام کے وسیلہ سے ہوئیں، اس لیے کہ انہوں نے بار بار حضور کی خدمت میں عرض کر کے پچاس سے پانچ کروادیں، تو اب جو لوگ وسیلہ کے قائل ہیں، انہیں تو پانچ نمازیں ادا کرنا چاہئیں اور جو وسیلے کے منکر ہیں انہیں پچاس نمازیں پڑھنا چاہیے۔

اس مقام پر کچھ لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے پچاس نمازیں عطا کر کے پھر پانچ کرنا تھیں، تو وہ عالم الغیب سے پہلے ہی پانچ عطا کر دیتا، تو اس کی حکمت بعض بزرگوں نے بیان فرمائی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے بارگاہِ خداوندی میں دیدار کا سوال کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے معراج کی رات اپنے کلیم کو چھٹے آسمان پر بٹھایا اور محبوب اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے پاس بلا کر دیدار سے مشرف فرمایا اور پھر موسیٰ علیہ السلام کو بار بار زیارت کا شرف بخشا۔ گویا منشا خداوندی یہی تھا کہ یہ حبیب صلی اللہ علیہ وسلم مجھے دیکھے اور کلیم اللہ علیہ السلام میرے دیکھنے والے کو دیکھے۔ حضرت پیر مہر علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

ایہہ صورت ہے بے صورت تھیں	بے صورت ظاہر صورت تھیں
بے رنگ دسے اک مورت تھیں	وچ وحدت پھٹیاں جد گھڑیاں

بزرگو، دوستو! حضور اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام رات کے تھوڑے سے حصے میں مکان و لامکان کی سیر فرما کر دیدارِ خدا تعالیٰ سے مشرف ہو کر جب واپس تشریف لائے، تو

ان فراشہ لم یبرد من اثر النوم (روح المعانی ج ۱۵ ص ۱۲)	(ہنوز آپ کا بستر مبارک نیند کے اثر سے سرد نہ ہوا تھا)
قَدْ ذَهَبَ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَجَاءَ وَلَمْ يَتَقَسَّمْ مَاءُ اَبْرِيْقِهِ اِنْصِبَابًا۔ (روح البیان ج ۲ ص ۲۴۰)	(تحقیق حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام معراج پر گئے اور واپس آئے، حالانکہ آپ کے کوزے کا جو پانی وضو کے وقت گرا تھا، پوری طرح نہ بہا تھا)

اور زنجیرِ حجرہ ابھی تک ہل رہی تھی۔ (تواریخ حبیب اللہ ص ۲۸)

سرکار اعلیٰ حضرت یوں بیان فرماتے ہیں ؎

خدا کی قدرت کہ چاند حق کے، کروڑوں منزل میں جلوہ کر کے
ابھی نہ تاروں کی چھاؤں بدلی کہ نور کے تڑکے آلیے تھے

قربان جاؤں آپ پر کہ اتنا طویل سفر طے فرما کر واپس تشریف لائے، مگر آپ کا

بستر مبارک گرم تھا، پانی چل رہا تھا اور زنجیر ہل رہی تھی ؎

زنجیر بھی ہلتی رہی، بستر بھی رہا گرم
اک پل میں سرِ عرش گئے آئے محمدؐ

صبح کے وقت آپ نے لوگوں کے سامنے معراج شریف کا واقعہ بیان فرمایا کہ میں نے رات میں ہی لامکان و لامکان کی سیر کی۔ مومنوں نے اسے دل و جان سے تسلیم کیا اور منکروں نے انکار کر دیا ؎

معجزہ یہ محمدؐ کا تحقیق ہے، جس نے تصدیق کی ہے وہ صدیق ہے
اور جو منکر ہے جاہل ہے زندیق ہے، وہ عدوئے خدا آج کی رات ہے

ایک جماعت مشرکوں کی سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس گئی اور ان سے کہا کہ آج تمہارے آقا فرما رہے ہیں کہ وہ راتوں رات بیت المقدس گئے اور واپس آئے۔ تمہاری اس کے بارے کیا رائے ہے؟ صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا، اگر میرے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا ہے تو بالکل سچ ہے، میں اس کی تصدیق و تائید کرتا ہوں۔
(سیرت النبوی ص ۲۹۲)

وَمَا عَلَيْنَا إِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ